

درسِ حیات

مؤلف

حضرت مولانا قاری سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی: ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء)

باہتمام : قاری معین الدین، مہتمم مدرسہ، گیا

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

درسِ حیات

برصغیر کی تین اہم شخصیات کا مفصل تذکرہ اور اُن سے مصنف کے قلبی لگاؤ
اور محبت کی روداد، شستہ زبان، عالمانہ اندازِ بیان اور دلچسپ اسلوب کا نادر مرقع

حضرت مولانا قاری محمد فخر الدین گیاویؒ
(متوفی: ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء)

باہتمام: قاری معین الدین، مہتمم مدرسہ قاسمیہ، گیا

طبع دوم: ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء

نام کتاب	:	درسِ حیات
مصنف	:	حضرت مولانا قاری محمد فخر الدین گیاویؒ
طبع اول	:	۱۳۹۲ھ = ۱۹۷۲ء
طبع دوم	:	۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء
صفحات	:	۲۴۸
قیمت	:	...........روپئے
ٹائٹل وکمپوزنگ	:	قبا گرافکس، فون: +91-9704172672
بہ اہتمام	:	(مولانا قاری) محمد معین الدین قاسمی (صدر جمعیۃ العلماء بہار و مہتمم مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا)
نظر ثانی	:	محمد اعظم ندوی (استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)
ناشر	:	شعبۂ نشر و اشاعت: مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا

ملنے کے پتے

- مرکز علمی و روحانی مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا (بہار)
- المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، تعلیم آباد، قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد
- مکتبہ دارین، مکارم نگر، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ لکھنؤ، یوپی

بسم الله الرحمن الرحيم

درسِ حیات

تذکرہ حضرت مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تذکرہ حضرت مولانا محمد خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تذکرہ حضرت مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

- قطعۂ تاریخ طباعت ''درس حیات'' ۱۶
- عرض ناشر ۱۷
- کچھ باتیں ''درس حیات'' کی اولین طباعت واشاعت کے بارے میں (قاری سید قسیم الحق گیاوی) ۱۹
- چند باتیں مصنف ''درس حیات'' کے بارے میں (قاری سید قسیم الحق گیاوی) ۲۱
  - شاعری ۲۵
  - تحریر ۲۵
  - تقریر ۲۶
  - عاجزی وخاکساری، اخفاء وتواضع ۲۶
  - روحانی فیض ۲۷
  - حرف آخر ۲۷
  - دعاء ۲۸
- حضرت فخر گیاوی: حالات، خدمات کچھ یادیں، کچھ باتیں (مولانا حسین احمد قاسمی عارف گیاوی) ۲۹
  - نام اور ولادت ۲۹
  - تعلیم ۲۹
  - ملازمت ۳۱
  - جامعہ قاسمیہ (رنگون) کا قیام ۳۲

- واپسی از رنگوں ۳۲
- مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا میں ۳۲
- خطاطی ۳۳
- شاعری ۳۳
- اخلاق وعادات ۳۳
- ظرافت، خوش طبعی اور بذلہ سنجی ۳۵
- آداب زندگی کی رعایت ۳٦
- حوصلہ افزائی اور ہمدردی ۳٦
- اصول پسندی ۳۷
- شانِ استغناء ۳۷
- قرآن مجید سے شغف ۳۸
- قاری صاحب بحیثیت مدرس ۳۸
- قوت ارادی اور رعب ۳۹
- قبول عام ۳۹
- دینی قیادت ورہنمائی ۳۹
- شیخ اور شیخ زادہ کا احترام ۳۹
- قاسمیہ کے اجلاس ۴۰
- رمضان المبارک کا عشرۂ اخیرہ ۴۲
- اخلاف ۴۳
- اہلیہ اور ہمشیرہ ۴۳
- وفات ۴۴

مقدمۃ الکتاب ۴۵
- اس تذکرہ نویسی کی غایت ۵۱

تذکرہ حضرت مولانا عبدالغفار صاحب سرحدیؒ ۵۳
- مولانا کا ذریعۂ معاش ۵۹

✿	تعلیم وتبلیغ ،امامت وخطابت اور جرأت مندانہ اعلان حق	۶۰
✿	اصلاح وتبلیغ	۶۵
✿	شاگرد،مرید اور معتقد جنّ	۶۹
✿	جسمانی طاقت	۷۴
✿	گھریلو زندگی	۷۴
✿	غیر شرعی امور سے بیزاری	۷۷
✿	معاملات میں احتیاط	۷۸
✿	بغض فی اللہ	۷۸
✿	حسن تربیت کا عجیب اثر	۷۹
✿	سفر حج وزیارت	۸۰
✿	شرف بیعت اور ریاضت ومجاہدہ	۸۱
✿	علوم تکوینیہ سے مولانا کا تعلق	۸۲
✿	ایثار وسخاوت	۸۷
✿	خدمت خلق	۸۷
✿	سوال اور قرض سے اجتناب	۸۸
✿	جنات کی پہچان	۸۹
✿	جنات کے ہدایا اور نذرانے کبھی قبول نہ فرماتے	۸۹
✿	جنات کا ایک واقعہ	۸۹
✿	بے سروسامانی، زہد اور توکل علی اللہ	۹۰
✿	برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے کا جذبہ	۹۰
✿	مولانا کی اولاد	۹۱
✿	مرض الموت اور وفات	۹۷
✿	مزاج پرسی کرنے والے رجال غیب کی آمد	۹۷
✿	کلمہ کی تلقین کے وقت عجیب واقعہ	۹۸

۞ تاریخ وفات عالم بے بدل وفاضل اجل مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ، گیا ۱۰۰
۞ مولانا کی علمی، دینی اور روحانی یادگار ۱۰۰
۞ تصنیفات ۱۰۰
۞ منورالایمان ۱۰۰
۞ هداية الثقلين في تخصيص المصافحة بعد العيدين ۱۰۳
۞ (اس آیت کی) تفسیر ۱۰۵
۞ مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ، گیا ۱۱۴
۞ مولانا کی سوانح ۱۱۶

۞ **تذکرہ حضرت مولانا محمد خیرالدین صاحبؒ** ۱۱۷
۞ وطن حضرو کا سفر ۱۳۰
۞ میرا گھر ۱۳۳
۞ بزرگوں سے گہرے روابط ۱۳۳
۞ قیام گیا کے بعد کے حالات ۱۳۶
۞ طریقۂ درس ۱۳۸
۞ طلبہ پر شفقت ۱۳۸
۞ مخلوق پر شفقت ۱۳۸
۞ اخفاء، تواضع وانکساری ۱۳۹
۞ شبانہ یوم کے معمولات ۱۴۲
۞ مستند علماء کی مجالس وعظ میں شرکت اور ان کی مدارات ۱۴۴
۞ علماء اور صلحاء کی دعوتیں ۱۴۴
۞ اپنے ملنے والے اور عقیدت مندوں کی دعوتیں ۱۴۵
۞ گذران اوقات اور توکل علی اللہ ۱۴۵
۞ اہل وعیال کی پرورش اور عافیت کا خیال ۱۴۵

✪	ابتدا میں کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی	۱۴۵
✪	اولاد کے زندہ رہنے کا عمل	۱۴۵
✪	اولاد زندہ رہنے لگی	۱۴۵
✪	شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تین درخواستیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب	۱۴۶
✪	آپ تو خود بادشاہ ہیں	۱۴۶
✪	تمام علوم وفنون متداولہ خصوصا علوم دینیہ میں مہارت	۱۴۶
✪	قرآن پاک سے خصوصی شغف	۱۴۷
✪	تلاوت کے بعد کی دعائیں	۱۴۸
✪	ذکر اللہ کا والہانہ انداز	۱۴۹
✪	مرض وفات میں رجوع الی اللہ	۱۴۹
✪	دعائے حزب البحر	۱۵۰
✪	خصوصی ذوق کے کام	۱۵۰
✪	سیاسی مسلک	۱۵۰
✪	تحریک خلافت	۱۵۱
✪	گیا میں خلافت، کانگریس، جمعیۃ کے آل انڈیا اجلاس	۱۵۱
✪	چرخہ اور کھدر	۱۵۱
✪	ترک موالات	۱۵۱
✪	مولانا کا لباس	۱۵۱
✪	عصا	۱۵۲
✪	مسلم لیگ کا دور	۱۵۲
✪	گیا کا تاریخی سیلاب	۱۵۲
✪	گھر سے نکلتے ہی پورا مکان بیٹھ گیا	۱۵۳
✪	کرایہ کے مکان میں عرصہ تک قیام	۱۵۴
✪	اپنا مکان پھر بن گیا	۱۵۴

لطائف وظرائف	۱۵۵
الحافظ کالجاهل	۱۵۵
السؤال نصف العلم	۱۵۶
المعترض کالأعمی	۱۵۶
یک خواند خواند، دو خواند ہیچ خواند، سہ خواند ہیچ نہ خواند	۱۵۷
مکھی مار کر چپکا لیا کرو	۱۵۷
پڑھا بے پڑھا برابر	۱۵۹
ثَمَّ خَیْرًا کا مرض	۱۵۹
بغیر مطالعہ کے پڑھنا اور پڑھانا	۱۶۰
مطالعہ کی تعریف	۱۶۰
بغیر سمجھے ہوئے استاذ کے پاس سے اٹھ آنا	۱۶۱
مطالعہ کا طریقہ	۱۶۱
مطالعہ کا فائدہ	۱۶۱
مطالعہ کا کمال	۱۶۱
بُزِ اخفش	۱۶۱
دو دل بودن بجز بے حاصلی نیست	۱۶۲
خشت اول چوں نہد معمار کج	۱۶۳
ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں	۱۶۳
ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است	۱۶۴
حکیم سَنائی	۱۶۴
تائید غیبی اور امداد خداوندی	۱۶۵
لکل فن رجال	۱۷۴
شیخ چلی	۱۷۴
المرء یقیس علی نفسه	۱۷۵
الإنسان حریص فیما منع	۱۷۶

- بعض فقہی و دینی مسائل ۱۷۷
  - امام کا ایک سورت کی قراءت کرتے کرتے دوسری سورت میں چلے جانا ۱۷۷
  - نماز جنازہ پہلے، جمعہ کے بعد کی سنتیں بعد میں ۱۷۸
  - قصر نہ کرنے پر نماز کا اعادہ ۱۷۸
  - ایک مثل کے بعد عصر کی نماز ۱۷۹
  - عیدین کے کثیر اجتماع میں سجدۂ سہو ۱۷۹
  - کسی بدعت کے مرتکب کو بدعتی، کسی فسق میں مبتلا شخص کو فاسق، کسی قولِ کفر یا فعلِ کفر پر کافر نہیں کہنا چاہئے ۱۸۰
  - مسجد میں جماعت فجر شروع ہونے کے بعد سنت فجر ۱۸۱
  - سنت فجر بہ اطمینان پڑھنے کا وقت نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جائے سنت نہ پڑھے ۱۸۱
  - حدیث قدسی: من عادی لي ولیا فقد آذنته بالحرب ۱۸۲
  - عشرہ اخیرہ رمضان المبارک کا اعتکاف ۱۸۲
  - کرامات ۱۸۵
  - کشف ۱۹۰
  - وصال کے وقت کے حالات ۱۹۱
  - تاریخ رحلت حضرت مولانا مولوی خیر الدین صاحب گیاویؒ ۱۹۶
- **تذکرہ حضرت مولانا قاری حافظ بشارت کریم صاحب گڑھولویؒ** ۱۹۷
- تعارف ۱۹۹
- حالات حضرت گڑھولویؒ ۲۰۱
  - سفر گڑھول ۲۰۲
  - ختم قرآن پاک بحضور قلب ۲۰۲
  - حضوری کی ہیبت ۲۰۳
  - پہلی نظر ۲۰۳

- ۞ سماع قراءت اور وجد ۲۰۳
- ۞ استقامت کا پہاڑ ۲۰۴
- ۞ ایمان کی شہادت ۲۰۴
- ۞ دعا کی درخواست پر دعائیہ کلمات ۲۰۴
- ۞ پنڈت جی کی خدمت میں حاضری ۲۰۴
- ۞ پنڈت جی کا سماع قراءت اور وجد ۲۰۴
- ۞ پنڈت جی کا غلبہ حال اور مسجد کی حاضری سے ممانعت ۲۰۵
- ۞ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض رسانی ۲۰۵
- ۞ نماز نفل میں سماعت حدر ۲۰۵
- ۞ رخصتی خلعت (جوڑا) ۲۰۶
- ۞ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا لباس ۲۰۶
- ۞ میرا طبعی لباس ۲۰۶
- ۞ پہلا طبعی انقلاب ۲۰۶
- ۞ گڑھول سے قلبی تعلق اور سلسلہ مراسلت ۲۰۷
- ۞ مولوی ابوالحسن صاحب کا رجوع ۲۰۷
- ۞ میرا سفر لکھنؤ ۲۰۷
- ۞ جسم لکھنو میں، دل گڑھول میں ۲۰۷
- ۞ دوسرا انقلاب ۲۰۷
- ۞ باطنی تعلیم کے لئے سفر گڑھول ۲۰۸
- ۞ دیوبند میں وصال کی خبر اور مسدس مرثیہ ''نوائے درد'' ۲۰۹

۞ پنڈت جی ۲۱۰
- ۞ جوگی ۲۱۰
- ۞ طلب حق ۲۱۰
- ۞ ایک مجذوبہ کی رہنمائی ۲۱۰

- گڑھول کی حاضری ۲۱۱
- پہلی زیارت ۲۱۱
- بادشاہ ۲۱۱
- عرض مدعا ۲۱۱
- کلمہ طیبہ کی تلقین ۲۱۲
- وصول مطلوب ۲۱۲
- جذب کی کیفیت پھر سکون واطمینان ۲۱۲
- فیض رسانی ۲۱۲
- وصال ۲۱۲
- پنڈت جی کا قلب ۲۱۲
- پنڈت جی کے قلب کی مثال ۲۱۳
- پنڈت جی کے فیض کی سند ۲۱۳
- حشر میں عرش الٰہی کے سامنے پیشی کا مشاہدہ وکشف ۲۱۳
- سرمہ کا نسخہ ۲۱۴

نذرانہ ۲۱۵

- نذرانہ کا ایک واقعہ ۲۱۵
- جذبۂ اخلاص واخفاء ۲۱۶
- سلسلۂ بیعت کا آغاز کیسے ہوا ۲۱۷
- طریقۂ بیعت ۲۱۸
- شاعری اور تاریخ گوئی ۲۱۸
- فن قراءت ۲۱۹
- گمشدہ شخص کی واپسی کے لئے عمل ۲۲۰
- عشق الٰہی ۲۲۰
- عملیات کا مشغلہ ۲۲۱
- جذبۂ اخفاء کا ایک واقعہ ۲۲۱

❁ کر ضبط فغاں فریاد نہ کر تا ثیر دکھا تقریر نہ کر	۲۲۲
❁ حصول بیعت	۲۲۳
❁ سلوک کی تعلیم	۲۲۴
❁ تکمیل باطنی	۲۲۵
❁ حکیمانہ طریق اصلاح کا ایک واقعہ	۲۲۵
❁ کشف کا ایک واقعہ	۲۲۶
❁ کشف کا دوسرا واقعہ	۲۲۶
❁ مسجد کے دروازہ پر دم کرانیوالونکی کثرت	۲۲۷
❁ مسلک کی پختگی	۲۲۷
❁ والد صاحب مرحوم سے خصوصی تعلقات	۲۲۷
❁ کشف کا ایک اور واقعہ	۲۲۸
❁ کشف کا ایک اور واقعہ	۲۲۹
❁ مولانا ایوب صاحب خلف اکبر حضرت رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۹
❁ وجد و حال	۲۲۹
❁ مجاہدہ	۲۳۰
❁ امامت	۲۳۰
❁ نماز میں خشوع خضوع اور تعدیل ارکان	۲۳۱
❁ سماع اور وجد ورقص	۲۳۱
❁ خانقاہ مروجہ سے نفرت	۲۳۱
❁ نماز میں وجد	۲۳۱
❁ ذکر وشغل	۲۳۲
❁ شب بیداری	۲۳۲
❁ عشق میں اضطراب و بے چینی	۲۳۳
❁ ذکر میں انوار کی بارش	۲۳۳
❁ ذکر کا اثر مسترشدین میں	۲۳۴

۞	درس تفسیر	۲۳۵
۞	مجھ نالائق پر نظر شفقت	۲۳۶
۞	ہمارے رشتہ داروں کی خصوصی تواضع	۲۳۶
۞	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام	۲۳۷
۞	جماعتی نزاعات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک صحیح	۲۳۷
۞	مسئلۂ امکانِ کذب کی توضیح	۲۳۷
۞	مسئلۂ علم غیب کی حقیقت	۲۳۸
۞	نماز اور کھانا بے توجہی سے بے کیف ہوتا ہے	۲۳۹
۞	تعدیل ارکان، اقامۃ صلاۃ اور نماز کا حسن و جمال	۲۳۹
۞	بے دلی سے نماز پڑھنے والوں کا شکوہ	۲۴۰
۞	روحانی تصرف کا ایک واقعہ	۲۴۰
۞	میری باطنی تعلیم کا وعدہ	۲۴۱
۞	حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا عجیب منظر	۲۴۲
۞	وصال کے بعد مزار پر دم کرانے والوں کا ہجوم	۲۴۲
۞	مزار شریف کی مٹی	۲۴۲
۞	عجیب تصرف	۲۴۳
۞	حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادگان	۲۴۳
۞	اسباب معیشت	۲۴۴
۞	خواب میں حضرتؒ کا نسخہ تجویز فرمانا اور ایک تصرف کا عجیب واقعہ	۲۴۴
۞	کچھ مجذوبوں نے عزیزی سلمان کی تکمیل کی شہادت دی	۲۴۵
۞	نظم عقیدت (عارف گیاوی)	۲۴۶
۞	نالۂ غم (عارف گیاوی)	۲۴۷
۞	تمنائے دلی آخر بر آئی...... محمد اعظم ندوی (حیدر آباد)	۲۴۸

قطعہ

تاریخ طباعت اول ’’درس حیات‘‘

احوال زندگی ہیں بزرگان دین کے
’’درس حیات ‘‘ واقعی درس حیات ہے

دیکھا ہے اس میں جلوۂ غفار سرحدیؒ
پاکیزہ جن کی ساری حیات وممات ہے

مولانا خیر دیں بھی انہیں کے تھے جانشیں
ان کی حیات کتنی توکل ثبات ہے

حضرت گڑھولویؒ کی عجب ذات ِپاک تھی
جو بات ان کی ہے وہ بہت پیاری بات ہے

زور قلم یہ حضرت فخر گیاوی کا
ہر پڑھنے والے کے لئے آب حیات ہے

بد بیں کا سر اڑا کے لکھو سال طبع تم
’’ درس حیات ‘‘ جادۂ درس حیات ہے

۹۲ــــــــــــ ھ ــــــــــــ ۱۳

از
سید قسیم الحق گیاوی

عرض ناشر

والد محترمؒ کی زیر نظر کتاب ۱۹۷۲ء میں چھپ کر کافی مقبول ہوئی تھی؛ لیکن اب ڈھونڈھنے سے بھی اس کے نسخے نہیں ملتے یا ادھورے ملتے ہیں، اڑیسہ میں ایک صاحب کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ ملا، جس کے صرف دو چار صفحات اخیر سے غائب ہیں، اسی کو بنیاد بنا کر اس کی دوسری اشاعت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

اس کتاب میں اپنے زمانہ کی تین مشہور شخصیات حضرت مولانا عبد الغفار سرحدیؒ، حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ اور حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کا تذکرہ ہے، جو بعد میں گمنام ہوگئیں، ہم اپنے لئے اس کی دوسری اشاعت کو باعث سعادت اور ذریعۂ آخرت سمجھتے ہیں۔

میں جناب مولانا حسین احمد صاحب قاسمی امام وخطیب جامع مسجد ساکچی، جمشید پور کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے طبع دوم کے لئے مصنف کتاب کے حالات وخدمات اور اخلاق وعادات پر تفصیلی تحریر قلمبند کی، اور ان کے فرزند عزیزم مولوی محمد اعظم ندوی استاذ حدیث وفقہ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کی شبانہ روز محنت کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، جو اس کتاب کی ترتیب، نظر ثانی اور پروف ریڈنگ میں کام آئی، میں محترم جناب حاجی علاء الدین صاحب (دہلی) کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں اپنا مالی تعاون دیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، شکریہ مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری (قبا گرافکس،

حیدرآباد) کا بھی حق ہے کہ ان کی کمپیوٹر کتابت، تزئین اور جابجا آنے والی احادیث کی ڈیجیٹل تخریج کتاب کی زینت ہے۔

اور ان سب سے اول وآخر رب کریم کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالاتا ہوں کہ اسی کی توفیق اور تدبیر سے یہ دیرینہ تمنا پوری ہورہی ہے۔

والحمد لله الذي بنعمته تتمّ الصالحات

۲۰/شعبان ۱۴۳۱ھ
۲/اگست ۲۰۱۰ء

محمد معین الدین قاسمی
مہتمم مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ، گیا
وصدر جمعیۃ العلماء بہار

کچھ باتیں

''درس حیات'' کی اولین طباعت واشاعت کے بارے میں

آج سے تقریباً دس ماہ قبل مصنف مدظلہ نے ''درس حیات'' کا مسودہ میرے حوالہ کیا تھا کہ میں اسے اپنے اہتمام اور نگرانی میں شائع کر کے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچادوں، مگر میری علالت، کاتب کی عدیم الفرصتی، پریس کی بھیڑ بھاڑ اور چند دوسری وجوہات سے کتاب کی اشاعت کا کام ملتوی ہوتا چلا گیا۔

اپریل ۷۲ء کی ابتداء میں مصنف مدظلہ کے گرامی نامے میرے پاس پہنچے کہ مئی میں ''مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ، گیا'' کا جلسہ ہونے والا ہے، اس جلسہ میں یہ کتاب منظر عام پر آجانی چاہئے، پھر ملاقات ہوئی تو زبانی بھی آپ نے یہی حکم دیا؛ چنانچہ اپریل کے پہلے ہفتہ سے کتابت کا کام میں نے شروع کرادیا، دوسرے ہفتہ میں جب حضرت قاری صاحب مدظلہ کلکتہ چلے گئے اور وہاں جاکر زیادہ بیمار ہوگئے تو مجھے بھی کلکتہ جانا پڑا، کلکتہ میں مجھے حضرت قاری صاحب مدظلہ کے علاج ومعالجہ کا باقاعدہ انتظام کرنے کا بھی موقعہ ملا۔

''مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ، گیا'' کے جلسہ کے بہت سے اہم کام بھی کئے، کتاب کے سرورق کے لئے گنبد خضرا کے تین رنگ کے بلاک بھی بننے کو دیدیئے اور کاغذ کی خریداری بھی کر لی، دس دن کلکتہ رہ کر میں گیا واپس ہوا، کتابت شدہ کاپیوں کی تصحیح کی، کاغذ پریس کے حوالہ کیا، جلد بند سے بات چیت کی اور چند روز گیا میں رہنے کے بعد اپنی ضرورت سے ۲۶ اپریل کو دہلی پہونچ گیا، دہلی میں ''درس حیات'' کے نام اور مصنف کے نام کے بلاک بنوائے۔

حضرت گڑھولوی رحمہ اللہ کی سوانح کی کتابت کا انتظام کیا اور'' چند باتیں مصنف'' درس حیات'' کے بارے میں'' لکھ ڈالیں اور ان کی کتابت بھی کرا ڈالی، اس کے بعد گیا میں طباعت وجلد سازی کا سارا انتظام ہوا۔

یہ ساری روداد لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ کتابت وطباعت کے دوران مصنف کتاب کو تصحیح ونظر ثانی کا موقع نہیں مل سکا ہے اور'' چند باتیں مصنف'' درس حیات'' کے بارے میں'' میں نے بلا اجازت لکھیں اور بغیر دکھائے ہوئے کتاب میں شامل کر دی ہیں؛ اس لئے کتاب میں جو کچھ غلطی نظر آئے مجھ سے منسوب کی جائے، مصنف مدظلہ سے نہیں، مجھے امید ہے کہ مخلص حضرات میری خامیوں سے مجھے مطلع فرمائیں گے؛ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح کر دی جائے۔

والسلام

سید قسیم الحق گیاوی

مدرسہ تعلیم القرآن رانی گنج، ضلع گیا (بہار)

۱۵/مئی ۱۹۷۲ء

چند باتیں

مصنف ''درس حیات'' کے بارے میں

از: سید قسیم الحق گیاوی

حضرت مولانا قاری محمد فخر الدین صاحب گیاوی مدظلہ العالی کا نام نامی ہندوستان کے دینی وعلمی حلقوں میں آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن ہے، آپ کی علمی شخصیت، آپ کی بزرگ روحانی ہستی اور آپ کے علمی و دینی کارناموں سے پورے ملک میں مقتدر اہل نظر وصاحب دل حضرات بخوبی واقف ہیں، اور آپ کی مخلصانہ خدمات کا اعتراف تہہ دل سے کرتے ہیں۔

طالب علمی کے زمانہ سے ہی آپ کی سنجیدگی ومتانت، آپ کی علمی صلاحیت اور آپ کے پاکیزہ کردار کی وجہ سے آپ کے اساتذہ اور آپ کے ہم سبق دونوں ہی بہ خلوص دل آپ کے مداح ومعترف رہے ہیں اور آج تک آپ کا تذکرہ نہایت ہی عزت ومحبت کے ساتھ کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ، استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز، امام النحو حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کشمیری رحمہ اللہ، امام الفقہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کاملپوری جیسی نامور ہستیاں اپنے عزیز شاگرد (حضرت قاری صاحب مدظلہ) سے بڑی ہی محبت وشفقت اور احترام وعزت کا برتاؤ فرماتی تھیں، غرض کہ تمام اساتذہ دل سے آپ کی سنجیدگی ومتانت، ادب وخلوص اور علمی صلاحیتوں کی قدر فرماتے رہے ہیں۔

طالب علمی کے دوران حضرت مولانا بشارت کریم صاحب گڑھولوی رحمہ اللہ سے آپ کو

قلبی لگاؤ اور روحانی عقیدت پیدا ہوئی، اور حضرت گڑھولوی رحمہ اللہ کی نظر شفقت اور خصوصی توجہ کی بنا پر اسی وقت سے آپ کے اندر روحانیت کے جوہر پیدا ہونے لگے۔

ابھی حضرت قاری صاحب مدظلہ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے کہ حضرت گڑھولوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا، تعلیم شریعت سے فراغت کے بعد تحصیل طریقت کی فکر آپ کے دل میں پیدا ہوئی تو آپ کی نظر عقیدت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی پر مرکوز ہوگئی، اور آپ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے بیعت ہوگئے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ آپ کے استاد بھی تھے، پیر و مرشد بھی، شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی خصوصی نظر عنایت آپ پر رہتی تھی اور آپ پورے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اپنے شیخ کی ایک ایک سنت پر عمل کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ اپنے پیر و مرشد کا اتنا احترام فرماتے تھے کہ جب کبھی شیخ رحمہ اللہ کی مبارک مجلس میں حاضر ہوتے، جوتے اتارنے کی جگہ پر بیٹھ جاتے اور نظریں نیچی کئے نہایت غور سے حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے ملفوظات سے درس حیات حاصل کیا کرتے تھے، کبھی نظر ملا کر بات کرنے کی جرأت نہ کی، ہمہ وقت ادب واحترام، عجز وخاکساری کے پیکر بنے رہتے تھے۔

دوسری طرف پیر و مرشد کا اپنے مرید پر شفقت ومحبت کا یہ حال تھا کہ جیسے ہی حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی نظر حضرت قاری صاحب مدظلہ پر پڑ جاتی، آپ نہایت ہی اصرار کے ساتھ انہیں اپنے پاس بلاتے، آپ سے احوال دریافت فرماتے اور آپ کی بڑی خاطر مدارات فرماتے تھے۔

ایسے بھی مواقع آئے جب متعدد مفتذر لوگوں نے حضرت قاری صاحب مدظلہ کی شکایتیں حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں پہنچائیں، مگر حضرت شیخ رحمہ اللہ کو اپنے اس عزیز شاگرد و مرید پر اتنا اعتماد تھا کہ جب تک آپ نے ان باتوں کی تحقیق حضرت قاری صاحب مدظلہ سے نہ فرمائی، ان شکایتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی؛ لیکن جب حضرت قاری صاحب مدظلہ سے تحقیق حال کے بعد ان شکایتوں کا غلط اور لغو ہونا ثابت ہوگیا تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ان شکایت

کرنے والوں کو برسر مجلس ایسی ڈانٹ پلائی کہ بے چاروں کے ہوش وحواس اڑ گئے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ جب بھی صوبہ بہار کا پروگرام منظور فرماتے حضرت قاری فخر الدین صاحب کی درخواست پر اور کبھی از خود بھی گیا ضرور تشریف لاتے، گیا کا کہیں بھی ذکر آ تا تو حضرت شیخ رحمہ اللہ دریافت فرماتے کہ قاری صاحب کہاں ہیں؟ ان کے مزاج کیسے ہیں؟

پیر ومرشد کی شفقت ومحبت اور مرید کے ادب وعقیدت، عبادت وریاضت کا یہ قابل قدر نتیجہ سامنے آیا کہ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے حضرت قاری فخر الدین صاحب مدظلہ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

یہ ایک معمولی سا تذکرہ اس بات کا تھا کہ کس طرح حضرت قاری فخر الدین صاحب مدظلہ نے علوم شریعت وطریقت میں کمال حاصل کیا، اب آپ کی دینی وعلمی خدمات کا مختصر سا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے اساتذہ کے حکم سے حضرت قاری صاحب مدظلہ رنگون (برما) تشریف لے گئے اور وہاں ''جامعہ قاسمیہ'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، یہ مدرسہ آپ نے محض توکل علی اللہ پر قائم کیا تھا، ظاہری ذرائع اس مدرسہ کی ترقی وبقا کے موجود نہ تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری محمد فخر الدین صاحب مدظلہ کی مخلصانہ مساعی کو قبول فرما کر اس مدرسہ کو ترقی فرمائی، آج بھی یہ مدرسہ اسی نام سے رنگون میں قائم ہے، مگر حضرت قاری صاحب کو اپنے مرشد حضرت شیخ رحمہ اللہ اور اپنے والد حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمہ اللہ کے حکم پر رنگون کا قیام ترک کردینا پڑا۔

گیا آنے کے بعد حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمہ اللہ نے اپنی علالت کے باعث مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کے تمام انتظامات اپنے ذی صلاحیت وعزیز صاحبزادے حضرت قاری ومولانا محمد فخر الدین صاحب مدظلہ کے سپرد کردئے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ کی علمی وروحانی صلاحیتوں اور مخلصانہ کوششوں کے باعث مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا نے آپ کے دور میں علمی وروحانی ترقی حاصل کی، آپ کے زمانہ میں کافی تعمیرات بھی ہوئیں، مطبخ بھی قائم ہوا، طلبہ کی تعداد بھی بڑھی، مدرسین میں بھی اضافہ ہوا، اور آہستہ

آہستہ اس مدرسہ نے صوبہ بہار کے مرکزی ادارہ کی حیثیت حاصل کر لی، آج اس مدرسہ کی ۶۷ / تعلیمی شاخیں صوبہ بہار، بنگال، اڑیسہ میں حضرت قاری صاحب مدظلہ کے زیر نگرانی مصروف عمل اور روبہ ترقی ہیں۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ اور ان کے مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کے ہزاروں فیض یافتہ شاگرد سارے ہندوستان میں بالعموم اور بہار، بنگال، اڑیسہ میں بالخصوص دینی وعلمی خدمات، درس وتدریس اور امامت وخطابت میں مصروف نظر آتے ہیں۔

ابتداء میں جب حضرت قاری صاحب مدظلہ نے مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کا انتظام سنبھالا، اس وقت گیا اور پورے صوبہ بہار میں جہالت وبدعت کا زور تھا، دیوبند کے نام ہی سے لوگ بھڑکتے تھے، جس مسجد میں دیوبندی نماز پڑھ لیں وہ مسجد ناپاک سمجھی جاتی تھی اور دھلوائی جاتی تھی۔

خود مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کے حاطہ میں ایک بزرگ کا مزار ہے، اس مزار پر نہایت زور شور کے ساتھ قوالی کی محفلیں جمتی تھیں۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ نے نہایت ہی خاموشی کے ساتھ مثبت انداز میں کام کرنا شروع کیا، علم دین کی روشنی ہر چہار جانب پھیلائی، اکابر علماء دیوبند کی تقریریں گیا اور پورے صوبہ میں کرائیں، جمعیۃ علماء کی شاخیں قائم کیں، تبلیغی جماعت کے مراکز کھولے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو مسلسل بلاتے رہے (حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تقریروں سے بھی فائدہ پہنچا اور سلسلہ بیعت وارشاد سے بھی)، ان طویل اور مسلسل کوششوں ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج گیا کی اکثر وبیشتر مساجد میں صحیح العقیدہ امام ہیں، بے شمار فارغین دارالعلوم دیوبند دینی وعلمی کاموں میں مشغول ہیں، اور اب صحیح العقیدہ علماء دیوبند کی تقریریں ہی اہل گیا کو زیادہ پسند آتی ہیں — شرک وبدعت اور جہالت میں نمایاں کمی آچکی ہے اور صحیح عقیدہ اور علم کی روشنی پھیلی ہے۔

اصلاح کا اتنا بڑا کام حضرت قاری صاحب مدظلہ کی مخلصانہ مساعی سے ہوا ہے اور ہورہا ہے کہ آج سارے صوبہ کے دیندار، اہل علم، اہل نظر حضرات تہہ دل سے حضرت قاری صاحب مدظلہ کے مداح ومعترف نظر آتے ہیں اور سارے ملک میں آپ کی علمی ودینی خدمات کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ تو تھا حضرت قاری صاحب مدظلہ کے دینی وعلمی کاموں اور روشن خدمات کا مختصر سا خاکہ،
اب حضرت قاری صاحب مدظلہ کے کچھ اور اوصاف مختصر طور پر درج ذیل کرتا ہوں۔

شاعری

آپ کی شاعری آپ کی طالب علمی کے زمانہ سے ہی چل رہی ہے، مگر آپ کی شاعری ''**وأنهم يقولون مالا يفعلون**'' کی زد میں نہیں آتی، آپ نے زیادہ تر نعتیں اور اسلامی نظمیں کہی ہیں، ابتداء میں چند غزلیں کہی تھیں، مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ نے غزل گوئی بالکل ترک فرمادی؛ البتہ نعتیں بہت بڑی تعداد میں اور بہت اچھی لکھیں، اللہ تعالیٰ نے متعدد بار اپنے دربار میں اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشا؛ اس لئے سفر حج کے مشاہدات وتاثرات متعدد طویل ومختصر نظموں میں قلم بند فرمائے، اپنے ابتدائی روحانی مربی حضرت گڑھولوی رحمہ اللہ کے انتقال پر ان کا پیردرد مرثیہ مسدس ''نوائے درد'' لکھا، اپنے پرومرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی شان اقدس میں اتنی نظمیں قبل از وفات اور بعد از وفات تحریر فرمائیں کہ ان کا ایک مستقل مجموعہ ''نذر عقیدت'' شائع ہوا (نذر عقیدت کے اب تک ۱۳ اضافہ شدہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں) جمعیۃ علماء ہند سے قلبی لگاؤ ہے، اس کے مستقل رکن اور صوبائی جمعیۃ کے عہدہ دار بھی رہے ہیں؛ اس لئے جمعیۃ علماء ہند کے متعلق بھی درجنوں نظمیں کہی ہیں، اس طرح آپ کی شاعری بھی اصلاح وتبلیغ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔

''نوائے درد'' اور ''نذر عقیدت'' کے علاوہ آپ کا ایک ضخیم مجموعہ کلام ''نور ایمان'' راقم الحروف نے مرتب کر کے شائع کیا، ان تینوں مجموعوں کے بعد بھی آپ کی متعدد بیش قیمت نظمیں ابھی غیر مطبوعہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا تو ان نظموں کو بھی ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کروں گا۔

تحریر

حضرت قاری صاحب مدظلہ کی تحریر ایسی ہوتی ہے کہ ایک ایک شوشہ اور ایک ایک نقطہ شمار کر لیجئے، کتابت کے قاعدوں کے مطابق نہایت صاف الگ الگ الفاظ، نہایت خوبصورت نشست میں تحریر فرماتے ہیں، گویا فاؤنٹین پن سے کتابت ہی کرتے ہیں، آپ نے شاعری

کے علاوہ مختلف مواقع پر متعدد مضامین بھی لکھے ہیں، آپ کی برجستہ مضمون نویسی کا ایک نمونہ ''درس حیات'' قارئین کے سامنے ہے۔

تقریر

حضرت قاری صاحب مدظلہ بڑی ہی مؤثر، سادہ وسلیس عام فہم تقریر فرماتے ہیں، دیہاتوں میں دیہاتی زبان میں بھی تقریریں کرتے دیکھا ہے، مگر آپ تقریر کرنے کے لئے جلسوں میں شرکت کرنا نہیں چاہتے، بہت اصرار کے بعد بدرجۂ مجبوری بعض جلسوں میں تقریریں فرماتے ہیں، وہ تقریریں اتنی اثر انگیز ہوتی ہیں کہ عوام وخواص سب کو فائدہ پہنچتا ہے، حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہاں پوری جیسے آل انڈیا فصیح اللسان مقرر متعدد مواقع پر آپ کی تقریروں سے متاثر ہوئے ہیں، اور برسرِ جلسہ اپنے گراں قدر تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔

عاجزی وخاکساری، اخفاء وتواضع

مگر حضرت قاری صاحب مدظلہ پر خاکساری وعاجزی، اخفاء، وتواضع کا اتنا غلبہ ہے کہ تقریریں کرنا نہیں چاہتے، خود اپنے مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کے بڑے بڑے جلسے کرتے ہیں، مگر خود تقریر کرنا تو کجا، اسٹیج پر بیٹھنا بھی پسند نہیں فرماتے، گیا میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس عام حضرت قاری صاحب مدظلہ کی مخلصانہ کوششوں اور پیہم جدوجہد سے ہی ہوا، مگر اس اجلاس کے کسی بھی اشتہار، کسی بھی خطبہ، کسی بھی بیان میں حضرت قاری صاحب مدظلہ نے اپنا نام شائع نہ ہونے دیا، حتیٰ کہ شب میں ایک طرف اجلاس عام ہوا کرتا تھا تو دوسری طرف آپ رات بھر پریس میں بیٹھ کر جمعیۃ علماء ہند کی تجویزیں چھپوایا کرتے تھے۔ (حالاں کہ یہ کام حضرت قاری صاحب مدظلہ کے حکم سے دوسرے خدام بھی کر سکتے تھے) حضرت قاری صاحب مدظلہ نے بذاتِ خود یہ کام اپنے ذمہ لیا اور اجلاس عام میں تقریر کرنا تو کجا اجلاس کے اسٹیج پر بھی نہ گئے، اس زمانہ میں ایسی بے نفسی، ایسا اخفاء وتواضع، ایسا اخلاص بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

تقریروں کے سلسلہ میں حضرت قاری صاحب مدظلہ کی عاجزی وخاکساری کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے جلسوں کے دعوت نامے آتے ہیں، اصرار کیا جاتا ہے، مگر آپ صاف طور پر تحریر فرمادیتے

ہیں کہ ”میں مقرر نہیں ہوں؛ اس لئے آپ کے جلسہ میں مقرر کی حیثیت سے شریک نہیں ہوسکتا“۔

روحانی فیض

حضرت قاری صاحب مدظلہ کے ذریعہ روحانی فیض بھی بے شمار لوگوں کو پہنچا، ہزاروں طالبین حق کو آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے دست مبارک پر بیعت ہونے کی ترغیب دی، اور آپ کی ترغیب پر ان حضرات نے بیعت ہوکر روحانی فیوض حاصل کئے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد شیخ رحمہ اللہ کے ہزاروں مریدین حضرت قاری صاحب مدظلہ سے رجوع کرنا چاہتے تھے، اور ہزار ہا لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت بھی ہونا چاہتے تھے، مگر آپ نے کسی کو خود بیعت کرنا پسند نہ کیا، جس نے بھی بیعت کی خواہش ظاہر کی آپ نے اسے جگر گوشہ شیخ الاسلام حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، اور آپ کی کوششوں سے ہزاروں آدمی مولانا اسعد مدنی مدظلہ سے بیعت ہوئے، حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ بھی حضرت قاری صاحب مدظلہ سے وہی تعلق رکھتے ہیں، جو حضرت رحمہ اللہ کو تھا، دوسری طرف حضرت قاری صاحب مدظلہ بھی حضرت مولانا اسعد صاحب کو اپنے پیرومرشد کا سچا جانشیں، اور اپنا سرپرست ومربی سمجھتے ہیں۔

سینکڑوں حضرات جو مولانا اسعد صاحب سے بیعت ہیں، مولانا موصوف کے حکم کے مطابق حضرت قاری صاحب مدظلہ سے روحانی اسباق اور راہ طریقت کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس طرح بلاواسطہ اور بالواسطہ آپ کے روحانی فیوض کا چشمہ بھی رواں دواں ہے۔

حرف آخر

راقم الحروف کو بچپن سے حضرت قاری صاحب مدظلہ کے علوم وفیوض کے چشموں کی روانی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، آپ کی پرخلوص خدمات، آپ کے بے لوث کارنامے اور آپ کی متواضع، بے نفس زندگی اتنی اثر انگیز ہے کہ اگر انہیں تفصیل سے لکھا جائے تو مستقل کتاب تیار ہوجائے، مگر صفحات کی تنگ دامانی قلم کی روانی کو روک رہی ہے؛ اس لئے مجبوراً اسی مختصر ترین اور نامکمل تذکرہ پر اکتفا کرتا ہوں، اس تذکرہ سے پیش نظر کتاب ”درس حیات“ کے مصنف کی

زندگی کی ہلکی سی جھلک نظر آجاتی ہے، یہی اس تذکرہ کا مقصد ہے۔

دعاء

بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ آئندہ کسی موقع پر حضرت مولانا قاری محمد فخر الدین صاحب مدظلہ العالی مصنف ''درس حیات'' کی تفصیلی سوانح لکھ کر قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو☆۔آمین

طالب ومحتاج دعاء
سید قسیم الحق گیاوی
دہلی

یکم مئی ۱۹۷۲ء

☆افسوس کہ ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکی، اور ۱۹۸۲ء میں انتقال فرما گئے، سید قسیم الحق گیاوی فن تجوید کے ماہر اور طبع زاد شاعر تھے، مؤلف کتاب کے ہمشیر زادہ تھے، اور میں ان کا ہمشیر زادہ ہوں، ان کے بڑے بھائی مولانا سید شمیم الحق گیاوی ناظم مدرسہ تعلیم القرآن، رانی گنج (گیا) ہیں، اور تین بہنیں عائشہ، میمونہ اور صدّیقہ ہیں۔(اعظم)

حضرت فخر گیاویؒ

حالات، خدمات کچھ یادیں، کچھ باتیں

ازقلم: مولانا سید حسین احمد قاسمی (عارف گیاوی)
امام وخطیب جامع مسجد، ساکچی، جمشید پور (جھارکھنڈ)

نام اور ولادت

نام: محمد فخر الدین، کنیت: ابوالحیاء، تخلص: فخر، تاریخی نام: ظفیر عالم ہے، ۱۳۳۱ھ میں اپنے نانا حضرت مولانا عبدالغفار رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں (جو محلہ باٹم برج، مولانا عبدالغفار لائن گیا میں واقع ہے) پیدا ہوئے، آپ کے والد حضرت مولانا خیرالدین صاحب اپنے وقت کے مایۂ ناز عالم دین تھے۔

تعلیم

حضرت فخر کی ابتدائی تعلیم ۵/ برس کی عمر سے شروع ہوئی، ۷/ برس کی عمر میں حفظ قرآن شروع ہوا اور بارہ سال کی عمر میں ختم ہوا: حضرت حافظ قاری ارادۃ الحق صاحبؒ، حضرت حافظ قاری عبدالقدوس صاحبؒ اور حضرت مولانا حافظ فریدالدین صاحبؒ حفظ کے اساتذہ ہیں۔

حفظ کے بعد گلستاں تک فارسی کی کتابیں آپ کے والد صاحبؒ نے خود پڑھائیں، گلستاں تک پڑھ لینے کے بعد حضرت فخر مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ پہنچے اور حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا، چوں کہ شروع ہی سے صحیح قرآن پڑھا تھا، تلفظ صحیح اور ادائیگی عمدہ

تھی؛اس لئے ایک ہی سال میں قاری عبدالمالک صاحب نے قراءت حفص کی تکمیل کرادی،ساتھ ساتھ مدرسہ فرقانیہ میں ''شرح مائۃ عامل'' تک عربی کتابیں بھی ہوگئیں، ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں مدرسہ فرقانیہ کا سالانہ امتحان استاذ الاساتذہ حضرت الحاج مولانا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی ثم المکیؒ نے لیا، اور حضرت فخر قراءت حفص کے امتحان میں امتیازی درجہ سے کامیاب ہوئے، حضرت قاری عبدالرحمن صاحبؒ کے دست مبارک سے دستار بندی ہوئی اور سند ملی، قراءت حفص سے فراغت کے بعد گھر آکر حضرت فخر نے اپنے والد صاحب سے ہدایۃ النحو وغیرہ کتابیں پڑھیں، اُدھر حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ لکھنؤ چھوڑ کر ٹونک جا چکے تھے، رمضان کے بعد انہوں نے اپنے پاس مدرسہ فرقانیہ ٹونک (راجستھان) میں بلالیا، اور مزید مشق قراءت کرائی، دوسال ٹونک میں رہنا ہوا، مشق قراءت کے علاوہ مندرجہ ذیل اساتذہ سے شرح جامی تک کی کتابیں پڑھیں: مولانا عبید اللہ صاحب، مولانا میاں صاحب مرحوم صاحبزادہ حضرت مولانا حکیم برکات احمد صاحب، حضرت مولانا سراج الدین صاحب ولایتیؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب چشتیؒ۔

ٹونک سے آنے کے بعد تیسری بار شرح جامی، دوسری بار قدوری، سراجی اور شرح تہذیب اپنے والد صاحبؒ سے پڑھیں۔

اسی سال اپنے والد صاحبؒ کے ساتھ حضرت مولانا حافظ بشارت کریم صاحب گڑھولویؒ کی خدمت میں گڑھول ضلع مظفر پور گئے، حضرت گڑھولویؒ سے ملاقات کے بعد قلبی تأثر بہت زیادہ ہوا اور ان کے بہت زیادہ معتقد ہو گئے، ادھر حضرت گڑھولویؒ نے بھی حضرت فخر کی قراءت بہت پسند کی اور فرمایا کہ ''فخر الدین کا قرآن دل کو لگتا ہے، یہ ایمان کی علامت ہے''، حضرت مولانا خیرالدین صاحبؒ کی بار بار درخواست پر حضرت گڑھولویؒ نے حضرت فخر کے لئے متعدد بار دعا فرمائی، ہر دعا میں یہ جملہ ضرور فرماتے تھے کہ ''اللہ اخلاق درست کرے'' اس دعا کا اثر بہت زیادہ ہوا، اور حضرت فخر اسی کے بعد سے فقیر منش بنتے گئے۔

پھر دوبارہ لکھنؤ گئے، دوسال میں قراءت سبعہ کی تکمیل ہوئی اور امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے، لکھنؤ سے واپسی کے بعد آپ کے والد صاحب نے آپ کو شوق وذوق سے عربی پڑھانا شروع کیا؛ لیکن گھریلو مشاغل کی وجہ سے تعلیم کا نقصان ہوتا تھا؛ اس لئے رمضان کے

بعد حضرت گڑھولویؒ کے مشورہ سے مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں آپ کے والد صاحب نے داخل کرایا، مولانا مقبول احمد خاں صاحب نے قطبی شروع کرائی؛ لیکن آب و ہوا راس نہ آئی اورعلالت کی بناء پر پندرہ روز کے بعد ہی گھر لوٹ آنا پڑا، دربھنگہ سے واپس آ کر سہارنپور گئے اور مدرسہ مظاہرعلوم میں داخل ہوئے، ایک سال مظاہرعلوم میں رہےاور مندرجہ ذیل اساتذہ سے فیضیاب ہوئے: امام النحو حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کشمیریؒ، مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوریؒ اور مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی۔

مظاہرعلوم میں بھی سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحانات میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی ہوتی رہی، سالانہ امتحان کے بعد گیا واپسی ہوئی، اورشوال ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا، پانچ سال دارالعلوم دیوبند میں قیام فرما کر ۱۳۵۷ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، دار العلوم دیوبند میں مندرجہ ذیل مایۂ ناز اساتذہ سے فیض حاصل کیا: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، امام المعقول حضرت علامہ مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ (موجودہ صدرالمدرسین وناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند)، حضرت مولانا میاں اصغر صاحب محدث دیوبندیؒ، امام المعانی حضرت مولانا عبد السمیع صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الجلیل صاحبؒ، مولانا مفتی ریاض الدین صاحبؒ، حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ، حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ سرحدی، حضرت مولانا اختر حسین صاحبؒ اور حضرت مولانا نافع گل صاحبؒ۔

ملازمت

مظاہرعلوم و دارالعلوم کے قیام کے زمانہ ہی میں حضرت فخر ایک قاریٔ قرآن کی حیثیت سے بہت ہی مقبول ومحبوب تھے، اثناء تعلیم ہی میں مولانا محمود صاحب سورتی مہتمم دار العلوم تاموے کیمبل روڈ رنگون نے حضرت فخر کو بہت ہی اصرار کے ساتھ اپنے مدرسہ کی مدرسی پیش کی تھی، چنانچہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد شوال ۱۳۵۷ھ میں حضرت فخر مدرس کی حیثیت سے دارالعلوم تاموے، رنگون (برما) گئے، ایک سال اس مدرسہ میں رہے۔

جامعہ قاسمیہ (رنگون) کا قیام

شوال ۱۳۵۸ھ میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی دعا اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے مشورہ سے خاص رنگون شہر میں جامعہ قاسمیہ کے نام سے حضرت فخر نے ایک مدرسہ قائم کیا، دو سال تک اس مدرسہ کو بخیر و خوبی چلاتے رہے، شرح جامی تک کی تعلیم ہوتی تھی، مطبخ قائم تھا، طلبہ علم دین کو ناشتہ کھانا، چائے پُر تکلف دیا جاتا تھا، اب تک یہ مدرسہ قائم ہے۔

واپسی از رنگون

حضرت شیخ الاسلامؒ اور اپنے والد حضرت مولانا خیر الدین صاحبؒ کے حکم سے حضرت فخر بمباری سے پہلے رنگون سے واپس چلے آئے، کلکتہ پہنچے ہی تھے کہ بیک وقت سات جگہ جاپان نے بمباری کی ان میں رنگون بھی شامل تھا۔

مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا میں

۱۳۶۰ھ میں حضرت شیخ کے مشورہ و دعاء اور اپنے والد صاحبؒ کے حکم سے حضرت فخر نے مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کا انتظام سنبھالا، اور بفضلہ تعالیٰ مدرسہ قاسمیہ آپ کے زمانہ میں روز افزوں ترقی کرتا ہوا موجودہ حالت تک آ پہنچا ہے کہ آج اس کی ۱۰۰ تعلیمی شاخیں ہیں اور اس کے فرزندوں کی ایک کثیر تعداد ہے۔

یہ مدرسہ اُن کی یادگار ہے اور اُس کے در و دیوار آج بھی زبانِ حال سے اُن کی عظمت پر گواہ ہیں، اور صدا دے رہے ہیں کہ کسی اللہ کے ولی کا یہ لگایا ہوا چمن ہے، جس کی آبادی اور باغبانی اُن کے جانشیں، اور بڑے باپ کے بیٹے، محترم مولانا قاری معین الدین صاحب مدظلہ العالی بخوبی انجام دے رہے ہیں، مقبولیت اور ہر دل عزیزی اپنے بزرگ والد ماجدؒ سے اُن کو ورثہ میں ملی ہے، اپنے سلف کے سچے خلف ہیں، اور اپنے بزرگوں کا نام روشن کر رہے ہیں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خطاطی

حضرت فخر نے کچھ دنوں خطاطی کی بھی مشق کی ہے اور مندرجہ ذیل اساتذہ سے اصلاح لی ہے: حافظ رفیق صاحب مرحوم امام جامع مسجد گیا، ابو اللسان حافظ محمد عبد الرحمن صاحب بسملؔ سنسہارویؒ اور مولانا علی حسن صاحب رونق ''زمرد رقم''، وغیرہم۔

شاعری

حضرت فخر کو شاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھے، حضرت انجم مانپوری مرحوم کی ترغیب پر باقاعدہ شاعری شروع کی، اور انہیں کے مشورہ سے ابتداء میں اپنا تخلص تبسم رکھا تھا، اور کچھ دنوں ان سے اصلاح بھی لی تھی؛ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک نہ چلا، شاعری میں پروفیسر سید محمد اسماعیل صاحب رساؔ ہمدانی گیاوی ٹریبل ایم اے گولڈ میڈلسٹ ایڈووکیٹ حضرت فخر کے استاذ تھے، حضرت فخر انہیں سے اصلاح لیتے رہے، انہوں نے حضرت فخر کی شاعری کو سنوارا اور ترقی دی، حضرت رساؔ مرحوم کے بعد حضرت فخر نے اپنا عربی کلام شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقیؒ، اور اردو کلام حضرت مولانا ابو الوفاء صاحب عارفؔ شاہجہاں پوریؒ وحضرت بسملؔ سنسہارویؒ کو بھی دکھا کر اصلاح لی۔

حضرت فخر گیاویؒ عربی، فارسی، اُردو کے مایہ ناز قادر الکلام شاعر مانے جاتے ہیں، جید عالم دین تھے؛ اس لئے کلام عالمانہ، عارفانہ اور حکیمانہ ہے، یہ کہنا بے حد مشکل ہے کہ بڑے عالم تھے؟ یا بڑے صُوفی بزرگ تھے؟ صاحب حال وقال تھے؟ یا وہ بڑے ادیب وشاعر تھے؟ علم وفن اور تصوف وسلوک کی ہر وادی میں اُن کا مقام بلند ہے۔

اخلاق وعادات

''**العلماء ورثة الأنبياء، وإن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما**'' (۱) ''علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بیشک انبیاء دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے'' کے مطابق حضرت فخرؒ

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب الحث على طلب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۴۳

نبی ﷺ کے سچے وارث بن کر صف علماء میں ممتاز نظر آتے ہیں، **''فقیه واحد أشد علی الشیطان من ألف عابد''** (۱) ''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے'' اس حدیث میں فقیہ جس عالم کو کہا گیا ہے، میری نظر میں حضرت فخر ویسے ہی فقیہ و عالم تھے، وہ دینار و درہم کے وارث نہیں تھے؛ بلکہ علم کے وارث اور امین تھے، {إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ} (۲) ''بیشک علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں'' میں جن علماء کا ذکر خیر ہے، ایسے ہی علماء میں اُن کا شمار ہوتا تھا، اس دنیا میں کچھ لوگ اسٹیج پر چہکتے ہیں، اور اُن کی شہرت آسمان کو چھوتی ہے؛ لیکن کردار و عمل اور اخلاص و تقویٰ سے کوسوں دور ہوتے ہیں، اور الفاظ کے جادو سے لوگوں کی داد وصول کرتے ہیں، لیکن راہِ حق میں ان کی بدعملی بے حد خطرناک شی ہے، جس کا احساس بوالہوسوں کو قطعاً نہیں ہوتا۔

اخفاء کا یہ عالم تھا کہ حضرت فخرؒ بڑے مقرر اور وعظ گو تھے، مگر اسٹیج پر گھبراتے تھے کہ کہیں واہ واہ نہ ہو، اخفاء کو اپنا شعار بنایا تھا، سب لوگ ان کو نہیں پہچانتے تھے، وہ مگر کام کی باتیں بیان کر کے زیادہ بولنے والوں پر فوقیت لے جاتے تھے، یہ سنت وادا بھی حضور ﷺ کی اتباع سے پیدا ہوتی ہے، حضور ﷺ کو بارگاہ حق سے ''**جوامع الکلم**'' کا تحفہ ملا تھا۔

وہ اخلاص و عمل میں ہمیشہ دوسروں سے بڑھے رہے، اور تصوف کی روح یہی ہے، حضرت قاری صاحبؒ اہل تصوف میں سے تھے، اور اپنی کتاب دل کو ہر دم پڑھا کرتے تھے، ان کے دل میں دریائے معرفت موجزن رہتا تھا۔

''**کان رسول الله ﷺ متواصل الأحزان دائم الفکرة**'' (۳) ''آپ ﷺ ہمیشہ غمزدہ اور متفکر رہا کرتے تھے'' حضور اقدس ﷺ کی یہ شان ان میں صاف جھلکتی تھی، کبھی ٹھٹھا مار کر نہیں ہنستے تھے۔

رفتار و گفتار اور نشست و برخاست ہر جگہ اعتدال و توازن تھا، افراط و تفریط سے بے زار تھے،

---

(۱) سنن ابن ماجة، المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، حدیث نمبر: ۲۲۷

(۲) الفاطر: ۲۸

(۳) الشمائل المحمدیة، باب کیف کان کلام رسول الله ﷺ، حدیث نمبر: ۲۲۶

وہ مثل گلاب تھے، جو معطر بھی ہوتا ہے اور ظاہری حسن و دل آویزی بھی رکھتا ہے، ''**لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا**''(۱)''جو ہم میں سے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں'' کا بہت لحاظ رکھتے تھے، ہر چھوٹا یہ سمجھتا تھا کہ حضرت مجھے ہی زیادہ مانتے اور چاہتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ اسم بامسمی تھے، علم وعمل اور اخلاق سے آراستہ تھے، پوری زندگی حضور ﷺ کی حیات طیبہ کا اسوہ اور نمونہ تھی، ان کو مجاہدہ وریاضت، مشقت وجانفشانی سے بہت کم گھبراتے ہوئے دیکھا گیا۔

میری بسم اللہ خوانی ۵/سال کی عمر میں دیورہ ننیہال میں ہوئی، ۷/سال کی عمر میں قاسمیہ میں داخلہ ہوا، ۱۹۴۷ء میں قاعدہ بغدادی قاسمیہ میں پڑھا، بچپن میں قاعدہ بغدادی اور پارۂ عم جس نسخہ سے پڑھا تھا وہ اب بھی قاسمیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے، ۷/سال کی عمر سے لے کر ۴۸/سال کی عمر تک حضرت قاری صاحبؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، سفر اور حضر میں ہمیشہ متبع سنت وشریعت دیکھا۔

ظرافت، خوش طبعی اور بذلہ سنجی

چوں کہ آپ متبع سنت تھے؛ اس لئے آپ ﷺ کی اتباع میں مزاح بھی فرماتے تھے، جو صداقت کا آئینہ دار ہوتا تھا، اور حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آجاتی تھی، آپ خود ضحک اور تبسم فرماتے تھے، جو حضور ﷺ کا اسوۂ مبارکہ تھا، اصغر گونڈوی نے کسی ایسے ہی تبسم افشاں چہرہ کو دیکھ کر کہا تھا ؎

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنادیا

آپ نے ہر عمل کو شریعت کے مطابق بنالیا تھا اور جو عمل شریعت مطہرہ کے موافق ہوگا، وہ یقیناً ذکر الٰہی میں شامل ہوگا۔

آپ کی خوش طبعی بھی خالص علمی ہوتی تھی، علم کے موتی بکھیرتے جاتے، بقدر ظرف ہر شخص مستفیض ہوتا تھا، سچ تو یہ ہے کہ ؎

دامانِ نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چینِ بہار تو زداماں گلہ دارد

(۱) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء في رحمة الصبيان، حدیث نمبر: ۲۰۴۳

آداب زندگی کی رعایت

آداب زندگی اور طرز معاشرت میں ان کے اندر اتباع رسول ﷺ تھا، بے ادب اور بد سلیقہ آدمی سے نالاں اور گُریزاں تھے، عجز و انکساری کا حسین پیکر تھے، خود فرماتے تھے:

زہد پر ناز ہے ، تقویٰ پہ کسی کو ہے غرور
عجز اپنا ہے فقط جس پہ کہ مغرور ہوں میں
میں ہوں گنجینۂ اَلطافِ الٰہی اے فخرؔ
رحمتِ حق کے زر و نقد سے معمور ہوں میں

فرماتے کہ تکبر علم کو کھا جاتا ہے، خصوصاً علماء کے لئے غرور کو سمِ قاتل قرار دیتے تھے، ہمیشہ کہتے تھے: ''با ادب با نصیب اور بے ادب بے نصیب'' آپ خود حضوریٔ قلب سے نوازے گئے تھے؛ اس لئے ادب کو تقویٰ کا زیور فرماتے، بشرطیکہ غفلت و نِسیان طاری نہ ہو، آپ بیدار مغز اور ہر دم پُرعزم رہتے تھے۔

حوصلہ افزائی اور ہمدردی

حضرت فخرؒ کے دل میں اپنوں اور غیروں کی بے حد ہمدردی اور غم خواری تھی، ایثار و ہمدردی، اور نوازش و کرم اُن کا شیوہ تھا، جسے وہ عبادت سمجھتے تھے، نہ جانے کتنے لوگوں پر اُن کا احسان تھا، خورد نوازی اور چھوٹوں کو آگے بڑھانا، ہمت افزائی اور حوصلہ دے کر کسی کام کے لائق بنانا، کسی کو بے کار نہ دیکھنا ان کا طریق تھا، وہ خُلق عظیم کا پیکر تھے، خود راقم الحروف کو بھی بچپن ہی سے پڑھاتے، سکھاتے اور آگے بڑھاتے رہے، قاسمیہ میں اکثر جمعہ اور عیدین پڑھواتے اور خامیوں کی اصلاح فرماتے، جلسوں اور دینی مجالس میں کچھ بولنے کا حکم فرماتے، اَلقاب کے ساتھ خطوط لکھتے، محنت اور جد و جہد کرنے کو کہتے اور خود بھی رات دن کام میں لگے رہتے، قرآن پاک کی تقریباً پچاس رکوع ترتیل سے مجھے مشق کرائی، تقریر کرنے کے لئے اپنے ساتھ کئی جگہ لے گئے، ایسی شان کے بزرگ اور روحانی باپ اب کہاں ملیں گے؟

جامع مسجد ساکچی جمشید پور کی میری جو امامت ہے، وہ بھی انہیں کی مرہونِ منت ہے، وہ

فخرِ دین خود تھے اور دوسروں کو فخرِ دین بناتے تھے، حکمت ودانائی اور تجربہ کی باتیں سکھاتے تھے، ہوشمندی اور مردم شناسی کی تعلیم دیتے تھے، غلطیوں کی نشان دہی فرماتے تھے، نماز پڑھنے اور پڑھانے کا سلیقہ اور آداب سکھاتے تھے، یہ اور بات ہے کہ بہت سے وہ لوگ جن پر انہوں نے احسان عظیم فرمایا تھا، وہ احسان فراموش نکلے، اور اُن کی اور اُن کے خلف کی دل آزاری اور بے ادبی کر کے حرماں نصیبی مول لی۔

اصول پسندی

آپؒ ہر کام میں اصول اور ضابطہ کے بے حد پابند تھے، عقل کے خلاف کوئی کام پسند نہ تھا، کافی خفا ہوتے، فرماتے کہ پڑھ لکھ کر بھی نادانی کا کام کرتے ہو، اس خاکسار نے کسی موقع سے کہا تھا ؎

آدابِ زندگی سے ہے انسان کا وقار	جس میں نہ ہو اصول وہ انساں فضول ہے

آپ کے مزاج میں سلیقہ مندی تھی، جمالیاتی مزاج تھا، ''إِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ'' (۱) پر نظر رکھتے تھے، فنِّ تجوید وقراءت کی لطافت اور نزاکت نے آپ کے ہر کام میں حسن وجمال پیدا کر دیا تھا، یہ قرآن کا فیض ہے، جس کا حصۂ وافر آپ کو بھی ملا تھا۔

شانِ استغناء

آپ کی فقیری اور درویشی آپ کے لباس اور سادگی سے ظاہر ہوتی تھی، آپ کے کپڑے میں عموماً پیوند ہوتے تھے، لباس میں ذرا بھی تکلف نہ تھا، مزاج میں تصنع نہ تھا ؎

تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی	قبائے گُل میں گُل بوٹا کہاں ہے ؟

آپ کی خوراک اور غذا کا بھی یہی حال تھا، سفر کی کثرت تھی؛ اس لئے فرماتے کہ جو کچھ ہو لے آؤ، لباس وغذا کی سادگی نے آپ کو بے نفس بنا دیا تھا، کبھی صرف روٹی اور نمک دسترخوان پر ہوتا، کبھی چائے کے ساتھ روٹی تناول فرما لیتے: ''الفقر فخري'' کو دولتِ بے بہا سمجھتے تھے، آپ کا مزاج فقیرانہ تھا، مگر دماغ شاہانہ تھا۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر و بیانہ، حدیث نمبر: ۲۷۵

قرآن مجید سے شغف

قرآن مجید کو پڑھنے اور پڑھانے سے جنون کی حد تک عشق تھا، آپ کی عمر مبارک ۲۵/ سال سے ۵۰ /سال تک شب و روز مشقِ قراءت میں گذری، کیا مبارک حیات تھی، اسی نسبت سے بجائے ''مولانا'' کے آپ کو اللہ نے سب کی زبان سے ''بڑے قاری صاحب'' کہلوایا، اللہ نے آپ کو اپنی مقدس کتاب کا وارث بنایا تھا، ''ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ''(۱) اور ''**خيركم من تعلم القرآن وعلمه**''(۲) کی فضیلت عطا فرمائی تھی، نام فخر تھا اور مقام خیر تھا، مدرسہ قاسمیہ آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے ''**أو علم ينتفع به**''۔(۳)

آپؒ کی آواز قدرتی بلند تھی، اللہ نے جسمانی اور روحانی دونوں طاقت عطا کی تھی، ذکر الٰہی سے کوئی لمحہ خالی نہ تھا، ذکر دوام حاصل تھا، غفلت نام کو نہ تھی، یادداشت حیرت انگیز تھی، رکوع مشق کراتے ہوئے خط بھی ساتھ ساتھ تحریر فرماتے تھے، اور کبھی کوئی آیت بھولتے نہیں، اور نہ یہ پوچھتے کہ کہاں تک پڑھا ہے، اگلی آیت خود دُوہراتے، ۲۵/ سے ۳۰/سال تک برابر صبح وشام؛ بلکہ بعد مغرب بھی رکوع مشق کراتے، طلبہ تھک جاتے، لیکن وہ نہیں تھکتے۔

قاری صاحبؒ بحیثیت مدرس

آپ ایک بلند پایہ مدرس تھے، تقویٰ کی برکت تھی کہ طالب علم کو آپ کا پڑھایا ہوا سبق زبانی یاد ہوجاتا تھا، وہ بھولتا نہیں تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ اگر درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بناتے تو وہ وقت کے محدث کبیر ہوتے اور مفسر اعظم ہوتے، فقہ میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت تھی، مسائل پر بولتے تو بڑے فقیہہ نظر آتے، ہزاروں تلامذہ اور شاگرد پیدا کئے، طالب علم کند ذہن اور سست ہوتا تو اُسے سرزنش فرماتے اور محنت کرنے کی تاکید فرماتے۔

---

(۱) الفاطر:۳۲

(۲) صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر:۵۰۲۷

(۳) صحيح مسلم، كتاب الوصية، حدیث نمبر:۴۳۱۰

قوت ارادی اور رعب

حضرت قاری صاحبؒ عزم و ہمت کے کوہِ گراں تھے، آپ کواللہ تعالیٰ نے قوتِ اداری اورخوداعتمادی عطا کی تھی، اُن کا حال یہ تھا کہ

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے	اگر آسانیاں ہوں زندگی دُشواری ہوجائے

حالات جوبھی ہوں مشکلات کا سامنا ہو، مگر کیا مجال کہ اُن کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش آجائے، حوادث اور مصائب کو ہمتِ مردانہ سے ٹھوکریں مارتے ہوئے قدرت کے چھپے ہوئے خزانے کوانہوں نے پالیا تھا۔

حضرت فخر نے اپنے نفس پر قابو پا کر دوسروں کے دلوں کو فتح کرلیا تھا، بڑے بڑے لوگ اُن سے مرعوب ہوجاتے تھے، مگر وہ سوائے خدا کے کسی سے کبھی نہ مرعوب ہوئے، نہ ڈرے۔

قبول عام

ہر شخص کے دل میں اُن کی محبت اور عقیدت تھی، اور آج بھی ہزاروں اُن کے فیض یافتہ اور مداح ہیں، اُن کا شمار اکابرین میں ہوتا ہے۔

دینی قیادت ورہنمائی

حضرت قاری صاحبؒ اعلیٰ درجہ کے مفکر اور بلند پایہ دینی رہنما تھے، سیاسی بصیرت اورشعور رکھتے تھے، مدبّرانہ شان ان کے ہر عمل سے صاف جھلکتی تھی، بے حد طبّاع اور ذہین تھے، ہر معاملہ پر غور فرما کر اس کی تہہ تک پہونچ جاتے تھے، اُن کا فیصلہ صحیح اور بروقت ہوتا تھا، بہار میں جمعیۃ العلماء کی قیادت ان ہی کا حصہ تھی۔

شیخ اور شیخ زادہ کا احترام

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے اجلّ خلفاء میں شمار کئے جاتے ہیں؛ لیکن عمر بھر کسی کو بھی بیعت نہیں فرمایا، ایک مرید کو اپنے شیخ کا یہی ادب مرید کامل بناتا ہے، فدائے ملت جگر گوشۂ شیخ

الاسلام حضرت مولانا اسعد مدنیؒ جو آپ کے پیرزادہ ہیں، اُن کے احترام کی وجہ سے بیعت نہیں کرتے تھے، کوئی طالب آتا تو صاف فرمادیتے کہ جاؤ حضرت اسعد مدنیؒ سے بیعت ہوجاؤ، وہ ہم سے بڑے ہیں۔

آپ کو منجانب اللہ علم وعمل اور ولایت وبزرگی کا وافر حصہ ملا تھا، بے پناہ مقبولیت تھی، دل گداز تھا، رقت قلبی سے آنسو دامن پر آجاتے تھے۔

حضرت قاریؒ صاحب نے اپنے شیخ سے جو اتباع سنت اور فکر ونظر پائی تھی، اُس نے آپ کو اَجَلّ خلفاء کا مقام عطا کیا تھا اور آپ خود صاحب فیض بزرگ بن گئے تھے، اپنے شیخ کے بے حد منظورِ نظر تھے، شیخ کی کامل توجہ نے آپ کو کامل کر دیا تھا، سچ تو یہ ہے کہ مدتوں بعد کوئی فخر الدین ثانی پیدا ہوتا ہے ؎

صدیوں میں کہیں پیدا، ہوتا ہے حریف اُس کا	تلوار ہے تیزی میں صہبائے مسلمانی

قاسمیہ کے اجلاس

۱۹۵۰ء کا زمانہ ہے، جب قاسمیہ میں عظیم الشان اجلاس ہوا کرتے تھے، تقریباً ہر سال ان میں حفاظ کی دستار بندی ہوا کرتی تھی، اس وقت ہماری عمر دس بارہ برس تھی، دستار بندی ایسے مقدس ہاتھوں سے ہوتی تھی، جن پر زمانہ ناز کرتا ہے، اسٹیج پر حضرتِ مدنیؒ کے علاوہ حسّان الہند حضرت مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوریؒ، اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی ممبر پارلیمنٹ و ناظم عمومی جمعیۃ العلماء ہند بہ نفس نفیس موجود ہوتے تھے۔

حضرت مولانا قاسم صاحب شاہ جہاں پوریؒ کی شخصیت بھی بڑی پُرکشش تھی، بڑے بارعب اور صاحبِ وجاہت تھے، گرج دار تقریر ہوتی تھی، اسٹیج کے مقبول اور نمایاں مقرر حضرت مدنیؒ کے بعد مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوریؒ ہوتے تھے، سیرت کے ترجمان اور مصورِ جذبات واعظ تھے، لب ولہجہ شیریں تھا، آواز اور بیان میں جادو کا اثر تھا، مخالف بھی تقریر سُن کر موافق بن جاتا تھا، ان میں اعلیٰ درجہ کی فصاحت وبلاغت تھی، مضامین خالص سیرتِ رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے، ''إن من البیان لسحرا'' کی تصویر تھے،

سیرتِ صحابہ ؓ پر پوری روشنی ڈالتے تھے، بعد کے دور میں تقریباً ۱۹۶۵ء اور اس کے بعد جو اجلاس ہوا کرتے تھے، ان کے خاص مقرر حضرت قاری صاحبؒ کے ہم سبق ساتھی قاضیؒ بھوپال خطیب العصر حضرت مولانا عابد علی وجدی الحسینیؒ ہوا کرتے تھے، نامور مقرر، بے مثال تاریخ داں اور بلند پایہ ادیب تھے، ان جلسوں میں مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے کم عمر قراء شریک جلسہ ہوتے تھے، جن کی تلاوت سے اجلاس میں جان آجاتی تھی، یہ تاریخی اجلاس حضرت فخرؒ کا وہ عظیم کارنامہ تھا، جس پر مدتوں مرحبا کہا جائے گا۔

حضرت فخرؒ نے مدرسہ قاسمیہ کے بڑے بڑے عظیم الشان اجلاس کرائے، اور ان کے ذریعہ ملک کے معروف ومشہور علماء ومشائخ کی تقریروں سے شہر گیا اور اطراف کے مسلمانوں کو فائدہ پہونچانے کی کوشش کی بڑی حد تک لوگوں کی اصلاح ہوئی، اور جہالت و بدعات کی تاریکی دور ہوئی۔

قاسمیہ کے جلسوں میں حضرت شیخ الاسلامؒ کو انہیں آنکھوں سے دیکھا، اُن کی شان ہی نرالی تھی، وہ سنت کا پیکر تھے، ان کی تقریر جامع اور مختصر ہوتی تھی، مگر دل وروح میں تازگی پیدا کردیتی تھی، تزکیۂ نفس آپ کا خاص موضوع ہوا کرتا تھا، جو قرآن وحدیث سے مدلّل اور مبرہن ہوتا تھا، مجمع پر سکوت طاری رہتا تھا اور پورے شامیانہ میں نور کی چادر تنی ہوتی تھی، ان کی تقریر گویا ''**خیرُ الکلامِ ما قلّ و دلّ ولم یَطُلْ فَیَمِلَّ**'' کا مصداق ہوتی تھی، سنت کے مطابق بہت ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ سننے والا اُسے یاد کرلیتا تھا، یہی انداز گفتگو احادیث میں حضور پاک ﷺ کا منقول ہے۔

بعد مغرب فوراً جلسہ شروع ہوجاتا تھا اور بارہ بجے دعاء پر ختم ہوتا تھا، حضرت مدنیؒ کی تاکید تھی کہ نمازِ فجر کسی کی قضا نہ ہو؛ اس لئے بارہ بجے جلسہ ختم ہوجائے، حضرت قاری صاحبؒ ہمیشہ اِس کی پابندی فرماتے رہے۔

بارہ بجے عشاء کی جماعت ہوتی، اس کے بعد کھانے کا دسترخوان بچھتا، فجر کی جماعت وقتِ مقررہ پر ہوتی۔

حضرت شیخؒ امامت خود فرماتے اور فجر میں طوال مفصل پڑھتے، واقعۃً قاسمیہ بقعۂ نور بن

جاتا تھا، اس موقع سے علماء ومشائخ، ذاکرین اور تہجد گزاروں کا جمِّ غفیر ہوتا تھا، اور صبح کو ''إلا اللہ'' کی صداؤں سے پورا مدرسہ گونجتا تھا، وہ نورانی ماحول پھر دیکھنے کو نہ ملا۔

نغمہ وترنم اور دل کش آواز کے بادشاہ، معروف نعت خواں حضرت ساجد صدیقی لکھنویؒ نے قاسمیہؒ کے ہر اجلاس کو رونق بخشی، مسحور کن نعتیں پیش کر کے خراج تحسین حاصل کرتے، انداز بڑا والہانہ اور عاشقانہ ہوتا تھا، اکثر کلام حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہ جہاں پوریؒ کا پڑھتے جو تخیل کی بلندی اور شانِ ایمانی کا شاہ کار ہوتا تھا، چوں کہ مولاناؒ عظیم شاعر بھی تھے؛ بلکہ شعراء کے استاذ تھے؛ اس لئے ان کی نعتیں بڑی مرصع ہوتی تھیں، اور حضرت ساجدؒ کبھی اپنا کلام پڑھتے اور خوش الحانی سے پورے مجمع کو پُر کیف بنادیتے، پورا اجلاس نعتِ رسول ﷺ سے جھوم اٹھتا، ہم قاسمیہؒ کے طلباء اُن کی نعتوں کو ہفتہ واری انجمن میں پڑھتے، ساجدؒ صاحب کا نعتیہ کلام عشق رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا، لکھنؤ کی سرزمین یوں بھی شعر وشاعری کے لئے مشہور ہے، وہاں بڑے نامور شعراء پیدا ہوئے، حضرت ساجدؒ صاحب کو زائر حرم حضرت حمید صدیقی لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا، جو نعت کے عظیم استاذ مانے گئے ہیں، اور بڑی بزرگ شخصیت کے مالک تھے۔

رمضان المبارک کا عشرۂ اخیرہ

جگر گوشۂ شیخ الاسلامؒ حضرت مولانا سید ارشد مدنیؒ مدظلہ العالی تراویح میں قرآن پاک سناتے، حرم شریف کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، فدائے ملت حضرت اسعد مدنیؒ کا قیام پورے رمضان ہوتا تھا، اسی وقت سے آج تک معمول ہے کہ محترم قاری معین الدین مدظلہ العالی ایک ختم قرآن پاک تراویح میں سناتے ہیں اور ایک ختم تہجد میں پڑھتے ہیں۔

معتکف حضرات کی خاصی تعداد ہوتی ہے اور سب کے لئے افطار وسحر اور کھانے کا معقول انتظام رہتا ہے، رحمت وبرکت برستی ہے، بزرگوں کے شروع کئے ہوئے کام آج بھی قاسمیہ میں جاری ہیں۔

قاری معین الدین صاحب مدظلہ نے الحمدللہ اپنے والد ماجد کے اصولوں پر سختی سے کاربند ہیں اور ترتیل کے ساتھ قرآن پاک پڑھتے ہیں، قاری معین الدین صاحب کا مجاہدہ رمضان میں

بڑھ جاتا ہے، اللہ نے انہیں بڑی ہمت اور استقامت عطا فرمائی ہے، باری تعالیٰ اُن کی حیات و خدمات میں برکت عطا کرے۔

اخلاف

آپ کی چار اولاد ہوئیں، دو اولاد نرینہ اور دو بچیاں، بڑے صاحبزادے مولانا محی الدین قاسمیؒ ایک سڑک حادثہ کا شکار ہوکر اللہ کے پیارے ہو گئے، چھوٹے فرزند حضرت مولانا قاری معین الدین صاحب مدظلہ قاری صاحبؒ کی یادگار اور اُن کے حقیقی جانشیں ہیں، مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا کے فی الحال آپ ہی مہتمم ہیں، بہار و جھارکھنڈ کے صدر جمعیۃ علماء بھی ہیں، باوقار عالم اور باوجاہت شخصیت کے مالک ہیں۔

علم و حلم کا وافر حصہ اپنے والد محترم سے پایا ہے، بے حد شریف الطبع اور خلیق ہیں، عجز و انکساری ان کے مزاج کا خاصہ ہے، بے حد تجربہ کار اور مدبّر ہیں، خاندانی خصوصیات کی وجہ سے شہرت یافتہ ہیں، تاریخی نام غلام قادر ہے، سن پیدائش ۱۳۷۶ ہجری ہے، جید حافظ قرآن اور حفص وسبعہ کے مستند قاری ہیں، دارالعلوم دیوبند سے عالم و فاضل ہوئے اور اس وقت سے علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

حضرت قاری صاحب کی دو بیٹیاں ہیں: بڑی رحمت ہیں، جو مولانا سالم صاحب کٹکی سے منسوب ہیں، دوسری اور چھوٹی فرحت ہیں، جو مکہ معظّمہ زادہا اللہ شرفا میں مقیم ہیں، وہ مولانا حسّان صاحب مظاہری سے منسوب ہیں۔

اہلیہ اور ہمشیرہ

حضرت قاری صاحب کی اہلیہ، ہماری مخدومہ استانی صاحبہ رضیہ خاتون رحمہا اللہ نیک سیرت اور عبادت گذار خاتون تھیں، موت کو کثرت سے یاد کرتی تھیں، حسنِ خاتمہ کی تمنائی تھیں، اسی لئے ان کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوا، قاری صاحبؒ کی وفات کے بعد تقریباً ۱۷/ سال بقید حیات رہیں، بڑی صابرہ اور شاکرہ تھیں، حضرت قاری صاحبؒ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو صرف آہ کرتی تھیں، جوان بیٹا رخصت ہوا جو ماتم سخت تھا، ''ایں ماتم سخت ست کہ گویند جواں مُرد'' تو مرضیٔ

مولیٰ پر راضی رہ کر تا زیست اس غم کو برداشت کرتی رہیں، چھوٹے بیٹے نے ماں کی خدمت کا حق ادا کیا، ۲۰۰۵ء میں تقریباً ۷۵/سال عمر پا کر رب کریم سے جاملیں، جب وصال ہوا تو اس وقت گیا میں سخت گرمی پڑ رہی تھی، مگر یہ اُن کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے کہ اس دن موسم بدل گیا، اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔

حضرت قاری صاحبؒ کی ہمشیرہ حمیرہ خاتون جو میری خوشدامن بھی تھیں، نہایت پاکباز اور خداترس خاتون تھیں، آخری عمر تک حجاب کے سلسلہ میں کسی رخصت یا توسع کی قائل نہ ہوئیں، قاری صاحبؒ کی تربیت یافتہ تھیں، ۲۰۰۵ء میں اپنی بھابھی جان سے چند ہی دنوں پہلے انتقال کیا۔

وفات

حضرت فخر نے بھی ۷۷/سال کی عمر پا کر ۱۸/فروری ۱۹۸۸ء کو انتقال کیا تھا، حماسی شاعر کا یہ شعر ان کی موت پر صادق آتا ہے ؎

وَ مَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكَ وَاحِدٍ	وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

اسی کو کسی اردو شاعر نے یوں منظوم کیا ہے:

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر میں	فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

حسین احمد قاسمی
امام وخطیب جامع مسجد ساکچی، جمشید پور

۲۳/شعبان ۱۴۳۱ھ
۴/اگست ۲۰۱۰ء

مقدمۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین

وعلیٰ الہ وأصحابہ وأتباعہ إلی یوم الدین

جس کا کھایئے اسی کا گایئے، جس کے ٹکڑوں پر پلیئے اسی کے گن گاتے رہیے، ساری خوبیاں جس میں ہیں ساری تعریفیں اسی کو زیبا، جو بھی خوبی اس کے سوا کسی میں ہے، وہ کسی کی اپنی نہیں، سب دی ہوئی اسی کی ہے، اس کے سوا جس کی بھی، جو بھی جس خوبی پر بھی، جس زمانہ میں بھی ،جس مکان میں بھی، جو تعریف بھی، جن لفظوں کے ساتھ بھی، جس کلام اور جس عبارت کے ساتھ بھی کرے گا وہ تعریف اس کی ہوگی جس نے وہ خوبی بخشی ہے، بھلائی عطا کی ہے، کمال عنایت فرمایا ہے۔

مٹی کے حسین وجمیل برتنوں کے حسن وجمال کی تعریف کروتو وہ کمہار کی تعریف ہوگی ، برتنوں کی نہیں، گھڑے کی نہیں، ہانڈی کی نہیں، صراحی کی نہیں، مٹکے کی نہیں؛ بلکہ اس کی ہوگی، جس نے ان برتنوں کو اپنی کارسازی اور صناعی سے وجود بخشا، خوبی عطا کی، حسن وجمال سے آراستہ کیا، اس قادر مطلق، خالق کائنات، کارساز حقیقی کے کلام پاک کی پہلی آیت وردزبان کرو، دل کی زبان سے پڑھو: **الحمد للہ رب العالمین**۔

ہر ایک تعریف جس کی بھی ہو، جو بھی کرے، جس زمانہ میں ہو، جس مکان میں ہو، جن صیغوں سے ہو، جس کیفیت سے ہو، جس خوبی، جس کمال، جس جمال اور جس صفت کی وجہ سے ہو وہ

سب اللہ کے لئے خاص ہے، کسی دوسرے کو زیبا ہی نہیں؛ بلکہ کسی اور کے لئے ممکن ہی نہیں؛ کیونکہ اللہ رب العلمین ہے، مالک ہے، خالق ہے، سب خوبیاں اسی میں ہیں، سب خوبیاں اسی کی ہیں، وہی خوبیوں کا بخشنے والا ہے، اس کے سوا کسی میں اگر خوبیاں ہیں تو اسی کی دی ہوئی ہیں، کسی کی اپنی نہیں، انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ خوبیاں جس کی ہیں، جس کی دی ہوئی ہیں، تعریف اسی کی ہو۔

کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے۔

اَلْحَمْدُ　لِمَنْ　قَدَّرَ خَيْرًا وَّ خَبَالاً
وَ الشُّكْرُ لِمَنْ صَوَّرَ حُسْنًا وَّ جَمَالاً

''ہر ایک تعریف اس ذات کے لئے خاص ہے، جس نے بھلائی اور برائی کو مقدر فرمایا، اور شکر صرف اسی ذات کا ہے، جس نے حسن و جمال کو صورت بخشی''

اس کا شکر کون ادا کر سکے، جس کی نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں؟ ایک سانس ہی کو لیجئے اس کی دی ہوئی یہ کیسی نعمت ہے کہ جب ہوا اندر جائے تو حیات بڑھ جائے، جب باہر لوٹ کر آئے تو فرحت ملے، گھٹن دور ہو، کہنے کو یہ ایک سانس ہے، مگر اس کے صرف ایک مرتبہ آنے جانے میں اس مالک کی دو دو نعمتیں مصروف، حیات کی نعمت، فرحت کی نعمت، اور ایک نعمت پر ایک شکر بھی ادا نہ کرو تو وہ شکر ہی کیا، اب کون ہے کہ صرف سانس کی آمد و شد کا ہی شکر ادا کر سکے؟

کیا خوب کہا ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو بیان کرنے کے بعد:

از دست و زبان کے برآید　　کز عہدۂ شکرش بدر آید
بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش
عذر بدر گاہِ خدا آورد

ہاں تفصیل سے ممکن نہیں تو اجمال سے کہہ لو کہ جتنی نعمتیں اتنا شکر، شاعر کے فہم رسا کی داد دیجئے، کیا بات کہی؟ **سبحان اللہ**! ع

شکر نعمتہائے تو چنداں کہ نعمتہائے تو

اللہ کا سلام اور اس کی کامل رحمتیں اس پر جو اللہ کا محبوب، اللہ کا رسول، اللہ کا شکر گذار بندہ،

جس کا قال: اَفَلَا اَکُونُ عَبدًا شَکُورًا'' (۱) (کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟) جس کا حال سراسر عبدیت اور سرتا سر بندگی وشکر گذاری، جو نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا، نبیوں کا سردار، رسولوں کا تاجدار، سرورکائنات، فخر موجودات، جس کا کمال ایسا کہ سجھ میں نہ آئے، جس کا جمال ایسا کہ چاند شرمائے، جس کی خصلتیں سب ہی اچھی، جس کی عادتیں سب ہی انوکھی، جس کی فطرتیں سب ہی نرالی۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰی نَبِیِّکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اور سلام اس کے اصحاب پر، اس کے آل پر اور قیامت تک اس کی پیروی کرنے والوں پر۔

حمد وشکر اور صلوٰۃ وسلام کے بعد اس حقیقت پر غور فرمایئے کہ جس نے یہ دین کامل بھیجا، اسی نے اس کی بقاء اور تحفظ کا انتظام بھی فرمایا؛ کیونکہ ادھر خاتم النبین ﷺ کا لایا ہوا، قیامت تک باقی رہنے والا یہ دین، اور ادھر نبوت ورسالت کا سلسلہ مسدود، پھر کار نبوت کیسے چلے؟ کام آگے کیسے بڑھے؟ دین کیونکر محفوظ رہے؟ اس کے لئے نبی کے جانشینوں کا، رسول کے نائبوں کا، پیغمبر کے معیاری نمونوں کا قیامت تک کے لئے ایک سلسلہ جاری فرمادیا، جو کہے اب معیار حق نہیں رہے، اس کو دین کے فلسفۂ بقاء ودوام کی خبر ہی نہیں۔

رسول رب العلمین نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ چھوڑے، جنہیں شمس رسالت کے نورانی ستارے کہئے، جن میں سے ہر ایک ہادی عالم، رہبر دین، رہنمائے برحق اعلان فرمادیا:

''أصحابی کالنجوم فبأیھم اقتدیتم اھتدیتم'' (۲)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب قیام النبی حتی ترم قدماہ، حدیث نمبر: ۱۱۳۰

(۲) الإبانة الکبری لابن بطة، حدیث نمبر: ۷۰۹، جامع الأصول من أحادیث الرسول لابن الأثیر، حدیث نمبر: ۶۳۶۹

''میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کو بھی مقتدا بنا لوگے، ہدایت پر رہوگے''

ایسے مستند اور معتمد مقتدا، جن کی اقتدا کرنے والوں کے ہدایت یافتہ ہونے کی ذمہ دارانہ شہادت زبان رسالت سے ادا ہورہی ہے، مگر وائے بدنصیبی کہ اسی امت میں کچھ بدقسمت ایسے بھی پیدا ہونے والے تھے، جن کا مشن ہر ایک پر تنقید کرنا اور اصحاب رسول ﷺ کا بھی اپنی تنقیدات کا نشانہ بنانا ہے، اس عظیم فتنہ کے انسداد کے لئے فرمادیا:

''الله الله في أصحابي لا تتخذوهم من بعدي غرضا، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم'' (۱)

''اللہ اللہ میرے صحابہ کی شان میں گستاخی نہ کرنا، میرے بعد ان کو اپنی تنقیدات کا نشانہ نہ بنانا؛ کیونکہ ان سے اسی کو محبت ہوگی، جس کو مجھ سے محبت ہوگی اور ان سے اسی کو بغض ہوگا، جس کو مجھ سے بغض ہوگا''

اس اعلان رسالت کے بعد بھی جو بدبخت ان یاران نبی پر تنقید کر کے ان کی شان کو مجروح کرتے ہیں، وہ دراصل رسول سے بغض رکھتے ہیں اور دین کی جڑوں کو کمزور کرتے ہیں، اصحاب رسول ﷺ تو اصحاب ہی ہیں، ان کے اصحاب اور ان اصحاب کے بھی اصحاب کے دور کے خیر القرون ہونے کی ذمہ داری بھی دربار رسالت نے اپنی ذمہ لی اور اعلان فرمادیا:

''خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم'' (۲)

''بہترین زمانہ میرا ہے، پھر میرے دور سے متصل جو لوگ ہوں گے (تابعین) پھر ان سے متصل جو لوگ آئیں گے (تبع تابعین)''

(۱) **سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فیمن سب أصحاب النبي ﷺ**، حدیث نمبر: ۴۲۳۶، **شعب الإیمان للبیهقی**، حدیث نمبر: ۱۵۱۱، **مسند أحمد بن حنبل**، حدیث نمبر: ۲۰۵۶۸

(۲) **صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب لا یشهد علی شهادة جور إذا شهد**، حدیث نمبر: ۲۶۵۱، ۲۶۵۲، **صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم**، حدیث نمبر: ۶۶۳۲، ۶۶۳۳، ۶۶۳۵ (**ولفظهما: ''خیر کم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم''**)

کارہائے نبوت کے قیامت تک جاری رہنے کے لئے اعلان پر اعلان ہورہے ہیں ، انتظام پر انتظام کئے جارہے ہیں۔

"العلماء ورثة الأنبياء" (۱)

''علماء انبیاء کے وارث اور نائب ہیں''

کارہائے نبوت کے جاری رکھنے، محفوظ رکھنے اور پھیلاتے رہنے کے ذمہ دار اب یہ ہیں۔

"علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل" (۲)

''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں''

نبوت کا سلسلہ تو اب نہیں چلے گا، مگر انبیاء کا کام انہیں علماء سے لیا جائے گا، اب معیار حق یہی ہوں گے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، شاہ عبد القادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ وغیرہ وغیرہ ہر دور میں کچھ معیار حق رہیں گے، جن کی بدولت دین زندہ رہے گا اور نبی کے سانچہ میں لوگ ڈھل ڈھل کر نکلتے رہیں گے۔

انہیں معیاری علماء ومشائخ میں سے وہ تین بزرگ بھی تھے، جو ہماری اس کتاب کے موضوع اور عنوان ہیں اور جن کی حیات، جن کے حالات، جن کی زندگی کے واقعات امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے نور ہدایت کے روشن ستارے ہیں، جن میں سے ہر ایک عالم ربانی، محبوب صمدانی، نمونۂ و یادگار سلف، مخزن علوم ومعارف، سرتا پا عمل، معیار حق وصداقت، آفتاب رشد وہدایت، جامع شریعت وطریقت، آئینہ خلق عظیم، عاشق رسول کریم، پرتو نور نبوت، رہبر راہ محبت، عارف باللہ، فانی فی اللہ، باقی باللہ، واصل الی اللہ، آیۃ من آیات اللہ، نور ہی نور، محبت

(۱) سنن أبي داؤد ، كتاب العلم ، باب الحث على طلب العلم ، حدیث نمبر: ۳۶۴۳ ، سنن الترمذی ، كتاب العلم ، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة ، حدیث نمبر: ۲۸۹۸

(۲) المقاصد الحسنة للسخاوی ، حرف العين المهملة: ۱ / ۱۵۴ ، قال شيخنا و من قبله الدميري والزركشي: إنه لا أصل له ، كشف الخفاء ، حدیث نمبر: ۱۷۴۴ ، قال السيوطي في الدرر: لا أصل له۔

ہی محبت ، ہدایت ہی ہدایت ،محرم اسرار الٰہی ، واقف اوامر ونواہی ، گنجینۂ عشق ومحبت ، حامی سنت ، ماحی بدعت ،مربی روحانی ، ایمان ہی ایمان ، اسلام ہی اسلام ، احسان ہی احسان ،عرفان ہی عرفان ، فداہ امی وابی ، ماہر معقولات ومنقولات ،خزینۂ شرعیات ودینیات ،غواص بحر کمالات ، محدث ، مفسر ،فقیہ،حکیم (دانائے اسرار شریعت) عالم ، عارف ، شیخ کامل واکمل ، فاضل جلیل واجل ،فرمان نبی ''إذا رُأوا ذکر الله ''(۱) کا خاص مظہر یعنی جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے ، دنیا سے دل سرد ہوجائے ،جس کا چہرہ نور باطن کا آئینہ ،جس کا دل انوار الٰہی کا سرچشمہ۔

کون؟ وہی جن میں سے ہر ایک نے اپنی ذات کو خدا کے سوا سب سے چھپا کر رکھنے کی بہت کوشش کی مگر پھر بھی چھپ نہ سکا ،نمائش سے دور ،شہرت سے نفور ، کہاں کا اظہار ، کیسا اشتہار ، اخفاء ہی اخفاء ، راز ہی راز ، روحانیت کا تاجدار ،نورانیت کا آفتاب ،ضیابار ،کون؟ کیا کہوں؟ کیا بتاؤں ؟ کیا بیان کروں ؟ وہی جن میں سے ہر ایک کہنے کی حدود سے آگے ، بتانے کی سرحدوں سے پار ، بیان کے احاطہ سے باہر ،سراپا صدق وصفا ،سراسر عشق ووفا ،سرگروہ اولیاء ، سردار اتقیاء ،فداء انبیاء ، فانوس بارگاہ رسالت کون؟ وہی جن میں سے ہر ایک کے جذبہ اخفا نے بہتوں کو اس سے ناواقف رکھا ، ہاں بہت سے ناواقفیت کی زد میں آکر اس کے فیض سے محروم رہ گئے ،مگر پھر بھی اس جذبہ اخفاء کے باوجود قدرت کے ہاتھوں نے اخفاء کا پردہ چاک کیا ، بہت سے خوش قسمت انسان اس سے فیض یاب بھی ہوئے ، فیضان علوم ومعرفت سے مالا مال ہوئے ، اس کے خم خانہ محبت سے سرشار ہوئے ،فیض جاری ہوا ، کیف طاری ہوا ،فضل باری ہوا ، ان میں ہر ایک کو اللہ کی رحمت کہئے ،نعمت کہئے ، قدرت کہئے ،عظمت کہئے ،انعام الٰہی ، اکرام الٰہی ، احسان الٰہی ، کیا کہئے ! کیسے کہئے ؟ کن لفظوں سے تعبیر کیجئے ؟ لفظ نہیں ملتے ، کیا کلمہ ، کیا کلام ، کیا جملہ ، کیا فقرہ ؟ سب چھوڑیئے ! کچھ نہ کہئے !! جب کہہ نہ سکئے تو کیا کہئے؟ ساری کوشش فضول ، ساری جد وجہد غیر معقول۔

بس سیدھی بات ،سادے لفظ ،تفصیل صفات سے الگ ہوکر تشریح کمالات سے قطع نظر۔

۱) اما الثقلین ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا عبد الغفار صاحب سرحدی قدس اللہ سرہ

(۱) شعب الإیمان للبیهقي ،حدیث نمبر :۱۱۱۰۸ ،مسند إسحاق بن راهویه ،حدیث نمبر : ۲۴-۲۳۰۶

العزیز نور اللہ مرقدہ۔

۲) جامع شریعت وطریقت فقیہ امت حضرت مولانا محمد خیر الدین صاحب حضروی کا مل پوری قدس اللہ سرہ العزیز ونور اللہ مرقدہ۔

۳) امام رشد وہدایت رہبر راہ محبت شمع بزم معرفت حضرت مولانا حافظ سید بشارت کریم صاحب گڑھولوی قدس اللہ سرہ العزیز ونور اللہ مرقدہ۔

ہماری اس کتاب کے یہی تین موضوع اور عنوان ہیں، انہیں کے حالات سے ہمیں بحث کرنی ہے اور انہیں کی روشن زندگی کے تابناک واقعات کو اجاگر کرنا ہے۔

اس تذکرہ نویسی کی غایت

اولیاء اللہ کا تذکرہ لکھنے اور پڑھنے کا مقصد اہل اللہ کی زندگی کو اپنا کر اللہ کا تقرب، اللہ کی محبت اور اللہ کی عظمت دلوں میں پیدا کرنا ہے، جس طرح اللہ والوں کی صحبت کے فیض سے اللہ سے تعلق پیدا ہوتا ہے، ان کے وصال کے بعد ان کا تذکرہ بھی وہی تاثیر اور وہی فیض رکھتا ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ اللہ والوں کی عملی زندگی معلوم کر کے اس کو اپنانا، اس پر چلنا اور اس کا اتباع کرنا آسان ہو کر اللہ کی رضاء وخوشنودی کی راہیں کھلتی ہیں، اللہ والوں کے جذب وعشق کے قصے عشق ومحبت پیدا کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتے ہیں اور عشق ومحبت ہی وہ طاقت ہے، جس کی برکت سے وادئ عمل کی ساری کھٹنائیاں دور ہو جاتی ہیں، محنت میں کلفت ومشقت کے بجائے لذت ومسرت حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ اللہ اپنے محبوب بندوں کے ذکر سے بھی بہت خوش ہوتا ہے اور رحمت نازل فرماتا ہے "**عند ذكر أولياالله تنزل الرحمة**"(۱)۔

اخیر میں حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے ملتجی ہوں کہ وہ ان تذکروں کو قبول فرمائے، جس نے لکھا ہے، جس نے لکھنے کا حکم دیا ہے، جو لوگ اس کو پڑھیں گے، یا سنیں گے، اللہ سب پر

---

(۱) المقاصد الحسنة للسخاوي: ۱/۴۶۷، ۱/۷۷۰، کشف الخفاء: ۲/۷۰، حدیث نمبر: ۱۷۷۲، ولفظهما: "عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة"

رحمت نازل فرمائے، ہر ایک کو ان بزرگوں کے مقدس نمونہائے زندگی کی پیروی کرنے کی توفیق نصیب کرے اور اپنی رضا وخوشنودی سے نوازے، سب کی مغفرت فرمائے، سب کے درجات کو دین ودنیا میں بلند فرمائے، سب کے مقاصد کو پورا فرمائے، سب کی مشکلیں آسان کردے، اور اپنی محبت، معرفت، رضاء واستقامت کی دولت سے مالا مال رکھے، آمین، ثم آمین، یارب العلمین!!

خاکپائے صالحین

محمد فخرالدین غفرلہ

۲۰/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

تذکرہ

امام الثقلین حجۃ الاسلام حضرت مولانا

عبدالغفار صاحب سرحدیؒ

خلیفۂ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ

بانی مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ، گیا

تذکرۂ عبدالغفارؒ

حضرت مولانا عبدالغفار صاحب موضع علائی، صوبہ سرحد، قبائلی علاقے کے رہنے والے تھے، یہ وہی علاقہ ہے جو انگریز دشمنی میں تاریخی حیثیت رکھتا تھا، یہاں کے باشندے سب کے سب مجاہدین اسلام تھے، جنہوں نے کبھی انگریزوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا، اور ہمیشہ یہ علاقہ انگریزوں کے مظالم کی آماجگاہ بنا رہا۔

مولانا بغرض تحصیل علم دین ہندوستان آئے، مولانا نے کہاں کہاں تعلیم حاصل کی اور کس کس طرح گیا پہونچے، ان کے وطن کا پورا پتہ، ان کے والد کا نام، اور ان کی زندگی کی تفصیلات کا جاننے والا آج کوئی نہیں، گیا میں ان سے تعلیم حاصل کرنے والے اور ان کے خصوصی تربیت یافتہ چند حضرات سے ہماری ملاقات ہوئی، اور انہیں سے جو کچھ معلومات حاصل ہوسکی ہیں، وہ ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں، وہ آخری چند تربیت یافتہ حضرات بھی آج دنیا میں موجود نہیں ہیں، آخری شخص مولانا عبدالرافع صاحب مرحوم تھے، جو مولانا کے چہیتے شاگرد اور داماد بھی تھے، سب سے زیادہ مولانا سے متعلق انہیں کو معلومات تھیں، ان سے برابر عرض کیا گیا کہ مولانا کی زندگی کے حالات جو کچھ ہیں وہ قلم بند کردیں، وہ صاحب قلم بھی تھے اور اس کام کو اچھا کر سکتے تھے، ادھر دو ایک سال سے مولانا عبدالرافع صاحب کے قویٰ نے جواب دے دیا تھا، قوت حافظہ بھی کمزور ہوگئی تھی، کئی مرتبہ انہوں نے قلم اٹھایا، مگر حافظہ کی کمزوری اور صحت کی خرابی سے مجبور ہوکر دو ایک صفحہ سے زیادہ نہیں لکھ سکے، چند مہینے ہوئے ان کا بھی انتقال ہوگیا، اب ڈر ہے کہ جو کچھ یادداشتیں ہیں، وہ اب بھی قلم بند نہ کرلی گئیں تو پھر ان کا بھی لکھنے والا کوئی نہ رہے گا۔

گیا میں میر واعظ الحق صاحب گیلانی کے رہنے والے ایک بزرگ بسلسلہ تجارت رہتے

تھے، کچہری میں ایک چادر بچھا دیتے، اسی پر کچھ کتابیں رکھ کر بیچا کرتے اور اسی آمدنی سے گزر بسر کرتے تھے، انہیں کے داماد مولانا عبد الغفار صاحب رحمہ اللہ تھے، میر صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا ابو المعالی عبد العزیز عالی گیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو ایک شیخ وقت تھے اور صاحب گنج سنتھال پرگنہ میں جوانی سے آخر عمر تک قیام پذیر رہ کر دین کی خدمت کرتے رہے (ان کی قبر جامع مسجد صاحب گنج کے احاطہ میں ہے) بنگال تک ان کے مریدین مسترشدین پھیلے ہوئے ہیں، ضلع مالدہ میں ان کے مریدین کی کثرت ہے، انہیں مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کے عزیز مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ اور داماد حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب رحمہ اللہ نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ تھے، مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد محترم میر واعظ الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا میں رہ کر حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم وتربیت حاصل کی، اور اپنے والد صاحب سے شرف بیعت حاصل کیا اور انہیں سے اجازت وخلافت بھی حاصل کی۔

میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکان گیلانی میں تھا، جس میں مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بال بچے رہا کرتے تھے، اور ایک مکان گیا میں بھی چھتہ مسجد سے متصل گلی محلہ باٹم برج میں بنایا تھا، اس میں تا زندگی وہ رہے اور پھر اسی میں ان کے داماد حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بال بچوں کے ساتھ تا زندگی قیام پذیر رہے اور پھر اسی میں مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد مولانا محمد خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بال بچوں کے ساتھ زندگی بھر رہے، اور پھر اسی میں آج تک مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سکونت پذیر ہے۔

مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خسر میر واعظ الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت عسرت کی زندگی گزارتے تھے، باجودیکہ شیخ وقت ہونے کی وجہ سے شہر بھر میں ان کے تقدس وتقویٰ کی دھوم تھی، مگر پھر بھی نہایت منکسر المزاج اور بے طمع شخص تھے، کسی سے نذرانہ قبول نہ کرتے، نہایت سادگی اور عاجزی کے ساتھ زندگی گذارتے اور دن بھر کچہری میں کتابیں فروخت کرتے اور اسی آمدنی سے گذران اوقات کرتے، طبعیت میں فیاضی بہت تھی، ہمیشہ ایک چادر کندھے پر ڈالے رہتے، اس کے ایک گوشہ میں ستّو باندھے رہتے، کچہری سے دوپہر کو کھانا کھانے

گھر آتے، راستہ میں کوئی اجنبی مسافر مل جاتا اس کو ساتھ گھر لے جاتے، اپنا کھانا اندر سے لا کر اس کے سامنے رکھ دیتے، اور جب وہ آسودہ ہو کر رخصت ہو جاتا تو چادر کے کونہ سے ستو کھول کر اسی کو گھول کر خود پی لیتے اور پھر کچہری چلے جاتے۔

انہیں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے جب اپنے لڑکے کی شادی کی تو شہر کے سب ملنے والوں کو ولیمہ میں مدعو کر دیا، اور گھر آ کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ ولیمہ میں شہر کے سب ملنے والوں کو مدعو کر دیا ہے، انہوں نے گھبرا کر پوچھا کہ کھانے کا کچھ سامان بھی کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ نہیں، سامان کہاں سے کرتا، اہلیہ سے پوچھا تمہارے پاس کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا دو تین سیر چاول اور کچھ گھی ہے، کتنے مہمان آپ نے مدعو کئے ہیں؟ فرمایا سینکڑوں ہوں گے، وہ گھبرا کر بولیں پھر کیسے انتظام ہوگا؟ انہوں نے نہایت اطمینان سے فرمایا، اللہ کی بندی! گھبراتی کیوں ہے، اللہ پر بھروسہ کر، تیرے پاس جو کچھ چاول ہیں انہیں کا پلاؤ پکا دینا اور جب پک کر تیار ہو جائے تو مجھ کو خبر کر دینا، چنانچہ کھانے کا وقت ہوا، مہمان آنا شروع ہو گئے، اندر سے خبر آئی کہ کھانا پک کر تیار ہے، میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہمانوں کو بٹھا کر اور دسترخوان بچھا کر اندر آئے، کھانے کی دیگچی کے پاس خود بیٹھ گئے اور اپنی چادر دیگچی کے اوپر ڈال دی اور خود اپنے ہاتھ سے کھانا نکال نکال کر باہر بھیجنا شروع کیا، سب نے کھا لیا تو پھر دوسرے بٹھائے گئے، مہمان آتے جاتے تھے اور کھاتے جاتے تھے، سارے مہمان سینکڑوں کی تعداد میں آسودہ ہو کر چلے گئے، جب مہمانوں کا سلسلہ ختم ہوا تو گھر والوں سے کہا اب تم لوگ کھا لو، گھر والوں نے کہا، پہلے آپ کھا لیجئے، فرمایا تم لوگ کھا لو، سب سے آخر میں میں کھاؤں گا، جب گھر کے سب لوگوں نے بھی کھا لیا تب میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا تناول فرمایا، اس کے بعد گھر والوں نے جو دیگچی کے اوپر سے میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چادر ہٹائی اور ڈھکن کھول کر دیکھا تو کھانے کا زیادہ حصہ باقی تھا، یہ دیکھ کر گھر بھر کے لوگ اور جس نے بھی سنا حیران رہ گیا ؎

خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ کو میر صاحب رحمہ اللہ کے داماد بننے کا شرف کیسے حاصل

ہوا؟ میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا جیسا عارف وعالم داماد کیسے میسر آیا اور مولانا گیا کیسے پہونچے ؟ اس کی تفصیل کسی سے بھی معلوم نہ ہوسکی، مولانا کے وصال کے وقت میں تین سال کا بچہ تھا؛ اس لئے براہ راست ان سے کچھ احوال پوچھ کر اور سن کر یاد رکھنے کا موقع مجھ کو میسر نہ آیا اور اب کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں۔

بہر حال مولانا تکمیل علم دین کے بعد کسی طرح گیا تشریف لائے، اور یہاں انہوں نے عربیت کی بنیاد رکھی، اس شہر میں کوئی عربی مدرسہ نہ تھا، سب سے پہلے مولانا رحمہ اللہ نے چوک بازار میں شہابو درزی کی مسجد سے متصل دومنزلہ مکان میں مدرسہ اسلامیہ قائم کیا، جو آج بھی مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ کے نام سے علمی خدمات کر رہا ہے، مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مدرسہ کی ترقی، جگہ کی قلت اور بعض دوسری مجبوریوں کی وجہ سے مولانا خیرالدین صاحب نے اس مدرسہ کو کچہری کے قریب کی وسیع مسجد میں منتقل کردیا (یہ مسجد متعدد ناموں سے مشہور تھی، باغ والی مسجد، بیگو والی مسجد، بیگو کے باغ والی مسجد، جناتی مسجد، کچہری مسجد) اور اب یہ مسجد مدرسہ قاسمیہ والی مسجد کے نام سے مشہور ہے، مولانا خیرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں دوسرے مدارس کے قیام کا سلسلہ جاری ہوا۔

مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ ہزار ہا کی تعداد میں پیدا ہوئے اور اطراف عالم میں پھیلے، ان میں سے چند ہی کو میں جانتا ہوں۔

۱) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گیلانی رحمۃ اللہ (خسر حضر مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، برادر مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

۲) حضرت مولانا شاہ ولایت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (رئیس دیورہ ضلع گیا) خادم خاص حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۳) حضرت مولانا حافظ خدا بخش صاحب نابینا مان پوری گیاوی رحمہ اللہ۔

۴) مولانا حافظ گوہر صاحب مرحوم گیاوی۔

۵) مناظر اسلام مولانا عبدالرافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (داماد حضرت مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ)۔

۶) مولانا حافظ فرید الدین صاحب روہوی گیاوی رحمۃ اللہ علیہ (داماد حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔)

۷) مولانا عبدالمجیب صاحب (مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے)

۸) مولانا کی بڑی صاحبزادی (اہلیہ محترمہ مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) انہوں نے فارسی کے علاوہ بخاری تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔

۹) حافظ داراب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یہ شاگرد بھی تھے اور مرید بھی، صائم الدہر قائم اللیل، بہت ریاضت ومجاہدہ کے خوگر)

مولانا کا ذریعۂ معاش

مولانا نے اپنے مکان کے نچلے حصہ میں ایک کولھو گاڑ رکھا تھا، اس سے روغن بادام، روغن کدو، روغن کاہو وغیرہ تیار کرتے تھے۔

کولھو چلانے کے لئے بیل نہیں تھے، خود اپنے ہاتھ سے اس کو چلاتے تھے، کبھی کبھی بڑے بڑے طلبہ فارغ اوقات میں بڑے شوق سے کولھو چلاتے تھے۔

حافظ خدا بخش نابینا مرحوم بیان کرتے تھے کہ گودام سے بادام لاکر مولانا ہم لوگوں کو دے دیتے، اور خود بھی ساتھ بیٹھ کر بادام توڑتے، درمیان میں مولانا کسی ضرورت سے باہر چلے جاتے تو ہم بادام توڑ توڑ کر کھاتے رہتے، مولانا کچھ دیر کے بعد تشریف لاتے تو فرماتے کہ بادام کی مقدار کچھ بڑھی نہیں کیا بات ہے؟ ہم لوگ عرض کرتے، نہیں حضرت بہت بڑھ گئی ہے، اس پر وہ مسکرا کر چپ ہوجاتے۔

انہیں حافظ خدا بخش نابینا مرحوم کا بیان ہے کہ مولانا روغن گل بھی تیار کرتے تھے، دیسی جوتے جب ہم نئے نئے خریدتے اور وہ کاٹنے لگتے تو مولانا کی نظر بچا کر ہم لوگ اپنے جوتوں میں روغن گل ڈالتے۔

مولانا حکیم بھی تھے، ان کا شہر میں ایک مطب بھی تھا، تیل کے علاوہ مطب کی بھی آمدنی تھی، مولانا کی معیشت کے یہی ظاہری اسباب تھے، دینی تمام کام حسبۃً للہ انجام دیتے تھے۔

تعلیم وتبلیغ، امامت وخطابت اور جرأت مندانہ اعلان حق

صبح سے دوپہر تک مدرسہ میں تعلیم دے کر گھر آتے، کھانا کھا کر قیلولہ کرتے، پھر ظہر کی نماز کے لئے شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد تشریف لے جاتے، مولانا اسی مسجد میں پنج گانہ نمازوں کی امامت اور جمعہ کی امامت وخطابت بھی بلا معاوضہ فرماتے تھے، ظہر کے بعد پھر اپنے مدرسہ میں جا کر مشغول درس وتدریس ہو جاتے، اور عصر کے بعد مدرسہ کے حصۂ زریں کے چبوترے پر جو لب سڑک تھا، آ کر کھڑے ہو جاتے، شدت اشتیاق میں پہلے سے ہندو مسلمان، سکھ عیسائی بلا امتیاز مذہب وملت سبھی قسم کے لوگ سڑک پر جمع رہتے، مولانا وہاں پہنچ کر مغرب کے قریب تک مختلف موضوعات پر دینی وتبلیغی تقریریں فرماتے، جس سے سارا مجمع محظوظ ومتاثر ہوتا۔

مدرسہ سے قریب ایک مکان میں لب سڑک عیسائی مشنری کا اڈہ بھی تھا، عیسائی پادری وہاں پہنچ کر اپنے دفتر سے کتابیں نکال کر سڑک پر ایک میز کے اوپر رکھ کر کتابیں بیچتے اور تقریریں کرتے۔

کبھی کبھی مولانا اسی مجمع میں پہنچ جاتے، مولانا کو سبھی جانتے اور پہچانتے تھے، عیسائی پادری مولانا کو دیکھ کر ہٹ جاتے اور کہتے کہ آج آپ ہی تقریر فرمائیے، چنانچہ مولانا توحید ورسالت اور حقانیت پر اس مجمع میں تقریر فرماتے۔

کبھی جمعہ کو جامع مسجد چلے جاتے اور وہاں بعد جمعہ تقریر فرماتے شرک وبدعات رسومات اور سیئات کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے — یہاں اس زمانہ میں لوگ ڈرتے تھے، — مولانا نہایت جرأت مندی کے ساتھ حقانیت اور صداقت کی آواز کو بلند فرماتے، حق کو حق کہتے اور ناحق کو ناحق کہنے سے نہ ڈرتے، اور بلا جھجھک بدعات وسیئات اور رسومات شنیعہ کے خلاف گفتگو فرماتے۔

غیر شرعی شادیوں میں کسی کے یہاں شریک نہ ہوتے، ایک خاتون یہاں کی سب سے بڑی رئیس تھیں، ان کی طرف سے مولانا کے مدرسہ میں ماہانہ چندہ معتد بہ مقدار میں ملتا تھا، ایک مرتبہ ان کے یہاں شادی ہوئی اور مولانا کی خدمت میں بھی دعوت نامہ آیا، مولانا کو معلوم ہوا کہ وہاں کچھ غیر شرعی رسومات ادا کی جارہی ہیں؛ اس لئے مولانا شریک نہ ہوئے ولیمہ کے دن مولانا کے گھر بھر کا کھانا ان کے کارندے لے کر آئے، مولانا اس وقت مدرسہ میں پڑھا رہے تھے، کھانا

وہیں لاکر پیش کیا گیا، مولانا نے قبول کرنے سے انکار فرمادیا اور صاف کہہ دیا کہ ’’چونکہ وہاں غیر شرعی رسومات ادا کی گئی ہیں؛ اس لئے باوجود دعوت کے میں شرکت کے لئے نہیں گیا اور یہ کھانا بھی میں قبول نہیں کرسکتا، واپس لے جاؤ اور ان کو صاف صاف یہ باتیں میری طرف سے کہہ دو‘‘، کارندے کھانا لے کر واپس گئے اور کچھ دیر بعد ان کے منیجر پہونچے اور کہا کہ وہ بہت خفا ہوگئی ہیں، اور آپ کے مدرسہ کا چندہ بند کردیا ہے، مولانا نے ماہانہ چندہ کا رجسٹر منشی سے مانگا اور ان کے نام کا صفحہ کھول کر ان کو دکھلایا کہ دیکھو جس وقت میں نے سنا تھا کہ ان کے یہاں غیر شرعی رسومات ادا کی جارہی ہیں، اسی وقت ان کا نام چندہ کے رجسٹر سے خارج کردیا تھا، دیکھا گیا تو ان کا نام قلم زد کیا ہوا تھا، فرمایا: جاکر کہہ دینا کہ وہ کیا چندہ بند کریں گی، ہم نے خود بند کردیا ہے، وہ اگر دیں گی بھی تو ہم قبول نہیں کریں گے، منیجر نے ساری باتیں جاکر عرض کردیں، سن کر تلملا کر رہ گئیں۔

کچھ عرصہ کے بعد وہ ایسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوئیں کہ خود ڈولی (پالکی) میں بیٹھ کر مدرسہ تشریف لائیں اور رو رو کر مولانا سے معافی چاہی اور عرض کیا کہ جب سے میرے منیجر نے مجھ سے آپ کی خفگی کو بیان کیا ہے، اس دن سے مجھ کو چین نہیں ملا ہے اور آپ نے میرا نام اپنے رجسٹر سے خارج کردیا تو مجھ پر اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہوتے نظر آرہے ہیں، اللہ کے لئے میری غلطی کو معاف فرمادیجئے، مولانا نے فرمایا: ’’آپ نے میری کوئی غلطی نہیں کی ہے، معاملہ میرا ذاتی نہیں ہے، آپ نے خدا کی نافرمانی کی ہے، خدا سے معافی چاہئے‘‘، انہوں نے گڑگڑا کر کہا: میں اللہ سے معافی مانگتی ہوں، آپ بھی اللہ سے سفارش کردیجئے اور میرے لئے دعا فرمادیجئے، اور اپنے مدرسہ کے رجسٹر پر میرا نام پھر درج کروادیجئے اور میرے لئے دعاء فرمادیجئے، مولانا نے ان سب باتوں کو منظور فرمایا، تب وہ باطمینان تشریف لے گئیں۔

جس زمانہ میں میں ترکوں پر انگریزوں کے حملے ہورہے تھے تو مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں جمعہ کے خطبہ کے اندر خلیفۃ المسلمین کی فتح یابی کے لئے دعاء اور انگریزوں کی شکست کے لئے بڑے جوش وخروش سے بددعا فرمارہے تھے، وہ زمانہ ایسا خوفناک تھا کہ انگریزوں کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالتے ہوئے لوگ ڈرتے تھے، کوئی کبھی انگریزوں کا ذکر کرتا تو اِدھر اُدھر دیکھ لیتا کہ کوئی سی، آئی، ڈی تو نہیں سن رہا ہے، مگر مولانا اسی خوفناک ماحول

میں انگریزوں کے خلاف تقریریں کیا کرتے، اور جمعہ کے خطبہ میں ان کے لئے بددعائیں کیا کرتے، سی،آئی،ڈی رپورٹ حکومت کو برابر پہونچ رہی تھی۔

ایک دن تھانہ سے طلبی آئی، پہلے تو مولانا جانے کو تیار نہ ہوئے، پھر کچھ سوچ کر تیار ہو گئے، تھانہ پہونچ کر تھانہ دار سے ملے، اس نے مولانا کی وجاہت سے مرعوب اور متاثر ہو کر کرسی دی اور عرض کیا کہ تشریف رکھئے، مولانا نے فرمایا: میں اس کرسی پر نہیں بیٹھوں گا اور کھڑے ہی کھڑے فرمایا: کہو کیا کہتے ہو، تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ وہ کچھ ایسا مبہوت اور مرعوب ہوا کہ زبان سے بات ہی نہیں نکل رہی تھی، آخر اس نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ جمعہ کے خطبہ میں خلیفۃ المسلمین کے لئے دعا اور انگریزوں کے لئے بددعا کرتے ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ بالکل صحیح سنا ہے! تم کو مجھ سے کسی بات کی توقع تھی؟ تم سے میں پوچھتا ہوں کہ اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟ اس دوٹوک بات کا تھانہ دار پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے کھڑے ہو کر مولانا سے معافی چاہی اور بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ آپ سچے آدمی ہیں، آپ جو کچھ سچ سمجھتے ہیں وہی کیجئے اور کہئے، میں نے آپ کو ناحق تکلیف دی، میری اس تکلیف دہی کو معاف فرما دیجئے، مولانا تھانہ سے باطمینان اور بخیر وخوبی واپس آ گئے۔

گیا کا انگریز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (کلکٹر) اپنے مسلمان خانساماں سے کہا کرتا کہ تمہارا مولانا صاحب ہم انگریزوں کا بہت بڑا دشمن ہے، ان کو کبھی دکھلاؤ، خانساماں نے وعدہ کیا تھا کہ جب کبھی سڑک پر وہ جاتے ہوئے مل گئے تو دکھا دوں گا، اس زمانہ میں یہاں موٹر کا رواج نہ تھا، بگھی گاڑی، پالکی گاڑی اور فٹن میں بڑے بڑے رئیس اور افسران چلا کرتے تھے، کلکٹر صاحب ایک روز اپنی فٹن میں بیٹھے باگ ہاتھ میں تھامے، خود سے فٹن چلاتے ہوئے جا رہے تھے، وہ خانساماں پیچھے کھڑا تھا، جب کچہری روڈ میں چھتہ مسجد کے قریب پہونچے تو حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنا لمبا مضبوط عصا ہاتھ میں لئے سر پر عمامہ باندھے نہایت وجیہہ اور نورانی چہرہ کے ساتھ نظر آئے، سڑک کے کنارے کنارے کہیں جا رہے تھے، اس خانساماں کی نظر پڑی تو اس نے کلکٹر صاحب سے کہا حضور! حضور! وہ ہیں مولانا صاحب! کلکٹر صاحب نے فوراً فٹن کو روکا اور اتر کر ادب سے ٹوپ اتار کر مولانا کے قریب آ کر سلام کیا، مولانا نے دریافت کیا، کیا کہتے ہو، مولانا کا رعب ان

پر پہلے سے بھی تھا اور اب ان کا بارعب نورانی وجیہہ چہرہ کچھ ایسا اثر انداز ہوا کہ کچھ بول نہ سکے، مولانا نے بڑی شفقت سے فرمایا: کہو کیا کہتے ہو؟ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا بات کریں، بالآخر بولے تو یہ بولے کہ مولانا آپ کے ہاتھ میں کیا ہے، مولانا بہت قدآور اور تنومند طویل القامت شخص تھے اور جس وقت اپنا مضبوط لمبا عصا جس کے نیچے پتلا سا نوکیلا لوہا لگا ہوا تھا، لے کر نکلتے تو وقار، وجاہت اور رعب وہیبت کا اثر دوبالا ہو جاتا تھا، مولانا نے فرمایا کہ یہ میرا عصا ہے (لاٹھی ہے) اس سوال وجواب سے کلکٹر صاحب کی تشفی نہ ہوئی، ادھر کچھ بات کرنے کا شوق دامنگیر تھا تو ادھر مولانا کے رعب سے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا بات کریں، پھر سوچ کر بولے کہ مولانا آپ کی لاٹھی کے نیچے کیا لگا ہوا ہے، مولانا نے نیچے کے حصہ کو کلکٹر صاحب کی طرف کر کے فرمایا کہ دیکھ لو کیا ہے، انہوں نے سمجھا کہ مولانا ان کو مار رہے ہیں، وہ بھاگ کر سڑک کی دوسری جانب پہونچ گئے، مولانا نے مسکراتے ہوئے ان کے قریب جا کر بڑی شفقت سے فرمایا کہ آپ کیا پوچھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں پوچھتا کہ آپ کی لاٹھی میں یہ کیا ہے؟ مولانا نے پھر اس نکیلے حصہ کو ان کی طرف کر کے فرمایا کہ دیکھ لو، ان کو پھر غلط فہمی ہوئی، جو مرعوبیت کا اثر تھا کہ مولانا مار رہے ہیں، وہ پھر سڑک کی دوسری جانب بھاگ کر گئے، مولانا ہر مرتبہ ان کے قریب جا کر شفقت سے پوچھتے اور جب چھڑی کی نوک ان کی طرف کرتے وہ جان بچا کر گھبرا کر بھاگتے، جب تین مرتبہ یہی ہوا تو چوتھی مرتبہ مولانا ان کے قریب گئے اور بہت اخلاق سے ان کو سمجھایا کہ آپ کیوں ڈرتے ہیں؟ جو بات آپ پوچھتے ہیں اسی کا تو جواب دیتا ہوں، مارتا نہیں ہوں، پھر مولانا نے کلکٹر صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے عصا کی نوک ان کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ ''یہ لوہا ہے، جو لکڑی کے نیچے لگا ہے، ہم کبھی باہر سفر میں جاتے ہیں، استنجے کی ضرورت ہوتی ہے تو چھڑی کے اس نوکیلے حصہ سے زمین کو کرید کر استنجا پاک کرنے کے لئے ڈھیلا نکال لیتے ہیں اور جب کبھی میدان میں نماز پڑھنے کا موقع آتا ہے تو سامنے اسی نوک کے ذریعہ زمین میں اس لکڑی کو گاڑ کر سترہ بنا لیتے ہیں؛ تاکہ اگر نماز کے درمیان کوئی سامنے سے گذرے تو اس سترہ کے آگے سے گذرے اور گناہ گار نہ ہو''، کلکٹر صاحب نے بہت شرمندگی سے کہا کہ مولانا صاحب میں نے آپ کا فضول وقت برباد کیا میری غلطی کو معاف فرمائیں، اس کے بعد کلکٹر صاحب نے اپنی راہ پکڑی اور مولانا اپنی راہ پر چل پڑے۔

سید حسن امام صاحب وارثی رئیس گیا نے مولانا خیرالدین صاحب سے بیان کیا کہ ''جنگ کے زمانہ میں انگریز افسروں نے مسلمان رئیسوں سے مسلمانوں میں چندہ کی تحریک کرنے کو کہا، ہم لوگوں میں یہ طے پایا کہ ایک بڑا جلسہ عام کیا جائے اور اس میں چندہ کی تحریک کی جائے، یہاں کے مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جس جلسہ میں حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ شریک ہوں وہ کامیاب نہ ہوتا تھا اور جب تک کسی مسئلہ پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہاں نہ کہہ دیں مسلمان بھی ہاں نہیں کہتے تھے اور جس مسئلہ پر مولانا نہیں کہہ دیتے تو مسلمان بھی اس کو نہیں کہتے اور نہیں کرتے تھے، ظفر نواب صاحب رئیس گیا کے مکان کے وسیع احاطہ میں یہ جلسہ ہونا طے ہوا اور نواب صاحب کی رائے ہوئی کہ تبلیغی دینی و مذہبی جلسہ کا اعلان ہو اور مولانا کو تبلیغی تقریر کرنے کی دعوت دی جائے اور پہلے ان سے تقریر کرالی جائے جب وہ تقریر کر کے چلے جائیں تو ہم لوگ چندہ کی تحریک کریں، مسلمان سمجھیں گے کہ اس جلسہ میں مولانا شریک ہوئے ہیں تو لامحالہ وہ بھی اس کی تائید میں ہیں، حسن امام صاحب کا بیان ہے کہ میں نے نواب صاحب کو منع کیا تھا کہ مولانا کو اس جلسہ میں مت بلائیے وہ بہت ذکی و فہیم اور صاحب کشف بزرگ اور سچے عالم ہیں، اور انگریزوں کے بڑے دشمن ہیں، وہ معاملہ کو سمجھ جائیں گے، اور پھر وہ جس بات کو حق سمجھیں گے وہی کہیں گے، مگر نواب صاحب نہیں مانے اور یہی کہا کہ بغیر ان کی شرکت کے جلسہ کامیاب نہ ہوگا اور اعلان مذہبی جلسہ کا ہوگا اور ان سے بھی مذہبی ہی تقریر کرنے کو کہا جائے گا تو وہ کیسے سمجھ جائیں گے؟ جلسہ سے ان کے چلے جانے کے بعد ہم مقصد جلسہ کو عوام کے سامنے ظاہر کریں گے، جلسہ کا اعلان ہوا، مولانا نے دعوت قبول فرمالی اور تشریف لے آئے، پہلے سے کلکٹر صاحب، ایس، پی صاحب اور دیگر بڑے بڑے افسران کو بلا کر متصلہ ملحقہ کمرہ میں اس طرح بیٹھا دیا گیا کہ مولانا کی نظر ان پر نہ پڑے اور مولانا کے تشریف لے جانے کے بعد ان افسروں کو باہر نکالا جائے اور ان کے اثر سے چندہ کیا جائے، مولانا کی تقریر کا اعلان تھا؛ اس لئے بہت بڑا مجمع ہوا، مولانا کی تقریر آٹھ بجے صبح کو شروع کرادی گئی یہ سمجھ کر کہ مولانا زیادہ سے زیادہ دو گھنٹہ تقریر فرمائیں گے، پھر دس بجے سے ۱۱، ۱۲ بجے تک چندہ کی تحریک کا بہت کافی اور بہت اچھا وقت مل جائے گا۔

مولانا نے خطبہ مسنونہ کے بعد { يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى

اَوْلِیَآءَ}(۱) کی آیت تلاوت فرمائی، مولانا اپنی ذکاوت اور فراست ایمانی سے ساری اسکیم کو سمجھ گئے تھے، بڑی جوشیلی تقریر فرمائی اور شروع سے آخر تک انگریزوں کی مخالفت، اسلام اور مسلمانوں پر اور ممالک اسلامیہ وبلاد اسلامیہ پر انگریزوں کے مظالم پر مکمل مدلل روشنی ڈالتے رہے اور سارے رؤساء شہر بیٹھے بیٹھے تلملاتے رہے کہ یہ کیا غضب ہوگیا، حسن امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے نواب صاحب سے آہستہ آہستہ کہا کہ میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ ان کو نہ بلایئے یہ سمجھ جائیں گے اور پھر یہی کہیں گے، جو آپ سن رہے ہیں، مولانا کا جوش ختم ہی نہ ہوتا تھا، نہ مضامین ختم ہوتے تھے، مولانا کا رعب اتنا زیادہ تھا کہ کسی امیر و رئیس کی مجال نہ تھی کہ مولانا کو روک دے، بارہ بجے تک مسلسل تقریر فرماتے رہے، جب بارہ بج گئے تو منتظمین کی طرف سے ایک پرزہ مولانا کی خدمت میں پیش ہوا کہ بارہ بج چکے ہیں، اب کھانے کا وقت ہے، بعض کارروائیوں کے بعد جلسہ کو ختم کرنا ہے، مولانا پرزہ کو پڑھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ انگریزوں کے مظالم سے میرا دل جل رہا ہے، مضامین ابل رہے ہیں، اس موضوع پر ایک ہفتہ تک تقریر کر سکتا ہوں، مگر بارہ بج چکے ہیں، کھانے کا وقت ہے، مجھ کو بھی بھوک لگی ہے اور سب حاضرین کو بھی بھوک لگی ہوگی؛ اس لئے میں اپنی تقریر ختم کرتے ہی جلسہ سے چلا جاؤں گا، منتظمین جلسہ کو اس کے بعد کچھ کارروائی بھی کرنی ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کارروائی کیا ہے، میں اعلان کرتا ہوں کہ اس کے بعد جو بھی کارروائی ہوگی میں اس سے بری ہوں، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور جو بھی اس کارروائی میں حصہ لے گا اس کے سوء خاتمہ کا ڈر ہے، یہ کہہ کر تقریر ختم کی اور روانہ ہوگئے، اب حال یہ تھا کہ آگے آگے مولانا تھے اور پیچھے پیچھے سارا مجمع ایک شخص بھی جلسہ میں نہ بیٹھا، تمام رؤسا، امراء اور افسران و حکام آپس میں ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے''۔

یہ روایت حسن امام صاحب نے مولانا خیرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جس مجلس میں بیان کی اس میں خود میں بھی تھا۔

اصلاح وتبلیغ

جاہلانہ رسومات اور بدعات وخرافات مروجہ کی اصلاح میں ہمیشہ لگے رہتے تھے؛ اس لئے

(۱) المائدۃ:۵۱

ان کے مخالف بھی کم نہیں تھے اور اسی لئے لوگ چڑھ کر ان کو وہابی کہا کرتے تھے، مولانا کی بڑی صاحبزادی کی روایت ہے کہ جب کوئی ان کو وہابی کہتا تو وہ بجائے اظہار ناراضگی کہ ہنس کر فرماتے ۔

وہابی تو ہوتے ہیں رحمان والے
کچھ اور ہی سمجھتے ہیں شیطان والے

محرّم اور تعزیہ کے سخت مخالف تھے، امام باڑہ کو ''ایمان بگاڑا ارا'' کہتے تھے، رئیسوں سے ان کو طبعی مناسبت نہ تھی، کسی امیر ورئیس کے یہاں ان کا آنا جانا نہ تھا، خود امراء ورؤساان کی خدمت میں حاضری کو سعادت سمجھتے تھے، مولانا کبھی کبھی مزاحاً فرماتے تھے کہ ''اب رئیس نہیں ہیں، سئیس ہیں''، کبھی فرماتے:

ست ریاست سے گیا، صرف ریا باقی ہے

مولانا میں انگریز اور انگریزیت سے نفرت کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ جب کبھی مولانا سے کوئی پوچھتا کہ حضرت! انگریزی پڑھانا کیسا ہے؟ فرماتے ''سور کھانا''

چونکہ شروع شروع انگریز پرستی اور الحاد کے جذبہ کے ساتھ مسلمانوں میں انگریزی داخل ہوئی تھی؛ اس لئے یہ تینوں لفظ مرادف اور ہم معنی ہوکر ذہن میں آتے تھے، جیسے روسی انقلاب سے کمیونزم پیدا ہوا تو اپنے ساتھ ساتھ خدا دشمنی اور مذہب سے نفرت کا جذبہ لے کر آیا؛ اس لئے کمیونزم اور لامذہبیت ہم معنی لفظ سمجھے جانے لگے، اس حقیقت کو کسی مغلوب الحال عالم یا بزرگ نے نہیں؛ بلکہ انگریزی کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ الہ آباد ہائی کورٹ کے جج اکبر الہ آبادی مرحوم نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

(اکبر الہ آبادی)

ہم ایسی کُل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

(اکبر الہ آبادی)

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

(اکبرالہ آبادی)(۱)

ہم نے اکبرالہ آبادی مرحوم جج ہائی کورٹ کے یہ چند شعر اس لئے لکھ دیئے ہیں کہ علماء پر یہ الزام کہ انہوں نے مسلمانوں کو انگریزی پڑھنے سے روکا، اس کی حقیقت واضح ہوجائے، جو بات ایک عالم دین نے فرمائی وہی اکبرالہ آبادی جیسے انگریزی تعلیم یافتہ نے بھی کہی ہے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید وشبلی وعطار ہم مست

اکبرالہ آبادی جیسے انگریزی کے جنیدؒ وشبلیؒ وعطارؒ نے بھی اسی حقیقت کو سمجھا ہے، جس کو علماء دین کی فکر حقیقت شناس نے سمجھا۔

خدافراموشی، مذہب سے نفرت، مغیبات ایمانیہ میں شک ونفاق، اللہ کے دین کو مولوی کا غلط مذہب سمجھنا اور کہنا اور لکھنا جس علم کے برکات وثمرات ہوں، اس کا حاصل کرنا سور کھانا تو کیا اس سے بھی بدتر ہونا چاہئے، ہاں اگر الحاد کے زہر سے حفاظت کا اطمینان ہوتو پھر علم علم ہے، اس کو حاصل کرنے سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں، نفس تعلیم سے کس نے روکا تھا، اس میں جو روحانی زہر ملا ہوا تھا، اس سے روکا جاتا تھا۔

تم شوق سے کالج میں پھلو ، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں پہ اڑو چرخ پہ جھولو
لیکن یہ رہے بندۂ عاجز کا سخن یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

(اکبرالہ آبادی)

اللہ کا وجود، اللہ کی وحدانیت، نبی کی رسالت، اعمال صالحہ، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، کچھ بھی باقی نہ رہے، سب پامال ہوجائیں تو پھر انگریزی پڑھ کر بڑے سے بڑا افسر ہوجائے، بڑی سے

(۱) یہ شعر علامہ اقبال کا ہے، اکبرآلہ آبادی کا نہیں، ''بانگ درا'' میں تعلیم اور اس کے نتائج'' کے عنوان سے موجود ہے۔(اعظم)

بڑی ملازمت مل جائے، بڑی سے بڑی تنخواہیں ملنے لگ جائیں تو اس سے کیا فائدہ؟

نہ نماز ہے نہ روزہ ، نہ زکوۃ ہے نہ حج ہے
تو پھر اس سے فائدہ کیا، کوئی جنٹ ہے کہ جج ہے
(اکبرالہ آبادی)

بغیر دین سیکھے دنیا کا علم سیکھنے اور دنیا کے دلدل میں پھنسنے کے یہی نتائج ہوتے ہیں ؎

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں
(اکبرالہ آبادی)

مولانا نے اپنے مدرسہ کے چبوترہ پر لب سڑک روزانہ تقریریں کر کے حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ زندہ کر دی تھی، اس کے علاوہ مسجدوں میں، جلسوں میں، مدرسوں میں، مجلسوں میں، نجی ملاقاتوں میں، ہرلمحہ، ہرلحظہ، ہرگھڑی اصلاح اور تبلیغ کا کام جاری تھا، تقریروں کے علاوہ مکتوبات سے اور تصنیفات سے بھی ہمیشہ اصلاح فرماتے رہے۔

حضرت مولانا کی پرانی تصنیفوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ کفر والحاد اور بدعت کی مسموم فضاؤں میں ہمیشہ سینہ سپر ہوکر اس کا مقابلہ کرتے رہے، آپ کی ایک کتاب ''**هداية الثقلين في تخصيص المصافحة بعد صلوة العيدين**'' مطالعہ کررہا تھا، قرآن وسنت کی روشنی میں ایسے ایسے دلائل بیان فرمائے ہیں کہ جن سے ایک طرف ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف پتہ چلتا ہے کہ معمولی سے معمولی بدعت پر بھی نکیر کئے بغیر نہیں رہتے تھے، افہام وتفہیم، تعلیم وتبلیغ اور بحث ومناظرہ کے وقت بھی گفتگو کا انداز دل کش، شیریں، لہجہ نرم اور محبت آمیز ہوتا تھا، گفتگو اور بحث کے وقت کوئی جتنی بھی سخت کلامی سے پیش آتا مولانا اتنی ہی نرمی سے گفتگو کرتے، ایک مولوی صاحب نے مولانا سے کسی مسئلہ پر کئی گھنٹہ تک بحث کی، مولانا نرمی کے ساتھ قرآن وحدیث سے سمجھاتے تھے اور وہ بگڑ بگڑ کر کٹھ حجتی کرتے تھے، حد یہ ہوئی کہ اخیر میں انہوں نے مولانا کے ہاتھ میں دانت سے کاٹ لیا، خون نکلا، ہاتھ زخمی ہوگیا، مگر مولانا مسکراتے ہی رہے، غصہ کا اظہار نہ فرمایا؛ حالاں کہ مولانا اگر ایک تھپڑ رسید کر دیتے تو وہ اٹھ کر پانی نہ پی سکتے، مگر مولانا کو

اللہ کے فضل وکرم نے اتباع سنت، پیروی رسول اور خلق عظیم سے بھرپور حصہ عنایت فرمایا تھا۔

شاگرد مرید اور معتقد جنّ

مولانا کے مدرسہ میں جن بھی داخل ہوتے تھے، اور انسانی شکل میں طلبہ کے ساتھ گھل مل کر رہتے، تکمیل علوم دینیہ، قرآن وحدیث وفقہ کے بعد رخصت ہوتے تھے، ان کا جن ہونا مولانا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، طلبہ ان کو اپنے ہی جیسا انسان سمجھتے رہتے تھے، داخلہ کے وقت ہی مولانا شرط کرا لیتے تھے کہ وہ ہمیشہ انسانی شکل میں رہیں گے، کبھی اپنی شکل تبدیل نہیں کریں گے۔

ایک صاحب کا بیان ہے کہ

> ''ہم لوگ مدرسہ میں داخل ہو کر مدرسہ ہی میں دن رات رہتے تھے، مولانا شبانہ یوم طلبہ کی نگرانی خود کرتے تھے، رات کو بھی اچانک پہونچ کر دیکھ بھال کرتے کہ کون کس حال میں ہے، کون ہے کون نہیں ہے؟ عشاء کے بعد سونے سے پہلے پابندی سے روزانہ مدرسہ میں تشریف لا کر تمام طلبہ کی حاضری لیتے اور دروازہ اندر سے بند کروا کے گھر چلے جاتے اور جو اس وقت کی حاضری میں موجود نہ ہوتا، اس کی سزا دوسرے دن فرماتے، وہ صاحب فرماتے تھے کہ میں بہت شریر تھا، ایک مرتبہ چاندنی رات میں ہم تین طلبہ مدرسہ سے عشاء کے بعد کبڈی کھیلنے کو شہر سے باہر کسی جگہ چلے گئے، اور نصف شب کے قریب واپس ہوئے تو خیال آیا کہ مولانا تشریف لائے ہوں گے اور دروازہ بند کرا کے چلے گئے ہوں گے، اب ہم لوگوں کی خیر نہیں، کل ضرور سزا ہوگی، مدرسہ پہونچے تو حسب دستور اندر سے بند پایا، بہت پریشان تھے کہ اندر کیسے داخل ہوں، تدبیریں سوچ رہے تھے کہ کس طرح اوپر چڑھ کر اندر داخل ہوں، کوئی صورت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، اتنے میں ہم میں سے ایک ساتھی نے کہا کیوں گھبراتے ہو، میں ایک عمل جانتا ہوں، تم دونوں مجھ کو

پکڑ لو اور آنکھیں بند کرلو، ابھی ہم تینوں اندر پہونچ جائیں گے، ہم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ کر آنکھیں بند کرلیں، ایسا محسوس ہوا کہ ہمارے جسم کو تھوڑی سی حرکت ہوئی، پھر جو ہم نے آنکھیں کھولیں تو اپنے کو اندر پایا، بڑے اطمینان سے اپنی اپنی جگہ پر سو گئے، صبح مولانا تشریف لائے اور دروازہ کھلوایا تو ہم اندر موجود تھے، ہم سے باز پرس ہوئی تو ہم نے کہہ دیا کہ ہم تو یہیں تھے، طلبہ سے مولانا نے تحقیق فرمائی کہ کسی نے دروازہ کھول کر ان کو داخل تو نہیں کیا تو سب نے بالاتفاق کہہ دیا کہ کسی نے دروازہ نہیں کھولا، سزا سے ہم تینوں اس دن بچ گئے اور خدا کا شکر ادا کیا، اب ہم نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ اس نے کیا ترکیب کی کہ ہم لوگ اندر داخل ہو گئے، اس نے کہا مجھ کو ایک عمل معلوم ہے، میں اس پر خاموش ہو گیا، مگر میرے دوسرے ساتھی نے تنہائی میں اس سے اصرار کیا کہ وہ عمل اس کو بتلا دے اس نے بہت انکار کیا، مگر یہ نہ مانا اور اس کی جان کسی طرح نہ چھوڑتا تھا، تب مجبور ہو کر اس نے کہا کہ مجھ کو کوئی عمل معلوم نہیں میں تو جن ہوں، کسی سے ظاہر مت کرنا، اب یہ صاحب اس سے کہنے لگے کہ تم جن ہو تو میری مدد کرو، میں بہت غریب آدمی ہوں، اس نے کہا بھائی میں بھی کوئی امیر ورئیس نہیں ہوں، میں بھی غریب ہوں، جو لوگ جن کو عمل تسخیر کے ذریعہ سے تابع کرتے ہیں اور بڑی بڑی رقمیں ان سے منگواتے ہیں، مجبوراً چوری کر کے رقمیں مہیا کرتے اور لاکر ان کو دیتے ہیں، اپنی رقمیں نہیں دیتے ہیں، میں مولوی ہو کر تمہارے لئے چوری کروں؟ اس جن کا آخری سال تھا، بخاری وغیرہ پڑھ رہا تھا، جب سال ختم ہوا تو سب سے مل کر رخصت ہونے لگا تو وہ صاحب جن پر اس کا جن ہونا منکشف ہو چکا تھا، اس سے تنہائی میں کہنے لگے اب تم چلے جاؤ گے تو کیسے ملاقات ہوگی، اس نے ان کو کچھ پڑھنے کو بتلا دیا کہ جب

ملاقات کو جی چاہے، اس کو پڑھ لیا کرنا، میں حاضر ہو جایا کروں گا،
چنانچہ جب ملاقات کو ان کا جی چاہتا، وہ ان کلمات کو پڑھ لیتے اور وہ جن
مولوی صاحب آ کر ملاقات کر جاتے۔

ایک مرتبہ وہ بہت مالی پریشانی میں مبتلا ہوئے، لڑکی کی شادی
کرنی تھی اور پیسے پاس میں نہ تھے، اس موقع پر ان کو وہ جن دوست یاد
آ گئے، ان چند کلمات کا ورد کرنا تھا کہ جن صاحب تشریف لے آئے۔

انہون نے اپنی پریشانی کا ذکر ان سے کیا انہوں نے کہا کہ اچھا
میں آپ کے لئے چوری تو کروں گا نہیں، یہ حرام طریقہ میں اختیار نہیں کر
سکتا ہوں، مگر جائز ذرائع سے کچھ رقم آپ کے لئے مہیا کر کے آپ کی
ضرور مدد کروں گا، آپ گھبرائیں نہیں، دوسرے دن وہ جن صاحب آ کر
اپنے ان پریشان حال دوست کو معقول رقم دے گئے، مگر تاکید کر گئے کہ
اس کا ذکر کسی سے نہ کریں؛ چنانچہ انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی میں دل
کھول کر خرچ کیا اور بحسن وخوبی تمام انتظامات مکمل طور پر انجام دیئے،
اس سے لوگوں کو شبہات ہوئے کہ اتنی پریشان حالی میں اچانک اتنی کثیر
رقم ان کو کہاں سے مل گئی، غیروں کو تو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی، مگر ان کی بیوی
ان کے سر ہو گئی اور بہت مصر ہوئی کہ بتلاؤ یہ رقم کہاں سے آئی؟ مجبوراً
انہوں نے بیوی پر وہ بھید ظاہر کر دیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ اب انہوں نے
جب بھی وہ کلمات اس امید پر پڑھے کہ وہ جن صاحب تشریف لائیں
گے اور ان سے ملاقات کریں گے کبھی ان کی یہ امید پوری نہ ہو سکی اور ان
سے جن صاحب نے ملاقات کا سلسلہ ختم کر دیا''

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک شب میں مدرسہ پہونچے، طلبہ کے ایک کمرہ میں داخل ہوئے تو اس میں کوئی نہ تھا لالٹین جل رہی تھی، اس کے سامنے ایک کتاب کھلی رکھی تھی اور اس کتاب کے پاس ایک سانپ کنڈل مار کر بیٹھا ہوا تھوڑا سا سر کی جانب سے بلند ہو کر پھن پھیلائے

کتاب دیکھ رہا تھا اور جھوم رہا تھا، مولانا کی آہٹ پا کر انسانی شکل میں ہو گیا، مولانا بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ ابھی یہاں سے بستر اٹھاؤ اور چلے جاؤ، تم کو شروع ہی میں تاکید کر دی تھی کہ تم انسانی شکل میں یہاں رہنا کبھی شکل تبدیل نہ کرنا، خیریت تھی کہ میں آیا تھا، اگر کوئی طالب علم آتا اور وہ اس حالت میں تم کو دیکھتا تو کیا ہوتا، تم ابھی مدرسہ سے چلے جاؤ، اس نے بہت معافی چاہی کہ کوئی دوسرا نہ تھا، میں تنہا ہی تھا؛ اس لئے غلطی سے شکل تبدیل ہو گئی، معاف فرما دیجئے آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا، میرا یہ آخری سال ہے، مجھ کو تکمیل کا موقعہ دے دیا جائے، تب مولانا نے معاف کر دیا۔

مولانا کی بڑی صاحبزادی جن کو مولانا نے بخاری تک پڑھایا تھا اور ان میں مولانا کی تربیت کا اثر بہت زیادہ تھا، فرماتی ہیں کہ "گھر کے نچلے حصہ میں ایک اندھیری کوٹھری تھی، اس میں کسی جانب کھڑکی نہ تھی اور دوروازہ کے سامنے بھی اندھیرا تھا؛ اس لئے وہ اندھیری کوٹھری کے نام سے ہمیشہ مشہور رہی، روزانہ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اوقات میں مولانا اس کوٹھری میں جن کی مخصوص جماعت کو پڑھاتے تھے، اس میں صرف جن ہی ہوتے تھے، جب وہ آتے تھے تو مولانا گھر کے لوگوں سے کہہ دیتے تھے کہ تم لوگ ہٹ جاؤ، جن پڑھنے آرہے ہیں، اسی اندھیری کوٹھری میں جن مولانا سے بیعت بھی ہوتے تھے اور باطنی تعلیم بھی ان کی اسی کوٹھری میں ہوتی تھی۔

مولانا مرض وفات میں اسی کوٹھری میں رہے اور اسی میں ان کا وصال ہوا، وصال کے وقت بہت سے جن ملاقات کے لئے آئے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مولانا کسی جلسہ میں شرکت کے لئے گیا سے باہر کہیں تشریف لے گئے تھے، جب واپس آئے تو ان کی اہلیہ محترمہ نے مولانا سے شکایت کی کہ رات کو اوپر چھت پر اچھلنے کودنے کی آواز آتی ہے، جس سے بچے ڈرتے ہیں، اس روز جب سبق پڑھنے جن آئے تو مولانا نے ان سے شکایت کی کہ جب میں باہر جلسہ میں جاتا ہوں تو اوپر چھت پر سے دھما دھم کی آواز آتی ہے کہ ہمارے گھر کے لوگ ڈرتے ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ ہم تحقیق کریں گے کہ کن شریروں کی یہ حرکت ہے، دوسرے دن جب وہ پڑھنے آئے تو عرض کیا کہ حضرت ہم نے تحقیق کر لی، وہ ہمارے ہی بچے تھے، محبت اور عظمت کے جذبہ سے کبھی کبھی وہ اس گھر کی زیارت کو آیا کرتے ہیں، اس رات کو ہمارے چند بچے استاد کے گھر کو اپنا گھر سمجھ کر اس کی چھت پر کھیل رہے تھے، کوئی بری

نیت نہ تھی، ڈرانا مقصود نہ تھا، ہم نے ان کو ڈانٹ دیا ہے، اب کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔

مکان کے اسی نچلے حصہ میں مولانا کے وصال کے تقریباً پندرہ سال کے بعد ایک کرایہ دار رہتے تھے، ان کی بہو پر جن کا اثر تھا، ایک عامل آ کر کئی روز رہے اور علاج کرتے رہے، انہوں نے یہ کہا کہ یہ مکان ایک مولانا صاحب کا ہے، جو بہت بڑے عامل تھے، اس گھر میں ان کے خاندان کے جو لوگ رہتے ہیں ان کی حفاظت جن کرتے ہیں۔

(ان عامل صاحب کی یہ بات ممکن ہے کہ صحیح ہو کہ جن حفاظت کرتے ہوں، مگر یہ بات کہ مولانا بہت بڑے عامل تھے؛ صحیح نہیں، عمل کے ذریعہ جن ان کے مسخر یا تابع ہرگز نہ تھے، اس کو وہ ناجائز سمجھتے تھے، کسی آزاد کو غلام بنانا، ان کے نزدیک شرعاً جائز نہ تھا، باقی ان کے شاگرد مرید اور معتقد جن اگر مکان کی حفاظت کرتے ہوں تو کچھ بعید نہیں۔)

مولانا سے جن کی عقیدت مندی کا ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا کہ ایک ہندو لالہ کی لڑکی پر جن کا اثر تھا، وہ لالہ جی یوپی کے رہنے والے تھے، ہزارہا روپے خرچ کر چکے تھے اور بہت مقامات کا سفر کر کے تھک چکے تھے، اجودھیا سے گیا آئے، اجودھیا ہی میں کسی نے ان کو بتلا دیا تھا کہ گیا جانا ہو تو وہاں ایک بہت بڑے مولانا اس نام کے ہیں، ان سے ضرور ملنا، گیا پہونچ کر انہوں نے ہندوؤں سے مولانا کے بارے میں دریافت کیا، مولانا کو سب ہی جانتے تھے، انہوں نے کہا ہاں، اس نام کے مولانا صاحب فلاں جگہ رہتے ہیں، وہ لالہ جی حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا، مولانا نے عذر فرمایا کہ ''میں کوئی عامل نہیں ہوں، کسی عامل کے پاس جاؤ''، انہوں نے کہا: ''ہزارہا عاملوں فقیروں درویشوں، پنڈتوں کے پاس جا چکا ہوں اور ہزارہا روپے اس سلسلہ میں خرچ کر چکا ہوں''، بالآخر ان کے اصرار سے مجبور ہو کر مولانا ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، ابھی مکان سے باہر ہی تھے کہ اس جن نے چیخنا چلانا اور فحش فحش گالیاں لالہ جی کو دینا شروع کیا کہ اس کا ایسا ہو، اس کا ویسا ہو، اتنے بڑے بزرگ کو بلا کر لے آیا، میں تو جا رہا ہوں، مجھ کو ناحق تنگ کرتا ہے، مولانا باہر ہی سے کھڑے کھڑے اس کی باتیں سنتے رہے، پھر زور سے پکار کر فرمایا کہ ''جانا ہے تو چلے جاؤ ورنہ میں جاتا ہوں''۔

اس نے رو کر کہا کہ ''مولانا صاحب آپ خفا ہو کر نہ جایئے، میں تباہ ہو جاؤں گا، میں جا رہا

ہوں''؛ چنانچہ وہ چلا گیا، مولانا واپس تشریف لے آئے، پیچھے سے وہ لالہ جی ایک بڑی رقم لے کر حاضر ہوئے اور پیش کرنا چاہا، مگر مولانا نے سختی سے انکار کر دیا۔

جسمانی طاقت

روحانی طاقت کے ساتھ جسمانی طاقت میں بھی مولانا اپنی نظیر آپ تھے، ایک دن دوپہر کو درس سے فارغ ہوکر مدرسہ سے نیچے سڑک پر اترے نیچے، ایک شریر پہلوان پہلے سے منتظر کھڑا تھا، وہ معانقہ کے بہانہ مولانا سے لپٹ گیا، مولانا اس کی نیت بد کو سمجھ گئے اور اپنے جسم کو ڈھیلا کر کے اس کو موقع دیا، اس نے مولانا کو بھرپور دبایا، یہاں تک کہ پسینہ پسینہ ہوگیا، مگر مولانا پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، اس کے بعد اب مولانا نے اپنے جسم کو کسنا شروع کیا، ابھی تھوڑا سا ہی دبایا تھا کہ اس پہلوان کی ریح نکل گئی، تھوڑا سا اور دبایا تو چیخنے لگا کہ مرا مرا، میری ہڈی پسلی ٹوٹی خدا کے لئے چھوڑ دیئے، میں معافی چاہتا ہوں، تب مولانا نے یہ کہتے ہوئے چھوڑا کہ پھر ایسی حرکت کسی کے ساتھ نہ کرنا، یہ واقعہ مولانا خیرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

دوسرا واقعہ اور یہ پیش آیا کہ کچھ نوجوان پہلوان جو اکھاڑہ میں کشتی کی مشق کرتے تھے، مولانا کے پاس آکر اپنی طاقت جسمانی کا مظاہرہ شرارت اور مولانا کو مرعوب کرنے کی نیت سے کرنے لگے، مولانا اس وقت چمڑے کی جائے نماز پر کھڑے تھے اور نماز کے لئے نیت باندھنا ہی چاہتے تھے، مولانا نے فرمایا کہ تم کو بہت طاقت ہے، میں اس جائے نماز پر کھڑا ہوں، تم لوگ مل کر اس جائے نماز کو میرے پیر کے نیچے سے کھینچ لو؛ چنانچہ کئی آدمیوں نے مل کر اس جائے نماز کو کھینچا، مگر مولانا ٹس سے مس نہ ہوئے، مولانا کو جنبش تک نہ ہوئی، یہاں تک کہ وہ چمڑے کی جائے نماز پھٹ گئی۔

گھریلو زندگی

انگریز سے نفرت اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ روپیہ پیسہ کو جیب یا بکس میں نہیں رکھتے تھے، اِس طاق میں اُس طاق میں جہاں چاہا روپے پیسے ڈال دیئے، گھریلو تربیت ایسی تھی کہ گھر کا کوئی فرد حتی کہ کوئی بچہ بھی طمع نہیں رکھتا تھا، ایک پیسہ بھی کوئی اٹھالے یا کوئی چیز بھی کوئی

غائب کردے، اس کا تصور بھی گھر میں نہ تھا۔

باہر سے جب گھر تشریف لاتے تو بلند آواز سے سلام کرتے، گھر والے جواب دیتے، جب گھر سے جانے لگتے تو سلام کر کے گھر سے نکلتے، گھر میں جب تک رہتے تمام گھر والوں کی دینی تعلیم وتربیت میں مشغول رہتے، اپنی بڑی صاحبزادی کو تو بخاری تک پڑھایا، رات کے وقت گھر کے لوگوں کو جمع کر کے دینی معلومات پر تقریر فرمایا کرتے، حدیث کی کتابیں سناتے، سیرت اور تاریخ اسلام، فتوح الشام وغیرہ سنانے کا سلسلہ جاری فرماتے، تعلیم کے ساتھ تربیت کا اہتمام بہت زیادہ تھا، کوئی بچہ رو رہا ہے، اس کی ماں نے حسب دستور عام اس کو یہ کہہ کر چُپ کرنے کی کوشش کی، چُپ ہوجا بیٹا، میٹھائی دوں گی، یہ سُن کر فوراً فرماتے: ''کیا واقعی مٹھائی دوگی، جھوٹے بہلاووں سے بچہ کو جھوٹ کی تعلیم مت دو، فوراً مٹھائی منگواؤ اور جب وہ چپ ہوجائے تو اس کو دو''، بچہ مٹھائی کے نام سے چپ ہی ہوجاتا تھا، چوں کہ اس کے تجربہ میں یہ بات آچکی ہوتی کہ مٹھائی کا وعدہ پورا ضرور ہوگا اور چپ ہوجاؤں گا تو مٹھائی ضرور ملے گی۔

جذبۂ وحدانیت مولانا کے اندر غلبۂ حال کے درجہ میں تھا اور یہی جذبہ گھر کے سب لوگوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے، کبھی غلطی سے کسی کے منہ سے یہ لفظ نکل گیا کہ ''جلی روٹی کھائی تھی اس سے پیٹ میں درد ہوگیا''، فوراً بہت ہی افسوس کے لہجہ میں فرماتے کہ ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ! جلی روٹی سے پیٹ میں درد ہوگیا؟ لاؤ جلی روٹی مجھ کو دو میں کھاؤں، دیکھوں تو جلی روٹی سے کیسے پیٹ میں درد ہوتا ہے، یہ کہو! اللہ کے حکم سے پیٹ میں درد ہوگیا، جلی روٹی کی مجال ہے کہ وہ پیٹ میں درد کردے، جب تک اللہ کا حکم نہ ہو''۔

گھر کے لوگوں سے پردہ کا بڑا اہتمام کراتے حتیٰ کہ ان کے یہاں آواز کا بھی پردہ تھا، گھر کی مستورات کی آواز باہر دروازہ تک بھی نہیں پہونچ سکتی تھی، سوائے محرم کے سب غیر محرم رشتہ داروں سے بھی پردہ تھا، کوئی غیر محرم چاہے کتنا ہی عزیز وقریب کیوں نہ ہو، گھر کے اندر نہیں جاسکتا تھا اور نہ باہر سے ہی بلاواسطہ بات چیت کرسکتا تھا، غیر محرم رشتہ دار آتے، باہر ٹھہرتے جو کچھ کہنا ہوتا کسی ذریعہ سے کہلواتے اور کسی ذریعہ ہی سے اندر سے بھی جواب آجاتا، یا کچھ کہنا یا پوچھنا ہوتا تو کہلوایا یا پوچھوایا جاتا۔

غیرمحرم مردوں کے علاوہ باہر بے پردہ پھرنے والی عورتوں کو بھی اندر آنے کی اجازت نہ تھی، دودھ بیچنے والی گوالن، سبزی ترکاری یا گوشت بیچنے والی یا پھل بیچنے والی عورت باہر ہی سے سودا کرتی، اندر گھسنے کی مجال نہ تھی، فرمایا کرتے کہ:

''ایسی عورتیں بھی مردوں کے حکم میں ہیں''

مدرسہ کے طلبہ یا اپنے عزیز وقریب غیرمحرم رشتہ دار نابالغ قریب البلوغ (مراہق) ہوتے ہی گھر کے اندر آنے سے روک دیئے جاتے۔

مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جاڑوں کے شروع ہوتے ہی بادام، اخروٹ، چلغوزہ، کشمش، پستہ وغیرہ میوہ جات خرید کر لاتے اور گھڑے میں بھروادیتے، پھر اسی میں سے روزانہ علی الصباح ایک ایک مٹھی گھر کے ہر ایک بچہ کو دیتے، دیتے وقت پوچھتے: یہ کہاں سے آیا ہے، کس نے دیا ہے؟ بچوں کی تربیت کچھ اس طرح پر فرمائی تھی کہ وہ کہتے کہ اللہ نے دیا ہے اور اگر کسی دن کسی بچہ نے غلطی سے یہ کہہ دیا کہ آپ لائے ہیں تو اس کو اس دن نہ دیتے۔

بچپن سے گھر کے ہر فرد میں صرف اللہ سے تعلق پیدا کرانے اور اسباب سے کٹ کر صرف مسبب الاسباب سے جڑنے اور مئے توحید کے نشہ میں ہمہ دم سرشار رہنے کی مشق ہر وقت کراتے رہتے تھے۔

مولانا کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ:

> ''بچوں کو ہر وقت اللہ اللہ کرنے اور فضول باتوں سے بچنے کی بھی ہر وقت عادت ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، گھر کے اندرونی زینے سے نچلے حصہ میں جاتے وقت کسی چھوٹے بچہ کی انگلی پکڑ لیتے، آہستہ آہستہ اس کو لے کر اُتارتے اور ہر سیڑھی پر قدم رکھتے وقت اللہ کہتے اور اس بچہ سے بھی اللہ کہلواتے، اسی طرح نیچے سے اوپر چڑھتے وقت بھی کسی بچہ کا ہاتھ پکڑ کر ایک ایک سیڑھی پر آہستہ آہستہ چڑھتے اور ہر سیڑھی پر اللہ کہتے اور وہ بچہ بھی ساتھ ساتھ اللہ، اللہ کہتا جاتا''

مولانا کی تربیت یہ بھی تھی کہ بچپن ہی سے گھر کے لوگوں میں اعلیٰ اخلاق، سیر چشمی اور استغناء

کا مادہ پیدا ہو، مولانا کی بڑی صاحبزادی کے یہاں کہیں سے حصّہ آیا ان کا بڑا لڑکا جو اس وقت تقریباً تین سال کا تھا، حصّہ لانے والی دائی کے قریب چلا گیا اور جو چیز آئی تھی اس کو دیکھنے لگا، یہ بات اس گھر کی تربیت کے خلاف تھی؛ کیوں کہ اس سے بچوں میں چھچھوراپن پیدا ہوتا ہے، بچہ کی والدہ محترمہ نے زور سے ایک طمانچہ بچہ کو مارا، بچہ بہت کمزور تھا، بے ہوش ہو گیا، مولانا کو خبر ہوئی باہر سے اندر تشریف لائے اور اس بے ہوش نواسہ کو گود میں اٹھا لیا اور ہوش میں لانے کا علاج بعد میں کیا پہلے جلدی سے صدقہ کیا۔

مولانا گھر کے بچوں کو گڈی (پتنگ) لوٹنے نہ دیتے اور اس کو حرام کہتے اور کبھی کسی کا پتنگ گھر میں آکر خود سے گرتا تو یہ جان کر کہ مولانا لوٹنے اور رکھنے کو حرام فرماتے ہیں، پتنگ کے مالک پہونچ جاتے اور مولانا پتنگ مع ڈور کے ان کو دلوا دیتے۔

غیر شرعی امور سے بیزاری

گیا کے ایک بہت بڑے رئیس نے علماء کی دعوت کی، مولانا بھی مدعو تھے، سب علماء پہونچ چکے تھے، مولانا سب کے بعد پہونچے اور اس کمرہ میں جہاں نشست مقرر تھی اور مہمانانِ کرام پہلے سے اس میں تشریف فرما تھے، مولانا نے اس میں ایک قدم رکھا ہی تھا کہ ایک تصویر پر نظر پڑ گئی، جو اوپر آویزاں تھی فوراً ''لاَ حَوْلَ وَ لاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ'' پڑھتے ہوئے قدم باہر کو کھینچ کر واپس ہو گئے، حاضرینِ مجلس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کس بات پر خفگی ہوئی، ایک صاحب سمجھ گئے انہوں نے سب کو متوجہ کیا کہ کمرہ میں جو تصویر لگی ہے، مولانا کی خفگی اور بے زاری کا سبب وہی ہے، مولانا اس مکان میں نہیں داخل ہوا کرتے جس میں تصویر ہو۔

جب صاحب خانہ کو اس وجہ سے مولانا کی واپسی کا علم ہوا تو ننگے سر ننگے پیر دوڑے اور بڑی لجاجت سے مولانا کو روکا، مولانا نے فرمایا کہ'' آپ نے ہماری نشست ایسے کمرہ میں مقرر کی ہے، جس میں تصویر لگی ہے''، انہوں نے عرض کیا: حضرت واپس تشریف لے چلیں، میں ابھی اس تصویر کو چُور کر پھینک دیتا ہوں، چنانچہ مولانا واپس تشریف لائے اور ابھی کمرہ سے باہر ہی تھے کہ ان رئیس میزبان نے نہایت بیش قیمت تصویر اور اس کے فریم کو ریزہ ریزہ کر کے پھینک دیا، وہ

فریم دیوار میں کچھ اس طرح ملا کر لگا یا گیا تھا کہ بغیر توڑے نکل نہیں سکتا تھا، جب اس بت کو وہاں سے ہٹالیا گیا تب خدائے واحد کا پرستار اس کمرہ میں داخل ہوا۔

معاملات میں احتیاط

سودے کی خریداری کے وقت طے شدہ مقدار کے لے لینے کے بعد منگنی کے نام کچھ اور مانگنے کا جو دستور ہے، اس کو مولانا سختی سے روکتے اور فرماتے کہ:

''یہ منگنی شرط کے درجہ میں ہوتو بیع ہی فاسد ہے اور بے جا جبر ہے، جو بالکل حرام ہے ورنہ کم از کم بلاعوض چیز کا طلب کرنا نہایت شرمناک سوال اور ذلت آمیز چھچھورا پن ہے''

مولانا گوشت خریدنے جاتے تو سیر دو سیر والی بات نہیں کرتے کہ اس میں کم وزن کرنے کے گناہ میں بیچنے والا مبتلا ہو، یا وزن سے زیادہ لینے کے احسان کا بار خریدنے والے کی گردن پر پڑے، دکان میں پہونچے، پوری ایک ران یا دو رانیں یا سینہ کا پورا حصہ اٹھالیا اور اس کا دام طے کر لیا، اس پوری ران کو یا ان دونوں رانوں کو یا اس سینہ والے نچلے حصہ کو کتنے دام میں دیتے ہو، بس جو دام طے ہوتا ادا کر کے وہ حصہ لے لیتے، خریدنے کے بعد مزید بوٹی دو بوٹی قبول نہ کرتے، اگر بیچنے والا طے شدہ دام کے لیتے وقت یہ کہتا کہ ''دام تو یہی ہیں، مگر مولانا صاحب آپ کی وجہ سے چار آنے کم کر دیتا ہوں، آپ چار آنے کم دیجئے''، مولانا فرماتے: ''تمہارے نزدیک میری قیمت ایک چونّی بھر ہے؟ میری وجہ سے کیوں چار آنے کم کرتے ہو، جو طے شدہ دام ہے، وہی لو' اور زبردستی اس کو طے شدہ دام ہی دیتے، رعایت قبول نہ کرتے۔

بغض فی اللہ

حضور ﷺ نے ایمان کی علامت بتلائی ہے کہ مؤمن کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اللہ کے لئے ، بغض ہوتا ہے تو اللہ کے لئے، اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں ہوتا، مولانا کو اپنے نفس کے لئے کبھی کسی پر غصہ نہیں آتا تھا، آپ پڑھ چکے کہ جو ان سے جتنی سختی کرتا وہ اتنی ہی نرمی کرتے اور یہی شان تھی رسالت مآب ﷺ کی اور یہی اسوہ ہے رسول اللہ ﷺ کا۔

مولانا کو اگر کبھی غصہ آتا تھا تو صرف خلاف شریعت امور پر، اور جب معیار شریعت سے گری ہوئی کسی بات کا ارتکاب کسی سے ہوتے دیکھتے تو اس وقت غصہ کا رنگ اس طرح نہ ہوتا کہ گالیاں بکنے لگ جائیں، برا بھلا کہنے لگ جائیں، ایسے کلمات منہ سے نکالیں، جس سے اصلاح کی بجائے نفرت اور ضد پیدا ہو، نہیں، بس نہایت بے چینی اور ہمدردی کے جذبہ سے صرف یہی منہ سے نکلتا ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، ایسی بات ہے، یا ایسا کرر ہے ہو، آپ پڑھ چکے کہ کسی کے منہ سے نکلا جلی ہوئی روٹی کھائی تھی اسی سے پیٹ میں درد ہو گیا، اس پر ان کی غیرت وحدانیت کو جوش آیا اور بے ساختہ فرمایا:

> ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ! جلی روٹی کھائی تھی، اس سے پیٹ میں درد ہوا، لاؤ مجھ کو دو، جلی روٹی کھاؤں دیکھوں تو کیسے پیٹ میں درد ہوتا ہے؟ یہ کہو اللہ کے حکم سے پیٹ میں درد ہوا، جلی روٹی کی مجال ہے کہ بغیر خدا کے حکم کے پیٹ میں درد پیدا کر دے''

قرآن پاک میں صابرین کی شان حق تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، ایمان کا کتنا بڑا اونچا مقام ہے کہ مؤمن کو خلاف شریعت یا معیار وحدانیت سے گری ہوئی بات کو دیکھ کر یا سن کر مصیبت؛ بلکہ مصیبت عظمی محسوس ہو اور بے ساختہ منہ سے نکلے،''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، مولانا اس کو ایسے پُر درد لہجہ میں کہتے کہ سننے والے کا پتھر جیسا دل بھی پانی پانی ہو جاتا، اور مجرم تو بحرِ ندامت میں غرق ہو کر ہمیشہ کے لئے اس فعل یا قول سے توبہ ہی کر لیتا۔

مولانا کی بڑی صاحبزادی مرحومہ اور چھوٹے داماد مولانا عبدالرافع مرحوم کو بھی ایسے مواقع پر اسی لہجہ سے''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، پڑھتے ہوئے سنا ہے، یہ مولانا کی اعلیٰ تربیت کا اثر تھا، جو ان کے صحبت یافتہ لوگوں میں پایا جاتا تھا۔

حسن تربیت کا عجیب اثر

مولانا کے زمانہ میں گیا میں کوئی مسلمان حجام نہیں تھا، ایک ہندو حجام ہمیشہ مولانا کی یہ

خدمت بڑی عقیدت سے انجام دیا کرتا تھا، مولانا کے وصال کے بعد بھی ہم تمام لوگ اسی سے یہ خدمت لیتے تھے، جب بھی وہ حجامت بنانا شروع کرتا تو پہلے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوتا، پھر **لا إله إلا الله محمد رسول الله** کہتے ہوئے استرا چلاتا اور سنت کے مطابق پہلے داہنی طرف استرا یا قینچی چلاتا، پھر بائیں طرف، ناخن کاٹتا تو سنت کے مطابق پہلے داہنے ہاتھ کے انگشت شہادت کو لیتا پھر بیچ والی انگلی کو پھر اس کے بعد والی کو پھر چھوٹی انگلی کو، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو، پھر اس کے بعد والی پھر درمیانی پھر انگشت شہادت، پھر انگوٹھا، پھر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کرتا، پیر کے ناخن اس طرح کاٹتا کہ داہنے پیر کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک لاتا، پھر بائیں پیر کے انگوٹھے سے شروع کر کے چھوٹی انگلی پر ختم کرتا اور ہر حجامت کے وقت یہی کہتا کہ مولانا صاحب نے ہم کو اسی طرح سکھایا ہے، اس تربیت کے قبول کرنے کی برکت یہ ہوئی کہ اس کا لڑکا کھلم کھلا مسلمان ہو گیا، اس کا نام عبدالرحمن رکھا گیا، بہت صالح اور نماز باجماعت کا پابند تھا، عبدالرحمن مرحوم کا لڑکا عبدالرزاق آج موجود ہے، جو صالح اور شریعت کا پابند ہے۔

سفر حج وزیارت

مولانا نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو یہاں کے غیر شرعی ماحول سے بیزاری کی وجہ سے پھر نہ آنے کا خیال تھا، شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کی مسجد میں مولانا نماز پڑھاتے تھے، گیا کے رئیس بھی تھے اور بزرگ بھی تھے، ان کو مولانا کے اس خیال کی خبر ہوگئی تھی، جب مولانا ان سے ملنے گئے تو رخصت کے وقت مولوی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''وہاں کے خدا سے میرا سلام کہہ دیجئے گا''، مولانا نے فرمایا کہ ''کیا وہاں کا خدا کوئی اور ہے؟'' اس پر انہوں نے فرمایا کہ ''ہاں میں نے سنا ہے کہ آپ یہاں سے تنگ آ کر وہیں رہنے کا خیال فرما رہے ہیں تو شاید وہاں کا خدا کوئی اور ہوگا'' شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا اثر مولانا کے قلب پر بہت پڑا، اور وہ خیال اسی وقت دل سے نکل گیا، مولانا اپنی اہلیہ اور بڑی صاحبزادی کے ساتھ حج کو گئے، بڑی صاحبزادی اس وقت تقریباً تین سال کی تھیں۔

شرف بیعت اور ریاضت ومجاہدہ

مکہ معظّمہ پہونچ کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت اور ذکر وشغل کی تلقین حاصل کی، حج وزیارت سے فراغت کے بعد مکہ معظّمہ میں قیام کیا اور کچھ عرصہ وہیں قیام کر کے اپنے پیرو مرشد کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گذارنے اور ریاضات ومجاہدات اور ذکر وشغل میں شبانہ یوم محنت میں لگے رہے، معاشی تنگی سے مجبور ہو کر کھجوروں کی تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا، اور ذکر اللہ کی لذت اور صحبت شیخ کامل کی حلاوت میں کچھ ایسے کھوئے کہ پھر وہیں قیام کا شوق دل میں موجزن ہوا اور واپسی سے دل ہٹنے لگا، سلوک راہ معرفت میں تکمیل کے بعد شیخ کامل حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت وخلافت سے نوازا اور ایک تحریری اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا، جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دستخط بھی فرمائے اور اپنی مہر بھی لگائی۔

اس میں تحریر فرمایا کہ:

> ''مولانا عبدالغفار صاحب میرے پاس آئے، بیعت کے بعد عرصہ تک سلوک میں محنت شاقّہ اور مجاہدات وریاضات کرتے رہے، یہاں تک کہ درجۂ احسان میں ان کو ملکۂ راسخہ حاصل ہو گیا، میں ان کو اجازت دیتا ہوں کہ جب کوئی اللہ کا طالب ان سے بیعتِ سلوک کا خواہش مند ہو تو یہ اس کو بیعت کر کے سلوک کی تعلیم جاری کریں''

اس میں ان کی بہت تعریف لکھی ہے اور پھر اخیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ''یہ یہیں رہنا چاہتے تھے، مگر میں نے ان سے کہا کہ یہاں ان کا رہنا دینی حیثیت سے اتنا مفید نہیں ہے، یہ ہندوستان جا کر وہیں دین کی خدمت کریں، وہاں ان کی شدید ضرورت ہے''

پیرومرشد کے حکم سے مولانا پھر عازم ہندوستان ہو کر گیا پہونچے اور اپنے مدرسہ میں تازندگی درس وتدریس اور عامۃ الناس میں وعظ وتبلیغ واصلاح اور انذار وتبشیر کو جاری رکھا اور طالبین راہ سلوک کو بیعت وارشاد اور تلقین وتعلیم علوم باطنی سے سرفراز فرماتے رہے۔

علوم ظاہری میں مولانا کے شاگردوں کی اتنی کثیر تعداد ہوئی کہ ان کا گننا مشکل ہے، اسی طرح علوم باطنی میں استفادہ کرنے والوں کی تعداد بھی کم نہ تھی بکثرت انسان اور جنات بیعت وارشادوتلقین سے شرف یاب ہوئے۔

قیام مکہ معظّمہ کے زمانہ میں ایک پریشان کن واقعہ پیش آیا کہ مولانا کی بڑی صاحبزادی— جو تین سال کی تھیں،— حرم شریف سے گم ہوگئیں، مولانا نے بہت تلاش کیا، مگر کہیں پتہ نہیں چلا، آخر تھک کر پریشانی کے عالم میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ شیخ کی صحبت میں بیٹھ کر کچھ بارِ غم ہلکا ہوکر دل کی پریشانی میں کمی ہوگی، اس زمانہ میں وہاں قاعدہ یہ تھا کہ ہندوستانیوں کی گم شدہ چیز کسی کو ملتی تو وہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہونچا دیتا، وہاں سے بہ آسانی وہ چیز جس کی ہوتی اس کو مل جاتی، خدام حرم شریف نے صاحبزادی صاحبہ کو ہندوستانی وضع قطع کی وجہ سے ہندوستانی سمجھ کر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہونچا دیا تھا، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی مرتبہ مولانا کے ساتھ ان کو دیکھ چکے تھے، پہچانتے تھے، گود میں لے کر دیر تک پیار کرتے رہے، پھر اندر زنان خانہ میں بھیج دیا، مولانا پریشانی کے عالم میں حاضر ہوئے اور سارا حال حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کرکے دعا کی درخواست کی، فرمایا: ’’حلوہ کھلاؤ تو دعا کروں گا‘‘ مولانا نے عرض کیا: ’’بہت اچھا ابھی لاتا ہوں‘‘، فرمایا: جاؤ، فلاں دکان سے لے آؤ اور زیادہ مت لانا —ایک چھٹانک یا آدھ پاؤ کی مقدار بتلا کر فرمایا کہ ’’زیادہ لاؤ گے تو واپس کردوں گا، بس اتنا ہی لانا‘‘، مولانا اس دکان کی طرف حلوہ لانے گئے، ادھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادی کو اندر سے منگا کر گود میں پیار کرتے رہے اور بہلاتے رہے، جب مولانا حلوہ لے کر واپس آئے تو فرمایا کہ ’’اس بچی کو پہچانتے ہو؟‘‘ اور حلوہ مولانا کے ہاتھ سے لے کر بچی کو دیا اور فرمایا: ’’میں نے قبول کیا اور اب اپنی طرف سے یہ حلوہ بچی کو دے رہا ہوں‘‘، مولانا پیر کے گھر سے بامراد لوٹے۔

علوم تکوینیہ سے مولانا کا تعلق

مولانا جس طرح علوم تشریعیہ فقہ وحدیث اور قرآن کے ماہر تھے اور ان راہوں میں ان کا

فیض عام شبانہ یوم جاری تھا، اسی طرح علوم تکوینیہ انتظامیہ سے بھی مولانا کا تعلق تھا اور عالم تکوینیات کے کارکنوں کا مولانا سے ملنا اور مشورہ کرنا اور ان سے گہرے روابط اور تعلقات بھی وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے۔

مولانا عبدالرافع صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ

''مولانا کے گھر کا سودا میں ہی لایا کرتا تھا، سبزی ترکاری منگوانی ہوتی تو مولانا ایک خاص کنجڑے کا پتہ بتلاتے کہ وہیں سے لینا، اس کے یہاں اچھی ہو یا بُری، مگر اسی کے یہاں سے لینا اور اس کنجڑے کا حال یہ تھا کہ بہت کم خریدار اس کے یہاں جاتے تھے، پرانی، سڑی، مرجھائی، خراب ترکاریاں اس کی دکان میں ہوتیں، مگر مولانا کی تاکید کی وجہ سے اسی کے یہاں سے خریدتا، ایک دن میں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت اُسی کنجڑے کی کیا خصوصیت ہے؟ سڑی سڑی ترکاریاں رکھتا ہے، کوئی گاہک اس کی دکان کا رخ نہیں کرتا ہے، اجازت عنایت فرمائیں کہ جہاں سے اچھی ترکاریاں ملیں وہیں سے خریدوں؟ مولانا خفا ہو گئے اور فرمایا کہ ''میں کہتا ہوں کہ وہیں سے خریدا کرو، چاہے جیسی بھی ملیں، میں چپ ہو گیا، اس کنجڑے کو دیکھتا تھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر دکان میں بیٹھا کچھ زیرلب پڑھا کرتا، ہر وقت لب ہلتے رہتے، ڈاڑھی بھی شرعی تھی، نماز کا نور چہرہ پر تھا، وہ ایسا مطمئن بیٹھا رہتا کہ جیسے اس کو اس کی کچھ فکر نہیں کہ سودا بکے گا کہ نہیں اور گاہک آئیں گے کہ نہیں۔

ایک دن مولانا کی مجلس میں علوم تکوینیہ کا ذکر چھڑ گیا، مولانا نے فرمایا کہ ''اصل مفید علوم، علوم دینیہ شرعیہ ہی ہیں، عمل کے لئے انہیں علوم کی ضرورت ہے اور علوم شرعیہ دینیہ کے ماہرین ہی قابل تقلید ہیں اپنا پیشوا اسی کو بنانا چاہئے، جو شریعت کا ماہر اور سنت کا پیرو ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام علوم شرعیہ کے ماہر تھے، تشریعی نبی تھے،

مگر تکوینیات کا علم ان کو نہ تھا، جب اللہ کے حکم سے وہ خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہے اوران سے ایسی باتیں صادر ہوتے دیکھیں، جو بظاہر شریعت کے خلاف تھیں تو باوجود اس عہد و پیمان کے کہ وہ ان کی کسی بات پر اعتراض کبھی نہ کریں گے، ہر مرتبہ اعتراض کیا، نبی اور نبی کے متبعین کی شان یہ ہے کہ شریعت کے خلاف امور پر نکیر کریں، یہ واقعہ پندرویں پارہ کے اخیر سے شروع ہوکر سولہویں پارہ کے شروع میں ختم ہوا ہے، تین امور حضرت خضر علیہ السلام سے ان کو خلاف شریعت ہوتے ہوئے سمجھ میں آئے، پہلی مرتبہ حضرت موسی علیہ السلام نے اعتراض کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے نرمی سے فرمایا کہ ’’میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہیں ہوگا؟‘‘ اس پر موسی علیہ السلام نے اپنے نسیان کا عذر کیا اور فرمایا بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے، میں نے بھول سے یہ اعتراض کیا، پھر جب دوسری مرتبہ بھی اعتراض کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے بگڑ کر کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کو میرے ساتھ صبر نہیں ہوگا، اس مرتبہ موسی علیہ السلام نے کوئی عذر نہیں کیا؛ بلکہ یہ کہا کہ اگر آئندہ پھر اعتراض کروں تو اپنے ساتھ مجھ کو نہ رکھئے گا اور مفسرین لکھتے ہیں کہ دوسرے واقعہ کے بعد ہی موسی علیہ السلام نے سمجھ لیا تھا کہ یہ علوم ہمارے کام کے نہیں ہیں، ان میں وقت لگانا بے کار ہے، چنانچہ تیسری دفعہ بھی اعتراض کرہی دیا اور پھر علحدگی پیش آگئی، رخصت کے وقت وہ تینوں امور جو بظاہر موسیٰ علیہ السلام کو خلاف شریعت معلوم ہوئے تھے حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی وجہ بتلادی اور یہ ظاہر کیا کہ ہم بھی اپنے جی سے کچھ نہیں کرتے اللہ کے حکم سے یہ تینوں کام کئے اور فلاں کام میں اللہ کی فلاں انتظامی مصلحت تھی اور فلاں کام میں فلاں انتظامی مصلحت تھی، ان علوم کا تعلق تکوینیات اور انتظامات عالم سے ہے، اللہ تعالیٰ کی

طرف سے عالم کے تمام انتظامات تکوینیہ کے لئے کارندے مقرر ہیں، وہی سب کچھ کرتے ہیں، وہ اس علم کی اصطلاح میں اصحاب خدمت کہلاتے ہیں''

مولانا عبدالرافع صاحب کا بیان ہے کہ ''میں نے عرض کیا کہ گیا کے انتظامی امور تو آج کل بہت خراب ہیں، آج کل یہاں کا صاحب خدمت کون ہے؟ مولانا خفا ہوئے کہ اس کو یہ بیماری ہے کہ بے فائدہ باتیں پوچھا کرتا ہے، مگر میں بہت منہ چڑھا تھا بار بار اصرار کرتا رہا کہ بتلا ہی دیجئے آخر مجبور ہو کر فرمایا کہ وہی کنجڑا ہے، جس کے یہاں سے ترکاری لانے کے لئے تم کو تاکید کرتا رہتا ہوں، اور تم ہمیشہ مجھ سے اس بارے میں حجت کرتے رہتے ہو، میں یہ سن کر حیران رہ گیا کہ اللہ غنی وہ کنجڑا اتنے درجے والا ہے، پھر مجھ کو جو شرارت سوجھی تو میں اسی وقت اس کی دکان پر گیا، گرمی کا زمانہ تھا، وہ بہت تربوز لئے بیٹھا تھا، میں نے کہا فلاں تربوز کاٹ کر دکھلا اچھا ہوگا تو لوں گا، اس نے کہا: اچھا مولوی صاحب کاٹتا ہوں، بسم اللہ کہہ کر کاٹا وہ بہت اچھا تھا، مگر میں نے شرارت سے کہا کہ بالکل خراب ہے یہ کہا دوسرا کاٹ، اس نے پھر اچھا کہا اور بسم اللہ کہہ کر دوسرا کاٹا وہ بھی اچھا تھا، مگر پھر میں نے شرارت کہا کہ بالکل خراب ہے یہ کہہ کر تیسرا کٹوایا پھر چوتھا کٹوایا، یہاں تک کہ اس کی دکان میں جتنے تربوز تھے سب کٹوا دیئے اور اخیر میں یہ کہتا ہوا چلا آیا کہ کبھی کوئی چیز اچھی نہیں رکھتا، وہ خفا ہونے کے بجائے معافی مانگنے لگا کہ آپ کو کوئی تربوز پسند نہ آیا آپ کو بہت تکلیف ہوئی، معاف فرمادیجئے، میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب قصہ کہہ سنایا کہ اس کے ساتھ یہ شرارت کر کے آیا ہوں، اتنا سیدھا ہے، اسی وجہ سے تو شہر کا انتظام سب خراب ہو رہا ہے، مولانا یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور فوراً اس کنجڑے کی دکان پر خود سے تشریف لے گئے اور تمام کٹے ہوئے تربوز وزن کرائے قیمت جوڑ کر اس کنجڑے کو دی، پھر مزدور پر وہ تربوز لدوا کر مدرسہ میں لائے اور طلبہ میں تقسیم کر دیئے، یہ صاحب خدمت تو ایسا تھا کہ نہایت دین دار، متشرع، نیک اور سیدھا تھا''۔

ایک غیر متشرع ننگا پھرنے والا بھی دیکھنے میں آیا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن مولانا نے مدرسہ میں عشاء کے بعد تشریف لا کر مجھ سے فرمایا کہ عبدالرافع صبح مجھ کو روہ جانا ہے، نوادہ کی

گاڑی بہت سویرے جاتی ہے، صبح صادق سے پہلے روانہ ہوتی ہے، تم گاڑی کی روانگی کے وقت سے ایک گھنٹہ پہلے گھر آ کر مجھ کو لے لینا اور اسٹیشن تک پہنچا دینا، جاڑوں کا موسم تھا، گاڑی اس زمانہ میں صبح صادق سے پہلے چھوٹتی تھی، روہ نوادہ سے دس میل مشرق میں واقع ہے، روہ میں مولانا کی منجھلی صاحبزادی کی شادی ہوئی تھی، مولانا حافظ فریدالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا کے داماد تھے، اپنی صاحبزادی اور داماد سے ملنے مولانا کو روہ جانا تھا، یہ تاکید کر کے مولانا گھر چلے گئے، میں نے اچھا بھی کہہ دیا، مگر اتنے سویرے کون اٹھتا ہے، میں بے خبر سو رہا تھا کہ مولانا نے تشریف لا کر دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھ کو بیدار کیا، میں جلدی جلدی تیار ہو کر مولانا کے ساتھ ہولیا، اسٹیشن کی طرف کریم گنج سے جو سڑک آتی ہے، جہاں کراسن تیل کی ٹنکی ہے، وہاں کوئی آبادی نہیں ہے، جاتے ہوئے بائیں طرف اسٹیشن کا جنگلہ، داہنی طرف تیل کی ٹنکی اور میدان اور اس میدان کے درمیان لب سڑک ایک گھنا درخت تھا، اس درخت کے قریب جب ہم پہونچے تو وہاں درخت کے نیچے ایک ننگا مادر زاد فقیر کھڑا تھا، مولانا پر جیسے ہی اس کی نظر پڑی تو آگے جو ہندو دیہاتی مسافر جا رہے تھے، ان کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑا کہ آدمی آ رہا ہے آدمی آ رہا ہے، کپڑا دے کپڑا دے، آخر جھپٹ کر ایک دیہاتی کے کندھے سے اس کی چادر کھینچ کر اس کو لنگی کی طرح لپیٹا اور پھر اسی درخت کے پاس آ گیا، جب تک مولانا بھی وہاں پہونچ گئے اور راستہ چھوڑ کر درخت کے قریب اس سے دیر تک باتیں کرتے رہے، جب باتیں ہو چکیں تو مولانا آگے بڑھے اس اثناء میں اِدھر کا آدمی اُدھر اور اُدھر کا آدمی اِدھر چلنا چھوڑ کر رک گیا اور حیرت سے تماشا دیکھتا رہا، میں بھی حیران تھا کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے، اس ننگے مادر زاد کو میں نے بار ہا اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے دیکھا تھا؛ اس لئے اور بھی حیرت ہو رہی تھی، اُدھر وہ دیہاتی جس کی چادر چھینی گئی تھی، خوف زدہ کھڑا تھا، مولانا جوں ہی تھوڑا سا آگے بڑھے، وہ بکتا اور بڑبڑاتا ہوا اس دیہاتی کی طرف جھپٹا کہ آدمی گیا آدمی گیا، لے اپنی چادر لے اپنی چادر اور وہ چادر اس کے کندھے پر پھینک ماری، وہ خوشی خوشی اپنی چادر پا کر اسٹیشن کی طرف چل دیا، ٹکٹ لے کر مولانا کو گاڑی میں بٹھا چکا اور گاڑی چھوٹنے کے قریب ہوئی تو ڈرتے ڈرتے میں نے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس پاگل نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ آدمی آیا آدمی آیا اور پھر کپڑا اپنے ننگے جسم پر لپیٹا اور پھر جب آپ

آگے بڑھے تو اس نے کہا کہ آدمی گیا آدمی گیا اور وہ کپڑا جس سے لیا تھا، اس کو واپس کر کے پھر ننگا ہو گیا، تو کیا آدمی آپ ہی ہیں اور اتنے جو چلتے پھرتے ہیں وہ آدمی نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ اتنی دیر تک اس کی اور آپ کی کیا بات چیت ہوتی رہی؟ یہ سن کر مولانا خفا ہو گئے اور ایسے خفا ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے خفا نہیں ہوئے تھے، آنکھیں سرخ کر کے کہا کہ ''ہر بات پوچھنے کی نہیں ہوتی ہے، نہ ہر بات کہنے کی ہوتی ہیں، تمہاری بہت بری عادت ہے، میں ڈر کر خاموش ہو گیا اور آگے اصرار نہیں کیا، وہ عقدہ آج تک نہیں کھل سکا کہ کیا تھا؟''۔

ایثار وسخاوت

حضرت مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہی فیاض اور سخی تھے، جو شخص بھی آپ کے پاس کچھ مانگنے جاتا، یا آپ کسی کو ضرورت مند محسوس کرتے تو حتی الامکان اس کی ضرورت اور اس کے سوال کو پورا کرنے کی کوشش کرتے، جو کچھ رقم طاق میں یا کسی بوریئے کے نیچے رکھی ہوتی تو وہ سب نکال کر دے دیتے۔

ایسا بھی ہوتا تھا کہ مدرسہ سے یا کہیں سے گھر آرہے ہیں، راستہ میں کوئی ننگا شخص مل جاتا اور کپڑے کا سوال کرتا تو مولانا اس کو اپنی چادر دیتے، کبھی اپنا کرتہ اتار کر دیدیتے اور خود بغیر کرتہ کے برہنہ گھر چلے آتے۔

ایک مرتبہ گھر آرہے تھے، رات کا وقت تھا، جاڑوں کا موسم تھا اور ایک شخص کو دیکھا کہ گلی میں ننگا پڑا سردی کی تکلیف اٹھا رہا ہے، پہلے اس کو اپنا کرتہ اتار کر دے دیا پھر گھر آئے اور گھر سے لحاف لے جا کر اسے اوڑھا دیا۔

خدمت خلق

نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق گھر کے کام کاج میں خود بھی حصہ لیتے، ضرورت کی چیزیں بازار سے خود لاتے اور جب بازار جانے لگتے تو اسوہ نبی کی پیروی میں محلہ کے ان مجبور گھروں میں جہاں بازار سے کچھ لا کر دینے والا کوئی نہ ہوتا، پوچھتے جاتے کہ کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہو تو میں

بازار جارہا ہوں؛ چنانچہ جہاں جہاں سے جن جن چیزوں کے لانے کی فرمائش ہوتی، مولانا اپنے سامان کی خریداری کے ساتھ ان سب پڑوسیوں کی ضرورت کی چیزیں بھی خریدتے اور پھر واپس آتے ہوئے ان سب گھروں میں ان کی ضرورت کی خریدی ہوئی چیزیں پہلے پہونچاتے، پھر اپنے گھر آتے۔

ایسے ضرورت مند گھرانے مولانا کی اس بے نفسی اور بے لوث خدمت سے متاثر ہوکر شبانہ یوم مولانا کے لئے دعاء کرتے۔

سوال اور قرض سے اجتناب

گھر میں کتنی ہی تنگی کیوں نہ ہو اپنے لئے کسی سے کچھ مانگنے یا قرض لینے سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہوئے عسرت وتنگی کو کشادہ پیشانی سے برداشت کرتے، دوسروں کے سوال کو فراخ دلی کے ساتھ پورا کرتے، مگر اپنے لئے سوال کو ناجائز سمجھتے۔

ایک مرتبہ رات کو گھر تشریف لائے تو گھر میں اندھیرا تھا، وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ تیل نہیں ہے، مولانا نے فرمایا کہ تیل لانے کو میرے پاس اس وقت پیسے نہیں ہیں، مولانا کی بڑی صاحبزادی اسی مکان کے دوسرے قطعہ میں رہتی تھیں، اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ بیٹی کے یہاں سے تھوڑا سا تیل مانگ کرلے آؤں؛ تاکہ اندھیرا دور ہو، فرمایا کہ ''اپنی ذات کے لئے سوال کو میں ناجائز سمجھتا ہوں''، عرض کیا کہ وہ تو اپنی بیٹی ہے، کوئی غیر نہیں، اس کی چیز ہمارے چیز ہے، فرمایا: '' نہیں، ''اَلسُّؤَالُ ذُلٌّ'' (سوال ذلت کی چیز ہے) عرض کیا: اچھا قرض لے آؤ، جب گھر میں تیل آئے گا تو اتنا تیل واپس کردونگی، فرمایا: ''قرض لینا بھی اچھی چیز نہیں ہے، اندھیرے میں گذارلو'' اور اسی طرح اندھیرے میں رات گذار لی گئی، اور اس کی خبر کسی دوسرے کو تو کیا اپنے ہی مکان کے دوسرے قطعہ میں رہنے والی اپنی بیٹی کو بھی نہ ہونے دی۔

اس طرز عمل میں بھی سنت نبوی اور اسوۂ رسول کا اتباع ملحوظ خاطر تھا، کتنی ہی راتیں سرکار دوعالم ﷺ کے گھر میں اس طرح گذر گئیں کہ گھر میں تیل نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں ساری رات گذر گئی اور کسی کو اس کی اطلاع بھی ہونے نہ دی۔

جنات کی پہچان

جوجن انسانی شکل میں مولانا کی زیارت کوآ کر مصافحہ کرتے مولانا مصافحہ ہی کے وقت پہچان لیتے کہ یہ جن ہیں یا انسان، مولانا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ جن کے ہاتھ میں انگوٹھے کی جڑ میں ہڈی نہیں ہوتی، نرم نرم گوشت ہی گوشت ہوتا ہے، مولانا مصافحہ کے وقت انگوٹھے سے اس جگہ کو دبا کر پہچان لیتے اگر وہاں ہڈی ہوتی تو سمجھ لیتے کہ یہ انسان ہیں اور ہڈی نہ ہوتی تو سمجھ لیتے کہ یہ جن ہیں۔

جنات کے ہدایا اور نذرانے کبھی قبول نہ فرماتے

یوں تو مولانا عام طور سے نذرانے قبول کرنے کے عادی نہ تھے، مگر جنات کے ہدایا اور نذرانے قبول کرنے سے ہمیشہ مجتنب رہتے، وہ انسانی شکل میں آ کر کچھ پیش کرتے، مگر مصافحہ کے وقت ہی مولانا ان کو پہچان لیتے، ان کی پیش کردہ اشیاء کے قبول کرنے سے عذر فرماتے، مریدین معتقدین اور شاگردوں کی تعداد جنات میں بہت تھی، بڑی بڑی رقمیں اور بڑی بڑی بیش قیمت اشیاء وہ لا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، مگر کبھی وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے۔

جنات کا ایک واقعہ

مولانا کا گھر بن رہا تھا، جو حصہ بن چکا تھا، گھر کے لوگ اسی میں سمٹے ہوئے تھے، دوسرے حصہ میں ہاتھ لگا ہوا تھا، تعمیری سامان، بانس بلے وغیرہ اس حصہ میں رکھے ہوئے تھے، کچھ جن ایک دن مولانا سے راستہ میں ملے اور کہنے لگے کہ آپ کے گھر میں بھالے، برچھے کیوں بھرے ہوئے ہیں؟ مولانا نے اظہار ناراضگی فرمایا کہ میرے گھر میں کچھ بھی رکھا ہوا ہے تم نے میرے گھر کی تفتیش کیوں کی؟ میرے گھر میں پردہ نشیں عورتیں رہتی ہیں، تم گھر کے اندر کیوں نظر ڈالتے ہو، ان کی بے پردگی ہوتی ہوگی؟ ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم اتفاق سے اوپر سے گذر رہے تھے کہ ہم کو ایسا محسوس ہوا کہ گھر میں بھالے برچھے بھرے ہوئے ہیں اور ہم نے وہاں کے رہنے والوں پر نظر نہیں ڈالی ہے، مولانا نے فرمایا: ''وہ بھالے برچھے نہیں ہیں، تعمیری

سامان، بانس جلے ہیں، مکان کا وہ حصہ بن رہا ہے''۔

یہ بھی مولانا کی کرامت تھی کہ گھر کے بانس جلے بھی جنات کو بھالے اور برچھے نظر آئے، یہ مولانا کے گھر کی عظمت اور ہیبت اللہ کی جانب سے تھی، ان اَجِنّہ نے وعدہ کیا کہ ہم آئندہ کبھی آپ کے گھر کے اوپر سے نہیں گذریں گے اور نہ ادھر نظر ڈالیں گے، اور ہمیشہ آپ کے خاندان والوں کی حفاظت کریں گے۔

بے سروسامانی، زہد اور توکل علی اللہ

آپ کے گھر میں کھانے پینے کا کوئی سامان غلہ وغیرہ جمع نہیں رہتا تھا، جو کچھ میسر آیا صبح کو کھالیا تو شام کی خبر نہیں اور شام کو جو میسر آیا کھاپکالیا گیا تو صبح کی فکر نہیں، وقت پر جو کچھ میسر آیا کھا لیا گیا۔

اکثر ایسا ہوا کہ دوپہر کے کھانے کے لئے آٹا ہے اوسالن کا کوئی سامان نہیں، مولانا فرما گئے کہ روٹی پکا کر رکھو، کھانے کے وقت مولانا بالائی لے کر آگئے اور اسی کے ساتھ مل جل کر روٹی کھالی گئی، ایک مرتبہ گھر میں کچا گوشت، مگر آٹا نہ تھا، مولانا یہ فرما کر چلے گئے کہ گوشت پکا کر رکھو، مدرسہ سے دوپہر کو آئے تو بازار سے تنوری روٹیاں لیتے آئے اور اس گوشت کے ساتھ سب نے کھالیا، اسی طرح زندگی کی صبح وشام بسر ہوتی، بے سروسامانی توکل علی اللہ اور دنیا سے بے تعلقی کا یہی عالم زندگی بھر رہا، اس بے سروسامانی کی زندگی میں بھی نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک اور فقر وزہد وبے سروسامانی کی پیروی ملحوظ تھی۔

برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے کا جذبہ

حضور سرورکائنات ﷺ نے فرمایا:

''من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان''(۱)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، حدیث نمبر:۱۸۶، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۱۴۲، سنن النسائي، حدیث نمبر:۵۰۲۵

''تم میں سے جو شخص کسی کی برائی کو دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو اپنی زبان سے روکے اور اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو اپنے دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجہ ایمان کا ہے''

کہ کسی برائی کو مٹانے کے لئے کم از کم اپنے دل کی کراہیت کو استعمال کرے تو سب سے بڑی عزیمت تو یہ ہے کہ برائی کو ہاتھ سے مٹایا جائے، مولانا اسی عزیمت پر عمل کرنے کے عادی تھے، کسی برائی کو دیکھ کر ان سے نہیں رہا جاتا تھا ؛ بلکہ اپنے ہاتھ سے اس برائی کو ختم کر دیتے تھے۔

مولانا جا رہے ہیں، کسی رئیس کے دروازہ پر شطرنج کی محفل جمی ہوئی ہے، مولانا کی نظر پڑ گئی، پہونچے اور شطرنج کی بساط الٹ دی اور وہ محفل درہم برہم ہوگئی، راستہ میں کہیں کچھ برائی ہو رہی ہے، مولانا قریب پہونچے اور اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا، تاش لے کر پھاڑ دیا، تاڑی اور شراب کی بوتلوں کو توڑ دیا، عامۃ الناس میں انہیں والہانہ جذبات کی بنا پر مولانا کی عظمت و ہیبت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ برائی کرنے والوں کی نظر مولانا پر پڑ جائے اور پھر برائی ہوتی رہے اور نظر نہ پڑی اور مولانا نے پہونچ کر اپنے ہاتھ سے مٹایا پھر مجال نہ تھی کہ اس برائی پر برائی کرنے والے اصرار کریں، مولانا کا ادھر ہاتھ لگا اُدھر برائی کی مجلس بیخ و بن سے اکھڑ گئی، مولانا کی شخصیت علم و عمل، تقوی اور اخلاص کا عام طور پر تمام فرقوں کے لوگ احترام کرتے تھے اور ان کی بات کو مانتے تھے اور بجائے ضد، عناد اور سرکشی کے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔

مولانا کی اولاد

مولانا کی پہلی شادی تو آپ پڑھ چکے کہ گیلانی کے حضرت سید شاہ میر واعظ الحق صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی اور حضرت مولانا سید شاہ عبدالعزیز صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی بہن سے ہوئی تھی، ان سے مولانا کی چار صاحبزادیاں ہوئیں، (اَمۃ اللہ، سلیمۃ اللہ، سکینۃ اللہ، طیبۃ اللہ) سب سے بڑی صاحبزادی کا نام امۃ اللہ تھا اور منجھلی صاحبزادی کا سلیمۃ اللہ جن کی کنیت ام شکر تھی اور وہ کنیت ہی سے مشہور تھیں، سنجھلی سکینۃ اللہ ہیں اور سب سے چھوٹی طیبۃ اللہ تھیں،

بڑی صاحبزادی امۃ اللہ اور امانت اللہ کے نام سے مشہور تھیں، اور منجھلی کا عرف ام شکر تھا، سنجھلی صرف سکینہ کے نام سے مشہور ہیں اور چھوٹی کی شہرت طیبہ سے ہوئی، صرف سنجھلی صاحبزادی سکینہ اس وقت بقید حیات ہیں، باقی تینوں کا وصال ہو چکا ہے، بڑی صاحبزادی امۃ اللہ کی شادی حضرت مولانا خیر الدین صاحب حضروی کامل پوری قادری رحمۃ اللہ علیہ شاگرد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، مولانا خیر الدین صاحب گیا کیسے کیسے آئے اور یہ رشتہ کیسے کیسے طے ہوا، اس کی تفصیل خود حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات میں آپ پڑھ لیجئے، یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا سید شاہ ولایت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ رئیس دیورہ تلمیذ رشید حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے یہ رشتہ قائم ہوا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف حضرت مولانا خیر الدین صاحب کے گہرے دوست اور دیوبند و کانپور کے ہم سبق ساتھی تھے، مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی صاحبزادی اَمۃ اللہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے، عالمہ تھیں، مولانا نے ان کو بخاری تک پڑھایا تھا، یہی مولانا کے سفر حج میں ساتھ تھیں، جب کہ تین سال کی تھیں اور یہی وہ خوش نصیب تھیں، جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں کھیلی تھیں، یہی وہ بیٹی تھیں، جن میں مولانا کے کمالات روحانیہ کا بہت کچھ پرتو پایا جاتا تھا، عقائد و اعمال اور لہجہ گفتگو میں مولانا سے ان کو بہت کچھ مشابہت تھی، اللہ کی وحدانیت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، غیر اللہ کا ذکر اسباب کے درجہ میں بھی سننا گوارہ نہیں کرتی تھیں اور فوراً بول اُٹھتی تھیں کہ اللہ کو بھول گئے، جس اللہ نے اس سبب کو پیدا کیا ہے، یہ نہ ہو تو دوسرا سبب بھی وہی پیدا کر سکتا ہے، جس وقت اللہ کا لفظ وہ کہتی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ خاص انہیں کا ہے اور وہ خاص اللہ کی ہیں، اللہ اور اللہ کی اس بندی کے درمیان جو تعلق ہے وہ اصلی ہے اور ہمارا تعلق اللہ سے محض بناوٹی اور نقلی ہے، ہم بھی اللہ کہتے ہیں، مگر جس کیف سے وہ اللہ کہتی تھیں، وہ کیف ہم کہاں سے لا سکتے ہیں؟ کسی پر کوئی مصیبت آتی تو تسلی آمیز کلمات کے ساتھ یہ کہا کرتیں:

"لا تتحرک ذرۃ إلا بإذن اللّٰہ"

"اللہ کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا"

ذکر اللہ کے باب میں اکثر بخاری کی یہ حدیث پڑھا کرتیں:

" كلمتان خفيفتان على اللسان ثقيلتان على الميزان حبيبتان إلى الرحمن سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم"(۱)

'' دو کلمے جو خفیف اور ہلکے ہیں زبان پر، ثقیل اور بھاری ہیں میزان پر، محبوب اور پیارے ہیں رحمن کے نزدیک، وہ سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم ہیں''

میں ایک مرتبہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوا، جس سے بہت پریشان ہوا، فرمانے لگیں ایسے مواقع کے لئے میرے والد مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ پڑھنے کو بتلایا کرتے تھے:

"اللهم صل على سيدنا و مولانا محمد صلوة تنجينا بها من جميع الأهوال والآفات وتقضي لنا بها جميع الحاجات، وتطهرنا بها من جميع السيئات، وترفعنا بها عندك أعلى الدرجات، وتبلغنا بها اقصى الغايات، من جميع الخيرات في الحيواة وبعد الممات، إنك على كل شيئ قدير"

اوراسی کے ساتھ یہ بھی بتاتے تھے:

"ومن يتوكل على الله فهو حسبه، يا قاضي الحاجات! يا كافي المهمات! يارافع الدرجات! يا دافع البليات! يا شافي الأمراض! يا حل المشكلات! يا مجيب الدعوات! يا أرحم الراحمين!"

تم اس کو کثرت سے پڑھتے رہو، ان شاء اللہ ساری پریشانی دور ہوجائے گی، چنانچہ میں نے اس کا بکثرت ورد کیا اور ساری پریشانیاں دور ہوگئیں اور اب ہمیشہ کے لئے یہ کیمیا ہاتھ آ گئی،

(۱) صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ونضع الموازين القسط، حدیث نمبر: ۷۵۶۳

جب بھی کوئی پریشانی سامنے آئی اس کو پڑھ پڑھ کر غم کا بوجھ ہلکا کرلیا۔

جمعہ کی شب ان کے لئے شب قدر سے کم نہ تھی اور جمعہ عید سے کم نہ تھا، کمرہ کے ایک گوشہ میں کپڑا گھیر کر معتکف بنالیتیں اور پنجشنبہ عصر کے بعد سے اس میں بیٹھ جاتیں، جمعہ کی شب اور جمعہ کا دن عبادت الٰہی میں گذارتیں جمعہ کے دن اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی ہوتا۔

حزب البحر کی پابند تھیں اور ہر سال صفر میں تین مقررہ تاریخوں کا اعتکاف حزب البحر کی زکوۃ کے سلسلہ میں پابندی سے کرتیں، حتی کہ جب حج کو گئیں تو صفر کی ان تاریخوں میں مدینہ منورہ میں تھیں، وہاں بھی اپنی قیام گاہ کے ایک گوشہ میں حزب البحر کی زکوۃ کے سلسلہ کا اعتکاف کیا اور مولانا خیرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وصال کے بعد بڑے شوق وذوق سے حج وزیارت کی سعادت حاصل کی، رمضان سے پہلے گئیں اور چھ مہینہ کے بعد واپس ہوئیں، یعنی سب سے پہلے جہاز سے گئیں اور سب سے آخری جہاز سے آئیں اور بادل ناخواستہ رورو کر واپس ہوئیں، آنا نہ چاہتی تھیں، وہیں رہ کر وہیں مرنے کا اور خاک طیبہ میں دفن ہونے کا شوق تھا، غرض کہ ان میں بہت سی خوبیاں تھیں، ان کے حالات زندگی بیان کرنے کے لئے الگ ایک کتاب چاہئے اور یہ جو کچھ بھی ان میں تھا، یہ سب حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تربیت تھا، مولانا کی ان بڑی صاحبزادی سے مولانا کے تین نواسے اور ایک نواسی ہیں، بڑا نواسہ محمد فخر الدین، منجھلی نواسی حمیرہ، سنجھلا نواسہ ابوالعلیٰ ظفیر الدین احمد اور چھوٹا نواسہ شرف الدین، ان صاحبزادی کے وصال کے بعد یہی چار زندہ رہے، ان کے علاوہ اور بھی اولاد ہوئی تھی، مگر زندہ نہ رہی۔

مولانا کی منجھلی صاحبزادی سلیمۃ اللہ عرف ام شکر کی شادی حضرت مولانا فریدالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، یہ حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، موضع روہ، علاقہ نوادہ ضلع گیا کے رہنے والے تھے، قرآن پاک کے بہت اچھے حافظ تھے، بہت خوش گلو، ان کی آواز بہت دل کش تھی، رمضان المبارک میں دوختم قرآن سناتے تھے، پہلا ختم گیا میں حاجی محمد تقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں، حاجی تقی صاحب مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین میں سے تھے اور انہوں نے حافظ فریدالدین صاحب موصوف سے وعدہ لیا تھا کہ زندگی بھر پہلا ایک ختم ان کی مسجد میں سنائیں گے، چاہے وہ پہلے مریں یا یہ پہلے رخصت ہوں؛ چنانچہ حافظ فرید

الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعدہ کو زندگی بھر نبایا پہلے انہیں کا انتقال ہوا۔

ان کے بعد حاجی تقی صاحب نے پھر اپنی زندگی بھر استاذ الاساتذہ حضرت حافظ سید عبد القدوس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن تراویح میں سنا۔

پندرہ کی شب کو ختم کرنے کے بعد حافظ فرید صاحب رحمۃ اللہ روہ، اپنے وطن تشریف لے جاتے اور آخر رمضان تک دوسرا ختم وہاں سناتے، جس وقت وہ قرآن پڑھتے تھے، لہجہ اتنا دل کش ہوتا تھا کہ سننے والے محو ہو جاتے تھے، جب وہ آخری رکعت کا سلام پھیرتے تھے تو سامعین کی پیاس باقی رہ جاتی تھی، اسی مسجد میں ان کا مدرسہ بھی تھا، قرآن پاک حفظ کراتے تھے، ان کے بہت شاگرد حافظ ہوئے۔

مولانا کی منجھلی صاحبزادی کی کوئی اولاد نہ ہوئی، لاولد دنیا سے رخصت ہوئیں، قرآن پاک کی تلاوت بہت کرتی تھیں، کم از کم ایک منزل روزانہ، نوافل بھی بہت پڑھتی تھیں، مناجات مقبول اور بہت سی دعاؤں کا ورد تھا، روزہ بھی بکثرت رکھتی تھیں، حج کا ان کو بہت شوق تھا، بڑے شوق سے مکہ معظّمہ کا نام لیتیں اور تمنائے حج کا اظہار کرتیں، مگر افسوس حج نصیب نہ ہوا، استطاعت بھی نہ تھی، صورت، قدوقامت، جثہ اور طبعیت کے لحاظ سے حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت مشابہ تھیں۔

حافظ فرید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پہلے انتقال ہوا، ان کی قبر روہ میں اسی مسجد کے احاطہ میں ہے، جس میں وہ پنج گانہ نمازیں پڑھاتے اور قرآن پاک کا درس دیتے تھے۔(۱)

سنجھلی صاحبزادی سکینۃ اللہ عرف سکینہ کی تین شادیاں ہوئیں، پہلی شادی ملکی محلہ آرہ شہر میں ہوئی، دوسری شادی حافظ ضمیر الدین صاحب مرحوم (موضع پلسہ ضلع گیا) سے ہوئی، ان کے انتقال کے بعد تیسری شادی بہار شریف میں مولانا سید شاہ سعید صاحب مرحوم مدرس مدرسہ عزیزیہ بہار شریف سے ہوئی، صرف حافظ ضمیر صاحب مرحوم سے متعدد اولاد ہوئیں، اب نعیمہ اور شاہ جہاں دو ہی زندہ ہیں، یعنی سنجھلی صاحبزادی سے مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا نواسہ شاہ

(۱) روہ میں آپ کے نام سے منسوب ایک مدرسہ ''دارالعلوم فریدیہ'' ہے، جس کے ناظم مولانا ابوصالح ندوی ہیں۔(اعظم)

جہاں ہے اور چھوٹی نواسی نعیمہ۔

چھوٹی صاحبزادی طیبۃ اللہ عرف طیبہ کی شادی مناظر اسلام مولانا عبد الرافع صاحب سے ہوئی، یہ مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور محبوب خادم تھے، شادی کے بعد سے برابر یہ کلکتہ میں رہے، پہلے یتیم خانہ اسلامیہ سید صالح لین کلکتہ میں ملازمت کرتے تھے، پھر عرصہ دراز سے اپنے دوست شفاء الملک مولانا حکیم نثار احمد خاں صاحب مرحوم زکریا اسٹریٹ کلکتہ کے مطب میں منیجر کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور زندگی وہیں گذار دی، اسی سال ان کا کلکتہ ہی میں انتقال ہوگیا اور سولہ آنہ قبرستان میں دفن کئے گئے، ان کی اہلیہ یعنی مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی صاحبزادی طیبہ، روہ اپنی منجھلی بہن کے پاس گئی ہوئی تھیں، چیچک میں مبتلا ہوئیں اور وہیں انتقال کرگئیں، ان کا انتقال جوانی کے عالم میں ہوا، ان کی قبر روہ کی عیدگاہ کے قریب ہے، ان سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نواسہ عبدالواسع تھا، تقریباً تین سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا۔

مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور شادی محلہ پہسی گیا شہر میں ہوئی تھی، ان سے دولڑکیاں ہوئیں، مولانا کے وصال کے بعد ان دونوں کا انتقال ہوگیا، تیسری شادی دربھنگہ میں ہوئی تھی تیسری اہلیہ سے ایک صاحبزادہ عبدالغفور ہوئے، جو بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں، ان کی کوئی اولاد نہیں، لاولد ہیں، شادیاں دو کیں، مگر کسی سے اولاد نہیں، اس وقت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بلاواسطہ اولاد میں سے صرف دو ہی زندہ سلامت ہیں، ایک سکینہ منجھلی صاحبزادی اور ایک عبدالغفور سب سے چھوٹے صاحبزادے، بالواسطہ اولاد سے اس وقت بڑی تعداد میں موجود ہیں بڑی صاحبزادی امتہ اللہ کی چاروں اولاد صاحب اولاد ہیں، ان چاروں کی اولاد دو درجن سے زیادہ ہے، منجھلی صاحبزادی سلیمۃ اللہ عرف ام شکر کی تو کوئی اولاد ہی نہیں تھی اور چھوٹی صاحبزادی طیبہ کا ایک لڑکا عبدالواسع ہوا بھی تو زندہ نہیں رہا، سنجھلی صاحبزادی کے ایک صاحبزادہ شاہجہاں اور دوسری صاحبزادی نعیمہ کی اولاد بھی ایک درجن سے زیادہ ہے، اس طرح اس وقت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بالواسطہ اور بلاواسطہ اولاد کی تعداد چالیس اور پچاس کے درمیان ہے۔

مرض الموت اور وفات

مولانا کا وصال طاعون کے مرض میں ہوا، حدیث میں آتا ہے کہ
''طاعون میں جو مرتا ہے اس کی موت شہادت کی موت ہوتی ہے''(۱)
مجاہدانہ زندگی تھی، اللہ نے اس کی برکت سے شہادت کی موت عنایت فرمائی۔

پہلے بخار شروع ہوا اور رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے بحرانی کیفیت رہنے لگی، اسی حال میں نماز کے لئے مسجد جایا کرتے، جب بخار کی شدت ہوئی اور بحرانی کیفیت پیدا ہوئی، ہوش میں نہ رہتے، مگر نماز کے وقت ہوش آجاتا اور مسجد کے لئے اسی حالت میں روانہ ہوجاتے، تیمار دار بہت منع کرتے، مگر کسی کی نہیں مانتے، جس دن وفات ہوئی ہے، حالت قابو سے باہر تھی، اس حالت میں بھی نماز کے لئے مسجد چلے گئے اور نماز پڑھ کر آرہے تھے کہ اپنے مکان کے قریب پہونچ کر غشی آئی اور گلی میں گر پڑے، محلہ کے لوگ اٹھا کر گھر لائے اس وقت سے پھر بستر سے نہ اٹھ سکے۔

مزاج پرسی کرنے والے رجال غیب کی آمد

جب وقت آخر آیا تو مزاج پرسی کرنے والوں کی کثرت ہوگئی، بار بار عورتوں کو ہٹنا پڑتا تھا، عجیب بات یہ تھی کہ نظر آنے والے انسان تو باہر دروازہ سے آتے تھے، ان کے آنے کی خبر سب کو ہوجاتی تھی اور ان کے اندر داخل ہونے سے پہلے بآسانی پردہ کا نظم ہوجاتا تھا، مگر بکثرت نظر نہ آنے والے لوگ بھی آتے تھے، ان کی خبر خود مولانا دیتے تھے اور عورتوں سے فرماتے ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ بہت لوگ آرہے ہیں، کبھی کبھی ایسے آنے والوں سے کمرہ بھر جاتا، آنے والے سلام کرتے تو مولانا سب کو جواب دیتے اور کبھی مولانا خود پیش قدمی کر کے سلام کرتے تو وہ لوگ جواب دیتے، دیر دیر تک ان سے باتیں ہوتیں، مولانا کی آواز میں آخر تک پوری طاقت موجود تھی، یہ سلام اور جواب اور دیر تک باہمی کلام کا سلسلہ کمرہ کے باہر سے گھر کے سب لوگ سنا کرتے، گھر کے تیمار دار مرد بھی باہر سے دیکھا کرتے، مگر ان کو کوئی نظر نہ آتا، صرف آواز سنائی دیتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ لوگوں سے کمرہ بھرا ہوا ہے۔

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات في الطاعون، حدیث نمبر: ۳۱۱۳

کلمہ کی تلقین کے وقت عجیب واقعہ

وفات کے وقت مولانا کے صاحبزادے عبدالغفور جو چھ سال کے تھے، بڑا نواسہ محمد فخرالدین(۱) جو تین سال کا تھا، سب صاحبزادیاں اور داماد سوائے مولانا سید عبدالرافع صاحب کے سب ہی موجود تھے، مولانا کی آنکھیں بند تھیں، پاس بیٹھے ہوئے گھر کے لوگ کلمہ کی تلقین کر رہے تھے، اس وقت عجیب واقعہ پیش آیا کہ جب کوئی کلمہ پڑھتا تو مولانا اس طرف سے منہ پھیر لیتے کبھی منہ ادھر کر لیتے کبھی منہ ادھر کر لیتے، دیر تک یہی ہوتا رہا تو سب کو بڑی حیرت اور مایوسی ہوئی، مصلحۃً کلمہ کی تلقین روک دی گئی، اچانک مولانا نے اپنا ہاتھ زور سے مارا، جیسے کسی کو مارتے ہوں، سامنے کوئی نہیں تھا، پھر زور سے ''**لا حول ولا قوۃ إلا باللہ**'' یہ کہہ کر آنکھیں کھول دیں اور ہوش میں آ گئے، داہنے بائیں بیٹھے ہوئے گھر کے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کلمہ کی تلقین کر رہے تھے تو جب کوئی داہنی طرف سے کلمہ پڑھتا تو آپ بائیں طرف منہ کر دیتے اور جب کوئی بائیں طرف کلمہ پڑھتا تو آپ داہنی طرف منہ پھیر دیتے، جب بار بار یہی ہوتا رہا تو ہم نے یہی مصلحت سمجھی کہ تلقین بند کر دی جائے اور بہت پریشانی کا عالم ہم لوگوں پر طاری ہوا، مسکرائے اور فرمایا کہ تمہارے کلمہ کی تلقین سے میں منہ نہیں پھیرتا تھا، میرے ساتھ ایک نہایت پریشان کن معاملہ ہو رہا تھا، مجھ پر غش کی سی کیفیت طاری تھی، اسی حال میں شیطان آیا اور اس نے شراب کا ایک پیالہ میرے منہ کے سامنے پیش کر کے کہا کہ اس کو پی لو، میں نے منہ پھیر لیا، کبھی وہ داہنی طرف سے پیالہ بڑھاتا، کبھی بائیں طرف سے اور کبھی کبھی میرے منہ سے لگا دیتا تھا، جب وہ داہنی طرف سے پیالہ بڑھاتا تو میں داہنی طرف منہ پھیر لیتا، اخیر میں اس نے زبردستی میرے منہ سے لگا دیا تھا، جس سے میں بہت پریشان ہوا، اس حال میں اللہ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں نے زور سے ایک ہاتھ مارا جس سے وہ پیالہ چور چور ہو گیا اور زور سے ''**لا حول ولا قوۃ إلا باللہ**'' پڑھا تو شیطان بھاگا، اس کے بعد مولانا نے سورہ یسین پڑھوا کر سنی پھر زور زور سے کلمہ شہادت اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔

---

(۱)　مؤلف کتاب مراد ہیں۔(اعظم)

سالہا سال تک تبلیغ واصلاح اور ہدایت خلق کی روشنی پھیلانے کے بعد وہ آفتاب علم ومعرفت غروب ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کے وصال کی خبر پاتے ہی تمام شہر میں کہرام مچ گیا، گیا کی سرزمین نے کسی کے جنازہ میں اتنا بڑا مجمع نہ دیکھا ہوگا، ہزارہا مخلوق نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور کریم گنج کے قبرستان میں لے جاکر سنت کے مطابق لحد کے اندر سپرد آغوش رحمت کردئے گے۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ کی مسجد میں اور اس کے محراب ومنبر، جامع مسجد کا منبر، شہابو درزی کی مسجد، مولانا کا مدرسہ، نیچے والا چبوترہ اور اس کے سامنے کی سڑک جہاں خلق خدا جمع ہوکر مولانا کا وعظ سنا کرتی تھی، سب اجڑ گئے، گیا کے گلی کوچے جن میں مولانا اصلاح امت کا جذبہ لے کر پھرا کرتے تھے، سب پر سناٹا چھا گیا۔

محلہ کی بے پردہ عورتیں آپس میں لڑ رہی ہوتیں، گلی میں گالیوں کا اکھاڑا لگا ہوتا، ادھر مولانا گھر سے نکلتے اور ادھر پورے محلہ میں بجلی کوند جاتی، مولانا آرہے ہیں، لڑنے والی اور گالیاں بکنے والی عورتیں یہ کہتے ہوئے گھروں میں گھس جاتیں کہ مولانا آرہے ہیں، گھر سے مولانا کے قدم باہر نکلتے اور محلہ بھر کے جھگڑے بند ہوجاتے، لڑائیاں رک جاتیں اور گالیوں کا سلسلہ موقوف ہوجاتا، مولانا گلی میں سے سڑک پر نکلتے اور پوری سڑک کے ہندو دکاندار تک اپنے اپنے گھٹنے چھپا کر یہ کہتے ہوئے سنبھل بیٹھتے کہ مولانا صاحب آرہے ہیں، کبھی کسی ایک ہندو دکاندار کے کھلے ہوئے گھٹنے پر محبت سے اپنی لاٹھی کی لوہے والی نوک یہ کہتے ہوئے رکھ دی کہ اس کو چھپا کر بیٹھو اس کو کھولنا بے حیائی ہے، بس اس دن سے سارے بازار کی تربیت ہوگئی، کسی کا گھٹنا بدخیالی میں کبھی کھلا ہوا بھی رہ گیا ہو، مگر مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس سڑک پر آتے ہی حیا کا سبق سب کو یاد ہوجاتا اور سب اپنے اپنے گھٹنے چھپا لیتے، آج وہ دکاندار بھی مولانا کو یاد کرتے ہیں، محلہ کی لڑنے والی عورتیں، آپس میں جھگڑا کرنے والے مرد سب ہی مولانا کی کمی محسوس کرکے بے چین ہیں، خصوصاً مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا اپنے بانی کی روحانیت، نورانیت اور علمی افادیت سے محروم ہوکر بے چین ہے، بے نور ہے، بے قرار ہے اور اب ان کے تذکرہ کو، ان کے طریقہ کو ان کی یاد کو ان کے اتباع کو اپنے لئے اور قوم وملت کے لئے انوار ایمانی کی بقا کا ذریعہ سمجھتا ہے، **نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ!**

استاذی حافظ عبد الرحمن صاحب بسمل سنسہاوری رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کے وصال پر مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ لکھا تھا، جس کو انہوں نے اپنے مجموعہ قطعات تاریخ میں شائع کر دیا ہے۔

تاریخ وفات عالم بے بدل وفاضل اجل مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ، بانی مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ، گیا

عبدِ غفار عالمِ یکتا
زیں جہاں سوئے کنجِ تربت رفت
گفت سالِ وفاتِ او بسمل
عالمے بے بدل بجنّت رفت
۱۳ ـــــــ ھ ـــــــ ۳۴

مولانا کی علمی، دینی اور روحانی یادگار

مولانا اپنے بعد ہزارہا دینی، مذہبی، علمی اور روحانی صحبت یافتہ تلامذہ ومسترشدین کے علاوہ اپنا قائم کردہ مدرسہ اور اپنی کچھ دینی وعلمی تصنیفات بطور یادگار چھوڑ گئے۔

تصنیفات

مولانا کی تصنیفات کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہوسکا، صرف دو کتابیں ان کی تصنیف کردہ دستیاب ہوسکی ہیں۔

منور الایمان

ایک کا نام ''منور الایمان'' ہے، کسی شیعہ نے ''نور الایمان'' نام کی ایک کتاب شائع کی تھی ،جس میں دوفرضی نام علی رضا اور محی الدین کی ایک گمراہ کن کہانی لکھی تھی، علی رضا شیعہ اور محی الدین سنی، دونوں دوست تھے اور ایک ساتھ پڑھتے تھے، علی رضا نے محی الدین سے عرصہ تک شیعہ سنی مختلف فیہ مسائل پر بحث کر کے محی الدین کو شیعہ بنالیا۔

مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب وہ کتاب ملی، جس کی عام اشاعت کی جارہی تھی تو مولانا اس کا جواب ''منور الایمان'' کے نام سے شائع کیا اور اس میں اُس فرضی داستان کو آگے بڑھا کر ظاہر کیا ہے کہ محی الدین جب شیعہ ہوگیا اور اس کے والدین کو اس کے شیعہ ہونے کی خبر ملی تو تار دے کر اس کو بلایا اور جب وہ آیا تو والدین نے اس سے اپنی بے زاری کا اظہار کیا، جس کا اس پر بہت اثر پڑا اور شیعہ مذہب کے مطابق مغربین یعنی مغرب اور عشاء ملا کر پڑھنے کے بعد دعاء میں بہت رویا، گڑ گڑایا اور اللہ سے مناجات کی کہ یا اللہ تو نے فرمایا ہے کہ گڑ گڑا کر دعا مانگنے والے کی دعا کو تو ضرور قبول کرتا ہے، اے اللہ! میری دعا کو بھی قبول فرما اور اگر شیعہ مذہب تیرے نزدیک حق ہے تو مجھ کو اس پر قائم رکھ اور اگر مذہب اہل سنت تیرے نزدیک حق ہے تو مجھ کو شیعہ مذہب سے ہٹا کر اپنے پہلے مذہب پر واپس فرمادے اور خواب میں مجھ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ آ کر مذہب اہلسنت کا حق ہونا سمجھا دیں۔

اسی طرح روتے روتے وہ سو گیا، خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اس پر بہت خفا ہو رہے ہیں، پھر علی رضا نے جو مسائل اس کو سمجھائے تھے، رات بھر میں ان سب مسائل کو خواب ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حل فرمایا، صبح اٹھتے ہی وہ ریل کا ٹکٹ لے کر اپنے دوست کے وطن کو راونہ ہوا اور وہاں پہونچ کر اسٹیشن سے سیدھے اس کے مکان پر پہونچا اور آواز دی اور جب وہ باہر نکلا تو علی رضا نے محی الدین کا رنگ بدلا ہوا دیکھ کر بڑی حیرت کا اظہار کیا اور پھر از سرنو گفتگو چھڑ گئی، محی الدین نے کہا کہ مجھ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ خواب میں بتایا ہے، وہی بیان کروں گا؛ چنانچہ کئی روز کی بحث کے بعد محی الدین نے علی رضا کو لاجواب کر کے اس کی پوری پوری تشفی کر دی۔

پھر علی رضا نے گیا کی عظیم الشان جامع مسجد میں نماز جمعہ اہلسنت والجماعت کے طریقہ پر ادا کی، حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی مسجد میں موجود تھے، ان سے مل کر اصول دین کو ان سے سمجھ کر مزید اطمینان حاصل کیا، پھر مجمع عام میں علی رضا نے بصدق دل مذہب شیعہ سے توبہ کر کے مذہب حق اہل سنت والجماعت کو قبول کر لیا۔

یہ کتاب ''منور الایمان'' ایک سو باون (۱۵۲) صفحات کی کتاب ہے، نہایت دل چسپ

انداز بیان ہے، شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے ہوئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا ہے ''نورالایمان'' جو شیعہ نے لکھی تھی، اس کے شروع میں ایک شعر لکھا تھا، اپنی کتاب ''منورالایمان'' کے شروع میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کا جواب چند شعروں میں دیا ہے، مولانا فرماتے ہیں:

قول مصنف ''نور الایمان''

آہنگ نیا، سوز نیا، ڈھنگ نیا ہے　　قائل ہیں عنادل بھی کہ یہ رنگ نیا ہے

قول مصنف مُنوِّر الایمان (نہیں نہیں)

تنبور نیا، عود نیا، چنگ نیا ہے　　مانے ہوئے مطرب ہیں کہ آہنگ نیا ہے
یہ لحن نیا، سوز نیا، ساز نیا ہے　　یہ ناز نیا، اور یہ انداز نیا ہے
یہ رنگ نیا، ڈھنگ نیا، طور نیا ہے　　بے داد نئے، ظلم نیا، جور نیا ہے
ہے حکم کہ گلشن سے عنا دل کو نکالو　　بزمِ علماء سے ابھی جاہل کو نکالو
ہاں شورِ عنا دل نہ کرے سمع خراشی　　لفّاظیِ جاہل نہ کرے سمع خراشی

فرضی محی الدین کو فرضی علی رضا نے جب شیعہ بنالیا، اور اس کو اس کے والد نے تار دے کر بلایا تھا تو جیسے ہی والد کی نظر اس پر پڑی، والد نے برجستہ یہ رباعی پڑھی:

صدق را بگذاشتی اے ناخلف! (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)
عدل را بارے چرا کردی تلف! (حضرت عمر رضی اللہ عنہ)
نور و ایمان و حیا را ریختی! (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ)
از تو، کے راضی شود شاہِ نجف؟ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

کتاب کے ختم پر ایک قطعۂ تاریخ اس زمانہ کے شاعر حضرت محرابؔ نے لکھا ہے:

تاریخ طبع ایں رسالہ

خدا دے مؤلف کو اجر عظیم　　لکھا اس نے یہ نسخۂ لا جواب
بڑی منہ کی کھائی مخالف نے اب　　ملا جھوٹی باتوں کا سچا جواب
بیاں کیا کروں حالت شیعہ گاں　　کھلا ان کا پردہ، ہوئے لاجواب
درشتی کا بے فائدہ ہے گلہ　　کلام ان کا جیسا تھا پایا جواب

کہاں ''نورایمان'' میں ایماں کا نور　　بھلا اُلٹی باتوں کا ہے کیا جواب

سنِ طبع محراب لکھ دو یہی

یہ ترکی بہ ترکی ہے اچھا جواب

۱۳ ——— ھ ——— ۱۴

ھدایۃ الثقلین فی تخصیص المصافحۃ بعد العیدین

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصنیف جو مجھ کو دستیاب ہوسکی ہے، اس کا نام'' **ھدایۃ الثقلین فی تخصیص المصافحۃ بعد صلوۃ العیدین** '' ہے یہ ایک علمی تصنیف ہے، مولانا کے زمانہ میں کہیں بعد نماز فجر، کہیں بعد نماز عصر کہیں پنج گانہ نمازوں کے بعد امام اور سب مقتدی مصافحہ اور نماز عیدین کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرتے تھے، پہلے تو اس بدعت کے خلاف مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریروں میں آواز اٹھائی، مگر بعض ائمہ مساجد نے جو اس رسم کو جاری کئے ہوئے تھے، مخالفانہ رویہ اختیار کیا اور کچھ ایسی باتیں پھیلائیں کہ جس سے غلط فہمی ہوتی تھی اور وہ جو کچھ جاری کئے ہوئے ہیں، وہی شریعت کا حکم ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت ایمانی اور جذبۂ اتباع سنت کو جوش آیا اور اس مسئلہ کی تحقیق وتوضیح پر ایک مفصل مکمل اور مدلل کتاب تصنیف فرما کر علماء اور عوام سب پر احسان عظیم فرمایا، آخر میں اس مسئلہ پر بہت سے اکابر علماء کے فتاوی بھی درج فرمادیئے۔

''ثقلین'' (جنوں کا وجود حقیقت ہے) لغت میں دو بھاری بوجھل اور وزنی چیزوں کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں جن وانس دونوں قوموں کے مجموعہ کو ثقلین سے تعبیر کرتے ہیں۔

انگریز اور جو کچھ انگریز کہے، اس کو بلا چوں وچرا ماننے والے محض اس وجہ سے جن کا انکار کریں تو کریں کہ وہ ان کو آنکھوں سے نظر نہیں آتے، جو چیز آنکھوں سے نظر نہ آئے، اس کا انکار کرنے کی بیماری ہی مغیبات ایمانیہ کے انکار تک پہونچاتی ہے، خدا کو، جنت کو، دوزخ کو، موت کو، حشر ونشر کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے؛ اس لئے ان چیزوں کو صرف مولویوں کے کہنے سے کیوں مانیں، مگر یاد رہے کہ بغیر ایمان بالغیب کے ایمان معتبر نہیں، ایک ہزار بار بھی کوئی اپنے آپ کو مؤمن کہے، مگر مغیبات ایمانیہ میں اس کو شک ہے تو یہ نفاق ہے، ایمان نہیں، فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ، کی تفسیر

مفسرین نے شک ونفاق ہی سے کی ہے، فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ أي شک و نفاق۔
حضور سرورکائنات ﷺ رسول الثقلین یعنی جن وانس دونوں قوموں کے نبی ورسول تھے۔
سورۂ احقاف پارہ ۲۶ میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

{وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْکَ نَفراً مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِم مُّنذِرِيْنَ O قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَاباً أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْ إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ O يَا قَوْمَنَا أَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ O وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِيْ الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُوْلَئِکَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ} (۱)

''اور جس وقت متوجہ کر دیئے ہم نے آپ کی طرف متعدد لوگ جنوں میں سے جو سنتے تھے قرآن، پھر جب وہاں پہونچ گئے (آپس میں) بولے چپ رہو (سنو) پھر جب ختم ہوا (قرآن پڑھنا آپ کا) لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈرسناتے ہوئے (اپنی قوم سے جاکر) بولے: اے قوم ہماری! ہم نے سنی ایک کتاب جو اتری ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد سچا کرنے والی سب اگلی کتابوں کو، ہدایت کرتی ہے سچے دین کی طرف اور سیدھی راہ کی طرف، اے قوم ہماری! مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ بخشے (اللہ) تم کو کچھ تمہارے گناہ اور بچا دے تم کو ایک دردناک عذاب سے اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ کے بلانے والے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا، (اللہ کو) بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اس کا اس (اللہ) کے سوا مددگار وہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں''

(۱) الأحقاف:۲۹-۳۲

(اس آیت کی) تفسیر

بعثت محمدی سے قبل جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہوجاتی تھیں، جب حضور ﷺ پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہوگیا اور بہت کثرت سے شہاب ثاقب کی مار پڑنے لگی، جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت سخت پہرے بٹھلائے گئے ہیں، اسی کی جستجو کے لئے جنوں کے مختلف گروہ مشرق ومغرب میں پھیل پڑے، ان میں سے ایک جماعت ''بطن نخلہ'' کی طرف گذری، وہاں اتفاق سے اس وقت حضور پُرنور ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کررہے تھے، اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن سننے کے لئے ادھر پھیر دیا، قرآن کی آواز انہیں بہت عجیب اور موٴثر ودل کش معلوم ہوئی اور اس کی عظمت وہیبت دلوں پر چھا گئی، آپس میں کہنے لگے کہ چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام پاک سنو، آخر قرآن کریم نے ان کے دلوں میں گھر کرلیا، وہ سمجھ گئے کہ یہی نئی چیز ہے، جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے، بہرحال جب حضور ﷺ قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے، یہ لوگ اپنے دلوں میں ایمان وایقان لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی، ان کی مفصّل باتیں سورۂ جن میں آئی ہیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ حضور ﷺ کو ان کے آنے، جانے اور سننے سنانے کا پتہ نہیں لگا، ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ کو دی اور مفصل حال اس کے بعد وحی کے ذریعہ سے معلوم کرایا گیا۔

کما قال تعالیٰ: { قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ }(سورہ جن، آیت:۱) بعدہ بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کے لئے ان کے وفود حاضر خدمت ہوئے، خفاجی نے روایات کی بنا پر دعویٰ کیا ہے کہ چھ مرتبہ آپ نے جنوں سے ملاقات کی۔

سورہ رحمن میں: {فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} کی بار بار تکرار ہے، اس کے مخاطب جن وانس دونوں ہیں: ''پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں (اے جن وانس) جھٹلاؤ گے''

قرآن پاک میں ایک جگہ فرمایا ہے:

{وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ}(۱)

''میں نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے''

علماء نے ایک حدیث صحیح کی بنا پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت {فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} سنے تو جواب دے:

''لاَ بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ''

''آپ کی کسی بھی نعمت کو ہم نہیں جھٹلائیں گے اے ہمارے رب پس آپ ہی کے لئے خاص ہے ہر ایک حمد اور ہر ایک شکر''

بار بار جنوں نے آپ ﷺ سے پروگرام لیا اور آپ ﷺ نے جنگل تشریف لے جا کر رات کا زیادہ حصہ ان کے اجتماع میں گذارا، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کے سامنے سورہ رحمن کی تلاوت کی، صحابہ سنتے رہے، فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''جنوں کے سامنے جب میں نے یہ سورہ تلاوت کی تو ہر {فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} کے بعد وہ جواب دیتے: ''لاَ بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ''، آپ ﷺ کو ان کا یہ جواب دینا پسند آیا''

سورہ رحمن میں آگے فرماتے ہیں: {سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ}(۲) ہم جلد فارغ ہونے والے ہیں، تمہاری طرف اے دو بھاری قافلو (جن وانس) یعنی دنیا کے یہ کام اور دھندے عنقریب ختم ہونے والے ہیں، اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کریں گے، جب تم دونوں بھاری قافلوں (جن وانس) کا حساب کتاب ہوگا، مجرموں کی پوری خبر لی جائے گی اور وفاداروں کو پورا صلہ دیا جائے گا۔

غرض یہ کہ حضور سرور کائنات ﷺ رسول الثقلین (جن وانس کے رسول) تھے، آپ ﷺ نے سب کی ہدایت کا سامان کیا اور سب میں اشاعت دین کے لئے محنت فرمائی؛ اس لئے علماء امت

---

(۱) الذاریات:۵۶

(۲) الرحمن:۳۱

بھی نائب رسول ہونے کی وجہ سے امام الثقلین اور ہادی الثقلین کے منصب پر فائز ہیں، جن وانس دونوں کی ہدایت ورہبری کا کام ان کے سپرد ہے، ہر دور میں کچھ علماء ایسے رہے ہیں، جن سے دونوں قوموں انس وجن کو بے شمار فیوض پہونچے ہیں۔

مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں علماء ربانیین میں سے تھے، جن کی محنت کا دائرہ صرف انسانی حدود تک محدود نہ تھا؛ بلکہ کثیر التعداد جن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ مسترشدین میں تھے اور مولانا کی دینی، علمی، مذہبی، روحانی اور تبلیغی جدوجہد دونوں کے لئے یکساں تھی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہدایۃ الثقلین کا نام ہی بتلاتا ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دینی وعلمی محنت بھی دونوں کے لئے فرمائی ہے اور اس سے ہدایت پانے والے جس طرح کثیر التعداد انسان ہوئے، اسی طرح بہت سے جن بھی اس سے فیض یاب ہوئے۔

اس کتاب میں مصافحہ اور معانقہ کا محل استعمال بتلایا گیا ہے، کہاں کرنا چاہئے، کہاں نہیں کرنا چاہئے، ان امور کی پوری تفصیلات حدیث وفقہ اور فتاوی کے رو سے بیان کی گئی ہیں، جو اس کتاب کے چھتیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، وہ تمام تفصیلات بخوبی طوالت یہاں درج نہیں کی جاسکتی ہیں۔

ہاں اصولی طور پر سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت کے سلسلہ میں جو مواد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں پیش کیا ہے، وہ نہ صرف اس مسئلہ میں؛ بلکہ دین کے ہر شعبہ میں نسخۂ کیمیا کا حکم رکھتا ہے؛ اس لئے وہ اصولی مواد یہاں نقل کر دینا ضروری اور مفید سمجھتا ہوں۔

بدعت کرنے والے کی مذمت ابن ماجہ مطبع فاروقی صفحہ نمبر ۶ میں یہ حدیث بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ موجود ہے:

"قال قال رسول اللہ ﷺ: لا يقبل الله لصاحب بدعة صوما ولا صلوة ولا صدقة ولا حجا ولا عمرة ولا جهادا ولا صرفا ولا عدلا، يخرج من الإسلام كما تخرج الشعرة من العجين" (۱)

---

(۱)　سنن ابن ماجة، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، حدیث نمبر: ۵۱

''کہا حذیفہ ﷺ نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہیں قبول کرے گا اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ، نہ نماز، نہ خیرات، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ خرچ کرنا، نہ عدل، نکلے گا اسلام سے جیسے نکلتا ہے بال، گوندھے ہوئے آٹے سے''

بدعتی شفاعت سے رسول مقبول ﷺ کی بروز حشر محروم رہیں گے، جیسا کہ مشکوۃ شریف ''باب الحوض والشفاعۃ'' میں یہ حدیث موجود ہے:

''عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله ﷺ: إني فرطكم على الحوض من مر علي شرب، ومن شرب لم يظمأ أبدا ليردن علي أقوام اعرفهم ويعرفوني ثم يحال بيني وبينهم فأقول: إنهم مني، فيقال: إنک لا تدری ما أحدثوا بعدک فأقول: سحقا سحقا لمن غيّر بعدي (متفق عليه) (۱)

''سہل بن سعد ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں تمہارآگے جانے والا ہوں، حوض کے اوپر، جو میرے پاس گذرے گا، وہ پیئے گا پانی حوض کوثر کا، جس نے پیا نہیں پیاسا ہوگا کبھی، آئیں گی میرے پاس بعض قومیں، پہچانوں گا میں ان کو اور پہچانیں گے وہ مجھ کو، پھر پردہ پڑ جائے گا میرے اور ان کے درمیان تو کہوں گا میں یہ تو میری امت ہیں، پس کہا جائے گا آپ نہیں جانتے ہیں کیا کیا بدعتیں اور ایجادیں کیں انہوں نے آپ کے بعد، تب میں کہوں گا دوری ہو دوری ہو، اس شخص کو جس نے بدل ڈالی میری سنت میرے بعد'' (انتہی)

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(۱) صحيح البخاری، کتاب الرقاق، باب في الحوض، حدیث نمبر: ۶۵۸۳، ۶۵۸۴، مشکوۃ المصابيح، کتاب أحوال القيامة وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعة، حدیث نمبر: ۵۵۷۱

’’تب مسلمانوں کو چاہئے کہ اس نعمت عظمیٰ (شفاعت) اور شرافت بے پایاں کو بسبب شرک و بدعت کے ہاتھ سے جانے نہ دیں اور شرک و بدعت سے بچتے رہیں ورنہ بروز قیامت بلاء عظیم میں گرفتار ہوں گے، مسلمانوں کو چاہئے کہ حضرت ﷺ کی محبت و پیروی کو عین ایمان جانیں اور پیروی و محبت کے یہ معنی ہیں کہ جو حضرت ﷺ نے فرمایا ہو، یا کیا ہو، یا صحابہ یا تابعین، یا تبع تابعین نے کیا ہو، اس فرمان و فعل کو پورا پورا ادا کرے اور اپنی طرف سے گھٹائے بڑھائے نہیں اور اگر کچھ بھی افعال و اقوال حضرت ﷺ و صحابہ و تابعین و تبع تابعین کی حد سے بڑھایا یا گھٹایا تب دعوی میں محبت کے جھوٹا ٹھہرا؛ بلکہ لقب بدعتی کا پایا اور جھوٹے و بدعتی کی برائی اظہر من الشمس ہے، بدعت ایسی بری چیز ہے کہ جس کے سبب سے کوئی نیکی انسان کی قبول نہیں ہوتی ہے، بعد شرک کے یہی بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے کہ صورۃً اچھا، باطن میں بُرا ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے؛ کیوں کہ یہ بہت بُری چیز ہے کہ کرنے والا اس کا حلال و جائز جان کر کرتا ہے بخلاف اور گناہوں کے کہ کرنے والا ان کا بُرا جان کر کرتا ہے اور امیدوار رحمت و مغفرت الٰہی کا رہتا ہے۔

جس چیز کی کچھ دلیل نہیں ہوتی ہے وہ مردود ہوتی ہے، اس میں تقلید جہال جائز نہیں ہے، اس کے اوپر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے:

’’عن عائشة رضي الله عنها: أنه عليه السلام قال: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد‘‘(۱) أي مردود

’’روایت ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ نبی کریم ﷺ نے

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حدیث نمبر: ۲۶۹۷

فرمایا: جس نے پیدا کیا ہمارے دین میں کچھ نیا فعل، جو دین میں سے نہیں ہے، پس وہ رد ہے''، یعنی مردود ہے۔

کیونکہ پیروی سوائے نبی کریم ﷺ کے اور کسی کی نہیں ہے اور صحابہ وائمہ مجتہدین کی پیروی بعینہ پیروی حضرت ﷺ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا}

(الحشر:۷)

''جو دیں تم کو رسول، پس لو اس کو اور جس سے منع کریں تم کو اس سے باز رہو''

دوسری آیت ہے:

{فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ} (النور:۶۳)

''پس چاہئے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو آپ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں اس سے کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہونچے دردناک عذاب''

لقولہ تعالیٰ:

{وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءتْ مَصِيراً}

(النساء:۱۱۵)

''جو مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ کھل چکی اس پر راہ ہدایت اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف (یعنی قرنِ اول کے اجماع امت کے خلاف) تو ہم اس کو حوالہ کر دیں گے اسی طرف جس کو اس نے اختیار کیا ہے اور ڈال دیں گے اس کو دوزخ میں اور دوزخ برا ٹھکانا ہے''

اور کتاب مجالس الابرار میں — جو بڑی معتبر کتاب علم تصوف کی ہے —مذکور ہے:

”و لیس هذا إلا الفتنة التي قال فیها عبد الله بن مسعود کیف أنتم إذا أتتکم فتنة یهرم فبها الکبیر ویشب فیها الصغیر تجری علی الناس بدعة یتخذونها سنة إذا غیرت قیل غیر السنة وهذا منکر“(۱)

”اور یہ وہی فتنہ ہے، جس میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: تمہارا کیا حال ہوجائے گا؟ جب ایسا فتنہ آئے جس میں کبیر بڑھا ہوجائے گا اور صغیر جوان ہوجائے گا، لوگوں میں ایسی بدعت پھیل جائے گی کہ اس کو سنت سمجھ لیں گے اور اگر متغیر کی جائے وہ بدعت تو کہیں گے کہ سنت بدل ڈالی گئی اور یہ برا ہے“

ابن قیم کی کتاب اغاثہ میں یہ عبارت ہے:

”وهذا مما یدل علی أن العمل إذا جری علی خلاف السنة فلا عبرة به ولا التفات إلیه، وقد جری العمل علی خلاف السنة منذ زمن (۲) طویل، فإذن لا بُدَّ لک أن تکون شدید التوقي من محدثات الأمور وإن اتفق علیه الجمهور، فلا یغرنک إطباقهم علی ما أحدث بعد الصحابة إلخ“

”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل جب خلاف سنت ہونے لگتا ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ اس کی طرف کچھ التفات ہے اور بے شک عمل برخلاف سنت مدت دراز سے جاری ہو رہا ہے تو اب تجھ کو ضروری ہے کہ محدثات یعنی نئی نئی باتوں سے سختی کے ساتھ بچتا رہے، اگرچہ اس پر جمہور

---

(۱) مجالس الأبرار

(۲) **إغاثة اللهفان من مصائد الشیطان** :۱/ ۲۰۷، ط: دار المعرفة، بیروت، کتاب میں یہاں تک کی عبارت ہی موجود ہے، اس کے بعد ”منذ زمن أبي الدرداء وأنس کما تقدم“ لکھا ہوا ہے، اس کے آگے کی عبارتیں نہیں مل سکی ہیں۔(اعظم)

متفق ہو گئے ہوں، سو تجھ کو ان کا اتفاق نئے امور پر جو بعد صحابہ کے ہو گئے ہیں، فریب نہ دے؛ بلکہ تجھ کو یہ لائق ہے کہ بہ تحریص تمام، ان کے احوال اور اعمال کی تفتیش کرے؛ کیوں کہ تمام لوگوں میں بڑا عالم اور بڑا مقرب خدائے تعالیٰ کا وہ ہے، جو صحابہ سے بہت مشابہ اور ان کے طریقہ سے خوب واقف ہے؛ کیوں کہ دین انہیں سے حاصل ہوا ہے اور نقل شریعت میں صاحب شرع سے وہی اصل ہیں، سو تجھ کو لائق ہے کہ اس کی کچھ پروانہ کرے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موافقت کرنے میں اپنے زمانہ کے لوگوں سے مخالفت ہوگی، اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑ جائے تو بڑے گروہ کے ساتھ رہو، عبد الرحمن بن اسمعیل جو ابوشامہ مشہور ہیں، کہتے ہیں: جس جگہ لزوم جماعت کا حکم ہے، وہاں مراد یہ ہے کہ حق کا اتباع لزوما کرو، اگرچہ بجانب حق تھوڑے لوگ ہوں اور مخالف حق کے بہت ہوں، اس واسطے کہ حق وہی ہے، جس پر پہلی جماعت یعنی صحابہ کی جماعت تھی اور ان کے بعد اہل باطل کی کثرت کا کچھ اعتبار نہیں ہے'' الخ (۱)

اور فضیل ابن عیاض نے کہا ہے:

''اتبع طرق الهدیٰ و لا یضرک قلة السالکین و إیاک و طرق الضلالة و لا تغتر بکثرة الهالکین'' (۲)

''ہدایت کی طرق کو لازم پکڑو اور کمی سالکین کی تجھ کو کچھ ضرر نہ کرے گی اور گمراہی کی راہ سے بچتا رہ اور ہالکین کی کثرت سے دھوکا نہ کھا'' الخ

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی ارشاد فرمایا ہے:

''أنتم في زمان خیر کم فیه المسارع في الأمور و سیأتي بعد

(۱) عربی عبارت مختصر نقل کی گئی ہے، ترجمہ کچھ مزید عبارت کا بھی کیا گیا ہے۔ (اعظم)
(۲) الاعتصام للشاطبی: ۱/ ۶۰

كم زمان خير هم فيه المتثبة المتوقف لكثرة الشبهات"(۱)

''تم ایسے زمانہ میں ہو کہ تم میں بہتر وہ ہے کہ کام میں جلدی کرنے والا ہے اور قریب تمہارے بعد زمانہ آتا ہے، اُس میں بہتر وہ ہوگا، جو ثابت رہے اور توقف کرے بسبب شبہات کے'' الخ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کی تصدیق میں ارشاد فرماتے ہیں:

''**لقد صدق لأن من لم يثبت في هٰذا الزمان و وافق الجماهير فيه و خاص فيما خاضوا فيه, فيهلك كما هلكوا**'' **الخ**

''یہ قول سچا ہے، اس واسطے کہ جو شخص اس زمانہ میں ثابت نہ رہے اور جمہور کی بلا میں مبتلا ہوجائے تو ہلاک ہو جائے گا، جیسے وہ ہلاک ہوئے ہیں؛ کیوں کہ دین کی اصل اور اس کی خوبی اور ثبات، عبادت کی کثرت اور تلاوت کی زیادت اور بھوک وغیرہ مشقت سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ جب ہی ہے کہ دین کو ان تمام آفات اور صدمات سے بچائے جو کہ دین پر نئی نئی بدعتوں اور نئی نئی ایجادوں سے آتی ہیں، جن سے دین میں تبدل اور تغیر پیدا ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ بدعات اس قدر پھیل گئی ہیں کہ گویا دین کی نشانیاں ہیں یا ہمارے اوپر ان کا عمل فرض ہے، سو کاش کہ ہم ان بدعات کو بدعات ہی جان کر عمل میں لاتے اور اس واسطے کہ اگر ایسا ہوتا تو توبہ و استغفار کی امید رہتی؛ لیکن ہم نے تو ان بدعات کو طاعت اور عبادت مان لیا ہے اور دین ٹھہرالیا ہے'' الخ (۲)

پوری کتاب اسی قسم کے علمی خزائن اور دینی فوائد سے بھرپور ہے، از راہ افادیت جتنا بھر یہاں پیش کرنا مفید سمجھا گیا، اس علمی سمندر میں سے اتنے بھر دینی روحانی موتی نکال کر سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔

(۱) إحياء علوم الدين: ۱/ ۱۵۵

(۲) یہاں بھی ترجمہ نقل کی گئی عبارت سے زیادہ کا ہے۔ (اعظم)

مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ، گیا

تصنیف کے علاوہ مولانا کی دوسری یادگار ان کا قائم کردہ مدرسہ ہے، مولانا عرصہ تک اس کی خدمت کر کے ۱۳۰۲ھ یا ۱۳۰۳ھ میں حج کو گئے تو لوٹ کر ہندوستان آنے میں تذبذب تھا، پھر وہاں اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں کی لذتوں نے اس تذبذب کو اور قوی کر دیا، مگر جیسا کہ مولانا کے حج کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مولانا کو ہندوستان لوٹ کر آنا پڑا اور اب گیا کی اقامت، یہاں دین کی اشاعت اور مدرسہ کی شبانہ یوم خدمت، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر نئے سرے سے شروع کی گئی، اب اپنے آپ کو مولانا نے اس کام کے لئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مامور سمجھا اور اس مدرسہ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سپرد کردہ امانت تصور فرمایا۔

حج کے بیس یا پچیس برس کے بعد مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ گیا تشریف لائے اور اس مدرسہ میں مولانا کے دست و بازو بن کر شریک خدمت ہوئے، اخیر میں مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہکو وصیت کی کہ یہ مدرسہ جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی امانت ہے، وہ ان کے حوالہ کر رہے ہیں، ان کے بعد اس مدرسہ کی خدمت کو چھوڑ کر کہیں بھی جانے کا ارادہ نہ کریں، چنانچہ مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس وصیت کو مرتے دم تک پورا کر کے دکھا دیا، مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مدرسہ، جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ محلہ چوک، شہابو درزی کی مسجد سے ملحقہ دو منزلہ عمارت میں تھا، جو تا زندگی وہیں رہا، مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عرصہ تک وہ مدرسہ وہیں رکھا، مگر پھر قلت گنجائش اور بعض دوسری مجبوریوں کی وجہ سے وہاں سے منتقل کر کے کچہری کے قریب کی ایک غیر آباد وسیع مسجد میں لے آئے، پہلے عمارت تو کچھ نہ تھی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسجد کی ملحقہ زمین میں اپنے اہتمام سے مدرسہ کے لئے عمارت بنائی اس وسیع اور خوب صورت مسجد کو جو شاہی زمانہ کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے، باغ والی مسجد اور بیگو

کے باغ کی مسجد، جنّاتی مسجد اور کچہری مسجد کہتے تھے اور اب مدرسہ قاسمیہ کی مسجد مشہور ہوگئی ہے۔

یہ مسجد باغ میں تھی اور وہ باغ ایک مسماۃ بیگو رئیسہ کا تھا؛ اس لئے باغ والی مسجد، یا بیگو کے باغ والی مسجد کہتے تھے اور غیر آباد ہونے کی وجہ سے پہلے تو یہاں دن میں بھی لوگ آتے ہوئے ڈرتے تھے، صرف جمعہ کی نماز کچہری کے لوگ آکر پڑھا کرتے تھے اور خالی رہنے کی وجہ سے ممکن ہے کہ پہلے اس میں جن رہتے ہوں؛ اس لئے یہ مسجد جناتی مسجد کے نام سے بھی مشہور ہوگئی تھی اور کچہری کے قرب کی وجہ سے کچہری مسجد بھی کہلاتی تھی اور اب مدرسہ اس میں ہے؛ اس لئے مدرسہ کی مسجد بھی کہلانے لگی ہے۔

اس مدرسہ کا نام ''مدرسہ اسلامیہ'' تھا اور اب بھی ہے، مگر مولانا خیرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری دور سے اس کے ساتھ تبرکاً وتیمنًا ''قاسمیہ'' کا بھی اضافہ ہوگیا، یہ منبع الفیوض قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف انتساب ہے، اور یہ انتساب محض اکتساب فیض کے لئے ہے، اصل نام اس مدرسہ کا ''مدرسہ اسلامیہ'' ہی اب بھی ہے، قاسمیہ کا اضافہ بطور صفت کے ہے۔

تصنیف اور مدرسہ دو یادگاروں میں سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفی یادگار تو اب نایاب ہے، مدرسہ کے کتب خانہ میں صرف ''منورالایمان'' اور ''ہدایۃ الثقلین'' موجود ہیں، مگر اب بازار میں وہ بھی نایاب ہیں، کچھ نمونۂ مضامین دونوں کتابوں میں سے چن کر یہاں اسی غرض پیش کیا گیا ہے کہ اس سے اصل کتاب کی افادیت کا اندازہ کیا جاسکے اور جتنا بھر یہاں بآسانی ممکن ہو فائدہ اٹھایا جاسکے۔

رہ گیا ان کی آخری یادگار مدرسہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک قائم، موجود اور روزافزوں ترقی پر ہے اور آج وہ بہار، بنگال اور اڑیسہ کا ایک مرکزی ادارہ ہے، جس کی چھیاسٹھ شاخیں (۱) ان تینوں صوبوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

---

(۱)　مؤلف کتاب کے بعد یہ مدرسہ ان کے فرزند حضرت مولانا قاری معین الدین قاسمی کے زیرانتظام چل رہا ہے، اب اس کی چھوٹی بڑی ۹۹ شاخین ہیں۔ اعظم

مولانا کی سوانح

جو کچھ آپ کے سامنے چند اوراق میں پیش کیا گیا ہے، یہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات نہیں؛ بلکہ چند یادداشتوں کا مجموعہ ہے، وہ عالم ربانی جس نے اپنی علمی، تعلیمی، اصلاحی، تبلیغی، روحانی جدوجہد سے مولانا اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کو زندہ کر دیا تھا اور سلف کی یاد تازہ کر دی تھی، اس کی سوانح اگر لکھی جاتی تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوتی، مگر افسوس کہ اس طرف کسی نے توجہ نہ کی اور مولانا کے جاننے والے صحبت یافتہ حضرات ایک ایک کر کے اس عالم سے رخصت ہو گئے، وقت گذر چکا ہے، جس کا شکوہ فضول ہے، اب انہیں باخبر حضرات میں سے بعض کی زبان سے جو کچھ سنا جا سکا ہے، وہی پیش خدمت کر دیا گیا ہے۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے: ''مالا یُدرک کله لا یُترک کله'' (جب کسی چیز کو مکمل طور پر نہ حاصل کیا جا سکے تو بالکل چھوڑا بھی نہیں جاتا)؛ کیوں کہ اس صورت میں: ''طلب الکل فوت الکل'' کی مثال صادق آجاتی ہے، کل کو طلب کرنا اور مکمل چیز کے حصول کی فکر کرنا، کبھی کلیۃً محرومی کا باعث ہوا کرتا ہے، کُل کے حصول کی کوئی شکل نہ ہو تو کُل کہاں سے لایا جائے، اور کُل نہ ملے تو پھر اس چیز کو بالکل کیوں چھوڑا جائے، جو کچھ میسر ہے، وہ بھی غنیمت ہے؛ کیوں کہ پھر اس کا جاننے والا بھی کوئی نہ رہے گا۔

تذکرہ

جامع شریعت وطریقت فقیہ امت حضرت مولانا

محمد خیر الدین حضروی کامل پوری قدس اللہ سرہ العزیز ونور اللہ مرقدہ

تذکرۂ خیرالدینؒ

(مولانا خیرالدین صاحب) اپنے حالات خود ہی بیان فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں بہت شریر تھا، اس کو مارا اس کو پیٹا، سارے ساتھی لڑکے پناہ مانگا کرتے تھے، سب سے قوی تھا، بڑے سے بڑے طاقت ور کو اٹھا کر دے مارتا تھا، والد مرحوم مایوس تھے کہ یہ پڑھے گا نہیں، حضرو (ضلع کامل پور، اٹک) میں ایک بزرگ رہتے تھے، میاں فضل الٰہی صاحب ان کے یہاں والد کا آنا جانا تھا، ان سے اپنی مایوسی کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھ کو طلب فرمایا، جب حاضر ہوا تو صورت پر نظر پڑتے ہی فرمایا کہ یہ تو بہت اچھا لڑکا ہے، اس کی پیشانی پر علم لکھا ہوا ہے، یہ کیسے نہیں پڑھے گا؛ چنانچہ خود ابتدائی تعلیم کا نظم کیا، پھر ابتدائی تعلیم کے بعد قریبی گاؤں میں میرے ماموں مولانا راغب اللہ صاحب رہتے تھے، انہوں نے مجھ کو بلا لیا اور کچھ عربی فارسی پڑھا کر فقہ کی کتابیں پڑھائیں، وہ فقہ کے امام تھے، ان سے لوگ صرف فقہ پڑھنے آتے تھے، کنزالدقائق میں نے حفظ کر لی، اس کے بعد گھر چلا آیا، مجھ کو مولانا راغب اللہ صاحب کی برکت سے فقہ پر عبور ہو گیا اور تمام اطراف میں فقیہ مشہور ہو گیا تھا، اچھے اچھے فقیہ میرے فقاہت کا شہرہ سن کر آتے اور فقہ میں مجھ سے بحث کرتے، مناظرہ کرتے، مگر میرے مقابلہ میں کوئی کامیاب نہ ہوتا؛ کیوں کہ مجھ کو فقہ کی کتابیں خصوصا کنزالدقائق زبانی یاد تھی، جو مسئلہ چھڑتا میں فقہی کتابوں کی عبارتیں زبانی پڑھتا، جس سے گھبرا کر بڑے سے بڑا فقیہ میرے مقابلہ سے ہٹ جاتا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک بڑے فقیہ نحوی مجھ سے مناظرہ کے لئے آئے، میں نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا کہ جو مسئلہ سامنے آتا میں زبانی فقہی عبارتیں پڑھنے لگتا، وہ چونکہ نحوی بھی تھے، میرے کمزوری کو سمجھ گئے اور کہا کہ زبانی مناظرہ نہ ہوگا، جو تم عبارتیں پڑھتے ہو وہ کتاب دیکھ کر پڑھو، میں نے کہا یہ کیا مشکل ہے؟ جب زبانی پڑھتا ہوں تو

دیکھ کر کیوں نہیں پڑھ سکتا، فقہ کی کتابیں آئیں، اب جو کسی مسئلہ پر عبارت دیکھ کر پڑھنی شروع کی تو ان نحوی فقیہ نے کہا کہ عبارت تو تم کو زبانی یاد ہے، ٹھیک ہے، مگر اس سے کام نہیں چلے گا، وجوہ اعراب بھی بتلاتے چلو، تم نے اس لفظ پر رفع پڑھا یا نصب یا جر؟ پھر یہ بتلاؤ کہ رفع پڑھا تو کیوں؟ اور نصب یا جر پڑھا تو کیوں؟ اس کا عامل کون ہے؟ کس نے رفع یا نصب یا جر اس کو دیا؟ میں نحو سے بالکل نابلد تھا، اس کمزوری کو وہ سمجھ گئے تھے، میں نے بے تکلف اقرار کیا کہ میں تو رفع نصب جر نہیں جانتا کہ کس کو کہتے ہیں اور نہ عامل کو جانتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا تب تو تم بالکل جاہل ہو، عبارت زبانی رٹ لینے سے عالم نہیں ہوتا، علم اور ہی چیز ہے، ان کے یہ کہنے سے میرے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور ان سے کہا کہ تو پھر یہ کمزوری کیسے دور ہوگی؟ انہوں نے کہا کہ صرف نحو کی تعلیم حاصل کرو اور دوسرے فنون بھی پڑھو، تب تم کو علم آئے گا، میں نے کہا کہ یہ علم کہاں آئے گا؟ انہوں نے کہا کہ ہندوستان چلے جاؤ، وطن کو چھوڑ کر نکل جاؤ تب کچھ حاصل کر سکتے ہو۔

وہ تو یہ کہہ کر چلے گئے، مگر میرے اندر حصول علم کا شوق بھڑک اٹھا، اب میں نے طے کر لیا کہ مجھ کو مکمل علم حاصل کرنا ہے اور اس کے لئے وطن کو خیر باد کہنا ہے، میرا ایک گہرا دوست تھا، میں نے اس کو بھی تیار کیا، وہ کمزور دل کا آدمی تھا، پہلے تو بہت شکوک وشبہات اور تردد کا شکار رہا اور یہ بھی کہا کہ بے سروسامانی کے عالم میں اس طرح نکل جانا اور دور دراز کا سفر کرنا سمجھ میں نہیں آتا، کھانے پینے اور ضروریات زندگی کا کہاں سے انتظام ہوگا؟ میرے اندر بچپن ہی سے اعتماد علی اللہ توکل علی اللہ خدا پر مکمل بھروسہ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، میں نے اس کو ڈانٹ کر کہا: خدا پر بھروسہ کرو، خدا سب انتظام کرے گا، اس نے کہا تم ذمہ لیتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، میں ذمہ لیتا ہوں، تب وہ تیار ہو گیا، والد صاحب کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ نہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں، اصل علم، دین کا علم ہے، دینی مسائل کا علم ہے تم کو اس میں عبور حاصل ہو چکا ہے، بس اتنا ہی کافی ہے، اب کوئی کام کرو۔

حضرو میں نیا نیا ڈاک خانہ قائم ہوا تھا، اس میں پوسٹ ماسٹر کی ضرورت تھی، اس وقت وہاں اردو اور پنجابی کا جاننا اس پوسٹ کے لئے کافی تھا، والد مرحوم بہت بااثر شخص تھے، میرے لئے بات چیت کر کے شام کو تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرو کے ڈاکخانہ میں پوسٹ ماسٹر کی جگہ کے لئے دس روپیہ ماہوار پر تمہارا تقرر ہو گیا ہے، کل صبح سے تم کو ڈیوٹی دینا ہے (اس وقت دس روپے

آج کل کے پانچ سو روپے کے برابر تھے) انگریزوں سے شدت نفرت کی بنا پر میں ان کی ملازمت کو گناہ عظیم سمجھتا تھا، یہ جذبہ اور بھی میرے شوق کی تکمیل کے لئے معاون ثابت ہوا۔

میں راتوں رات اپنے ساتھی کے ساتھ نکل کھڑا ہوا، شبانہ یوم سفر کر رہا تھا، جب کھانے کا وقت آتا اور ہم آبادی سے دور جنگل بیابان میں ہوتے تو وہ میرا ساتھی مجھ سے کہتا آج دیکھنا ہے تمہارا توکل، آج اس جنگل میں کہاں سے کھانے کو ملے گا، میں اس کو ڈانٹ کر چپ کر دیتا کہ بکومت! اللہ رازق ہے وہی ہر جگہ رزق پہونچا تا ہے؛ چنانچہ جب کھانے کا وقت آتا تو غیب سے کوئی شخص ظاہر ہوتا اور گرما گرم کھانا سامنے رکھ دیتا اور ہم دونوں خوب سیر ہو کر کھاتے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ چلتے چلتے جنگل میں رات ہوگئی، وہ بہت خوفناک جنگل تھا، عشاء کے قریب دور سے روشنی نظر آئی اور کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی، ہم نے کہا: وہاں کوئی آبادی ہے، اسی جانب چل پڑے، وہاں بلند ٹیلہ پر ایک چھوٹی سی دو چار گھر کی بستی تھی اور ایک مسجد تھی، اس مسجد میں ہم جا کر ٹھہرے، ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے کہ ایک بوڑھی عورت آئی، اس نے نہایت پُر تکلف کھانا، مرغ، پلاؤ گرما گرم یہ کہتے ہوئے سامنے لاکر رکھ دیا کہ تم مسافر اور مہمان ہو اس کو کھالو، اس دن مغرب کے بعد سے میرے بے صبرے ساتھی نے مجھ کو بہت تنگ کیا تھا اور بار بار کہتا تھا کہ اس اندھیری رات اور اس جنگل بیابان میں تمہارے توکل کو دیکھنا ہے، آج کہاں سے کھانا ملے گا؟

اس طرح سفر طے ہوتا رہا، یہاں تک کہ ہم دو پہر کو ایک شہر میں داخل ہوئے، معلوم ہوا کہ یہ کرنال ہے، میں نے دریافت کیا کہ سب سے پہلے ظہر کی نماز کس مسجد میں ہوتی ہے؟ اس مسجد میں جا کر نماز ظہر با جماعت ادا کی، نماز کے بعد مسجد سے نکلا کہ جلد شہر سے نکلوں؛ تاکہ راستہ کھوٹا نہ ہو، مسجد سے لگے ہوئے برآمدہ میں ایک نابینا حافظ صاحب بیٹھے تھے، میں جب ان کے قریب سے گذرا تو انہوں نے کہا: خیر الدین! السلام علیکم میرے پاس آؤ، میں نے یہ خیال کر کے کہ فضول باتوں میں یہ میرا وقت ضائع کریں گے، ان کی اس بات کی طرف توجہ نہ کی اور سرسری جواب دیتے ہوئے تیزی سے نکل گیا، انہوں نے اپنے چند شاگردوں کو میرے پیچھے دوڑایا کہ پکڑ کر لے آؤ، مگر وہ مجھ کو پکڑ نہ سکے، میں سب سے قوی تھا، سب کو جھٹک کر دور پھینک دیا اور آگے بڑھتا رہا، شہر سے

باہر ایک شہر پناہ تھی، پورا شہر احاطہ سے گھرا ہوا تھا، شہر پھاٹک سے جب باہر نکلا ہوں تو اچانک زمین نے قدم تھام لئے آگے بڑھا ہی نہیں جاتا، میں نے وہ جگہ چھوڑ کر ادھر ادھر کئی جگہ سے کوشش کی کہ آگے بڑھوں، مگر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا، میرا ساتھی دور نکل چکا تھا، اس نے اچانک مڑ کر دیکھا اور مجھ کو اپنے پیچھے بہت دور کھڑا ہوا دیکھ کر بہت خفا ہوا کہ آتے کیوں نہیں؟ میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اس حد سے آگے میرے قدم نہیں بڑھ رہے ہیں، تم میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچو، اس نے پوری طاقت سے مجھ کو کھینچا، مگر بجائے اس کے کہ میں آگے بڑھتا وہ بھی شہر کی جانب آ کر گرا، میں نے کہا کہ اچھا ایک ترکیب کرو میرا بڑا رومال جو کندھے پر ہے، اس کو کمر میں باندھتا ہوں، اس کو پکڑ کر کھینچو، اس نے پہلے سے زیادہ طاقت لگائی، مگر وہی ہوا کہ شہر کی جانب آ کر گرا، تب میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے والد نے کسی عامل سے کوئی عمل کرایا ہے، اسی کا یہ اثر ہے، میرا راستہ بند ہو گیا ہے، اب تم جاؤ، میں واپس ہوتا ہوں، میرا ساتھی روتا ہوا تنہا چلا گیا اور میں لوٹا شہر میں آنے کے بعد مجھ کو خیال ہوا کہ وہ نابینا حافظ جی کون تھے؟ جنہوں نے باوجود ناواقف، اجنبی اور نابینا ہونے کے مجھ کو میرا نام لے کر پکارا تھا، چلو ان سے تحقیق حال کروں، میں جب ان کے پاس پہونچا تو وہ زور سے ہنسے اور کہا آخر آ گئے، بہت جان چھڑا کر بھاگے تھے، میں نے کہا: ان باتوں کو چھوڑیئے، آپ یہ بتلایئے کہ آپ نے مجھ کو کیسے پہچانا اور میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا، انہوں نے فرمایا کہ تمہارا نام؟ مجھ کو تمہارا حال معلوم ہے کہ کس غرض سے نکلے ہو، کیا تم سمجھتے ہو کہ جس طرح تم ادھر روکے گئے ہو ادھر نہیں روکے جاؤ گے، تمہارے لئے علم کا ایک حصہ اس شہر میں مقدر ہے، جب تک تم اس کو حاصل نہ کرلو گے، اس شہر سے نکل نہیں سکتے، ان کی یہ بات سن کر مجھ کو بہت اطمینان ہوا، میں نے عرض کیا کہ میں تو اجنبی ہوں، تعلیم کا کہاں اور کیسے انتظام کروں گا، حافظ جی نے کہا میں سب کروں گا، تم بےفکر رہو، اس شہر میں علم دین کا ایک بہت بڑا مدرسہ تھا، وہ مجھ کو لے کر وہاں گئے، وہاں کے سب سے بڑے عالم نے مجھ کو مدرسہ کی جانب آتے دیکھا تو ننگے پیر ننگے سر مدرسہ سے باہر تک دوڑ کر آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مدرسہ میں لائے اور فرمایا کہ:

> ''میں اپنی ایک ضرورت سے مدرسہ سے چھٹی لے کر اپنے گاؤں پر گیا تھا، ابھی چھٹی ختم نہیں ہوئی تھی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک

بزرگ تم کو لے کر مدرسہ میں تشریف لائے اور تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ اس کی تعلیم تمہارے ذمہ ہے، میں خواب سے بیدار ہوتے ہی چھٹی کے ایام پورے ہونے کا انتظار کئے بغیر یہاں چلا آیا کہ کہیں تم آ کر واپس نہ چلے جاؤ، کئی روز سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں''

وہ بڑے استاذ تھے، بڑی کتابیں پڑھاتے تھے، مگر میری تمام کتابیں انہوں نے اپنے ذمہ لے لیں۔

تعلیم کا اس طرح انتظام ہونے کے بعد وہ فرشتہ رحمت حافظ جی مجھ کو ایک محلہ میں لے گئے، وہاں مسجد میں امام کی جگہ خالی تھی، میری بڑی تعریف کر کے مجھ کو وہاں رکھوادیا، امام کو وہاں پانی بھرنا، جھاڑو دینا اور اذان دینا بھی پڑتا تھا، مگر محلہ کے لوگوں نے یہ سب کام اپنے ذمہ لے لئے، مجھ کو صرف نماز پڑھانی پڑتی تھی، امام کا کھانا محلہ سے مقرر تھا، ہفتہ بھر باری باری ایک ایک گھر سے کھانا آتا تھا، پہلے دن جو کھانا آیا وہ بہت معمولی تھا، میں نے کہا: یا اللہ! تو نے جنگل بیابان میں بھی اچھے سے اچھا کھانا کھلایا۔

ایسا کھانا تو میں نہیں کھاؤں گا، اس کو لے کر طاق میں رکھ دیا اور کوئی سائل آیا تو اس کو دے دیا، رات کو بھی یہی ہوا، تین روز تک فاقہ رہا اور یہی معاملہ کرتا رہا، محلہ کے ایک معمر بزرگ نہایت عبادت گذار تھے، وہ اکثر اوقات مسجد میں ہی مشغول عبادت رہتے تھے، رات کا اکثر حصہ بھی مسجد ہی میں گزارتے تھے، جب تین روز اسی طرح گذر گئے تو چوتھے دن بعد نماز فجر مسجد خالی ہوتے ہی میرے قریب آئے، میں مطالعہ میں مشغول تھا، مجھ سے کہا، مولوی صاحب تم کھانا نہیں کھاتے ہو، میں نے کہا بغیر کھانے کے کیسے زندہ رہتا ہوں، انہوں نے کہا: نہیں، تین روز سے میں دیکھ رہا ہوں تم نے کبھی کھانے کو منہ سے نہیں لگایا، کھانا آتا ہے، اس کو طاق میں رکھ دیتے ہو پھر کوئی فقیر آتا ہے تو اس کو اٹھا کر دیدیتے ہو، تم سچ کہو: کیا بات ہے؟ میں نے ان بزرگ کے اصرار پر سچی سچی بات کہہ دی کہ میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ میں ایسا کھانا نہیں کھاؤں گا، اس نے مجھ کو ہمیشہ اچھے سے اچھا کھانا کھلایا ہے، ان بزرگ نے مجھ سے کہا: انشاء اللہ اب تم کو ایسی تکلیف نہ ہوگی اور محلہ کے

باری والوں کو جمع کر کے سارا حال کہہ سنایا اور میری بڑی تعریف کی اور کہا کہ یہ اور اماموں کی طرح نہیں، ان کی قدر کرو، تم ایسا سمجھو کہ کسی پیر بزرگ کی ہفتہ میں ایک دن دعوت کر رہا ہوں، سات گھروں سے کھانا باری باری ایک دن آتا ہے، اس دن سے اعلیٰ اعلیٰ کھانے آنے لگے اور پھر کبھی کھانے کی تکلیف نہ ہوئی۔

ادھر تعلیم کا یہ حال ہوا کہ میرے استاذ نے مجھ کو خود پڑھانا شروع کیا، ہر کتاب میں اور طلبہ کو بھی لیا؛ تا کہ جماعت میں میرا جی لگے اور تعلیمی سہولت اور دلچسپی زیادہ ہو، مگر میں اپنے ساتھیوں کے لئے باعث اشکال ہو گیا، میں نے بہت بہت یاد کر کے سنانا اور زیادہ زیادہ پڑھنا شروع کیا، کوئی ساتھی میرے ساتھ نہیں چل سکتا تھا، استاد نے مجھ کو سب ساتھیوں سے الگ پڑھانا شروع کر دیا، بہت کتابیں میں نے وہاں پڑھیں، اور جتنا حصہ وہاں مقدر تھا، حاصل کر کے پانی پت چلا آیا، یہاں حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنا شروع کیا علوم عربیہ کے علاوہ قرآن پاک با تجوید وقرأت، اور مسائل تجوید کی کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔

مولانا الطاف حسین حالی مرحوم مصنف مسدس حالی سے فارسی کی تکمیل کی، وہ اور سب ہی اساتذہ مجھ کو اپنی اولاد کی طرح مانتے تھے، حالی روشن خیال، تجدد نواز، سرسید کے مشیر کار اور ہم خیال تھے، انہوں نے مجھ سے کہا تم لاہور یونیورسٹی چلے جاؤ، وہاں عربی فارسی کے شعبہ میں داخل ہو کر تکمیل کی سند لے لو، وہاں میرا بہت عمل دخل ہے، میں سفارش کا خط لکھ کر تم کو دیتا ہوں، وہاں بآسانی داخلہ ہو جائے گا، آج سے تعلیم کا پورا زمانہ پھر ملازمت ملنے تک تیس روپے ماہوار تم کو میں اپنی جیب سے دوں گا؛ چنانچہ بہت اصرار کر کے اپنا خط دے کر مجھ کو لاہور کے لئے آمادہ اور روانہ کیا، اس خط میں انہوں نے لاہور یونیورسٹی کے پرنسپل کو لکھا کہ تم ایسا سمجھنا کہ خیر الدین نہیں ہے، الطاف حسین حالی آیا ہے، میں خط لے کر چلا، راستہ میں ایک نورانی قافلہ ملا، اس سے پوچھا کہاں جاتے ہو قافلہ والوں نے کہا دیوبند جاتے ہیں، وہاں حدیث پڑھیں گے، وہاں سب سے بڑے عالم حضرت مولانا محمود حسن محدث پڑھاتے ہیں اور بھی سب ہی اساتذہ ماہر علم وفن ہیں، میں لاہور کی بجائے اسی قافلہ کے ساتھ دیوبند چلا آیا اور یہ خیال کیا کہ علم حدیث اور دیگر علوم دینیہ کی تکمیل دیوبند میں کر کے پھر لاہور آ جاؤں گا، حالی کے خط کو اپنے پاس رہنے دیا، مگر جب دیوبند آیا تو لاہور

کا خیال ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔

دیوبند کا ابتدائی دور تھا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں وہیں مدرس تھے، ''ہدایہ اخیرین'' ان کے پاس ہوتی تھی، میں نے ''ہدایہ اخیرین'' انہیں سے پڑھی، مجھ کو بہت مانتے تھے، فقہ پر مجھ کو پہلے سے عبور تھا، پھر میں محنت اور مطالعہ بھی بہت کرتا تھا، اس زمانہ میں کئی کئی مرتبہ کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کے بعد لوگ دیوبند علم میں کمال حاصل کرنے آتے تھے، اس لئے اساتذہ کو بھی بہت مطالعہ میں تیاری کرنی پڑتی تھی، میری استعداد کے سب ہی اساتذہ معترف تھے، ''ہدایہ اخیرین'' میں سب سے مشکل چیز صورت مسئلہ کی ہوتی ہے، جس دن مشغولیت کی وجہ سے مولانا خلیل احمد صاحب پورا مطالعہ کر کے نہ آتے اور ذی استعداد طلبہ سوال کرتے اور صورت مسئلہ کی پوچھتے تو مولانا میری طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے کہ خیر الدین تم صورت مسئلہ کی بیان کر سکتے ہو؟ میں عرض کرتا: جی ہاں حضرت، اور فرفر بیان کر دیتا، جس سے بہت خوش ہوتے۔

دورۂ حدیث میں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندی قدس اللہ سرہ العزیز سے پڑھا، میرے شریک دورہ حضرت مولانا صدیق احمد رحمۃ اللہ علیہ تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ بڑے بھائی تھے، اس وقت مولانا حسین احمد مدنی نوعمر تھے ابتدائی عربی کی کتابیں خود حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے تھے، شیخ الہند ابتدائی کتابیں نہیں پڑھاتے تھے، یہ صرف انہیں کی خصوصیت تھی کہ ابتدا سے ان کو خود حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا اور اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے، میں جب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر جاتا تو مولانا حسین احمد صاحب کو وہاں دیکھتا، وہیں وہ رہتے تھے، مولانا موصوف کا حافظہ غضب کا تھا، بچپن میں مجھ کو شیخ الہند کے مکان پر آتے جاتے دیکھا تھا اور بوڑھاپے میں (۶۵ سال کی عمر میں) جب گیا ہمارے مدرسہ کے جلسہ میں پہلی مرتبہ تشریف لائے ہیں اور میں ملنے آیا ہوں تو دور سے جا کر ہاتھ پکڑ لائے اور جب میں اپنا تعارف کرانے لگا تو فرمایا کہ میں پہچان گیا ہوں؛ اسی لئے تو اتنی دور سے لپک کر آپ کو لایا ہوں، آپ شیخ الہند کے مکان پر تشریف لاتے تھے، اس وقت میں ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا، آپ میرے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ

اللہ علیہ کے ساتھ شریک دورہ تھے۔

دیوبند سے فارغ ہو کر کانپور چلا آیا، اس زمانہ میں مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مدرسہ اول مدرسہ فیض عام کا معقولات میں بہت شہرہ تھا، میں نے وہاں رہ کر معقولات کی تکمیل کی۔

کانپور میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب میرے ساتھی تھے اور ان کے مرید مولانا حافظ بشارت کریم صاحب گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ نیچے کی کتابیں پڑھتے تھے، فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں مدرس ہو گیا، وہاں بہت لوگوں نے مجھ سے پڑھا اور بعد میں اپنے زمانہ کے آفتاب و ماہتاب ہوئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا شاہ محمد عارف صاحب ہر سنگھ پوری دربھنگوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) مولانا مشتاق احمد کانپوری صاحبزادہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپور رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) مولانا حافظ نثار احمد صاحب کانپوری صاحبزادہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) مولانا محمد سہول صاحب سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ وصدر مفتی دار العلوم دیوبند (انہوں نے بہت کتابیں مجھ سے پڑھیں)

(۵) مولانا مبارک کریم صاحب ڈائرکٹر تعلیمات بہار گورنمنٹ۔

(۶) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (انہوں نے گیا میں خود اپنا تعارف اس طرح کرایا کہ میں آپ کا شاگرد ہوں قیام کانپور کے زمانہ کا)

(۷) حضرت مولانا حافظ بشارت کریم صاحب گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ (انہوں نے شوق اور محنت سے کنز الدقائق مجھ سے پڑھی)

کانپور کے قیام کے زمانہ میں میرے ایک دوست دار العلوم دیوبند اور فیض عام کان پور دونوں جگہ کے ساتھی مولانا الحاج شاہ ولایت حسین صاحب دیوروی گیاوی نے مجھ کو ملاقات کے لئے گیا بلایا، یہاں ایک بڑے عالم حضرت مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے، یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور انگریزوں کے بڑے دشمن تھے۔

سرحد کے رہنے والے تھے، گیا میں مدرسہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ چوک میں شہابو درزی کی مسجد سے متصل مکان میں قائم کیا تھا، جس کا بہت فیض جاری ہوا، یہ مولانا شاہ ولایت حسین صاحب انہیں کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، انہیں سے پڑھ کر دیوبند گئے تھے، دیوبند میں ان سے میری بڑی گہری دوستی ہوگئی اور پھر تا زندگی باقی رہی، انہوں نے ملاقات کے لئے کانپور سے مجھ کو گیا بلایا، یہاں حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولایت حسین صاحب کے استاذ کو ایک عالم داماد کی ضرورت تھی، انہوں نے ان سے میرا تذکرہ کر کے وعدہ کرلیا اور مجھ کو پہلے سے خبر نہ کی، میں جب گیا پہونچا تو مجھ سے کہا کہ یہاں تمہاری شادی کرنا ہے، ایسا گھرانہ تم کو اور کہیں نہ ملے گا، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کرایا، میں نے کہا میں تم سے ملنے آیا ہوں، شادی کرنے نہیں آیا ہوں، انہوں نے کہا: اب جو بھی ہو شادی تو اب کرنی ہی پڑے گی، میں نے کہا میں شادی کے قابل پیسے لے کر نہیں آیا ہوں، انہوں نے کہا پیسہ کچھ خرچ نہیں ہوگا، نہ لینا ہے نہ دینا ہے، بہت متشرع لوگ ہیں، بالکل سادگی سے شادی ہوگی اور ولیمہ میں اپنے خرچ سے کروں گا، میں نے کہا کہ میرے والد زندہ ہیں، وہی جہاں چاہیں گے شادی کریں گے، بغیر ان کی مرضی کے میں کچھ نہیں کروں گا، انہوں نے کہا: ابھی خط لکھ کر میں ان کی مرضی حاصل کر لیتا ہوں، چنانچہ چند روز کے بعد والد صاحب مرحوم کی رضامندی کا جواب آ گیا اور میرے دوست مولانا شاہ ولایت حسین صاحب مرحوم کی تدبیر اور کوشش کامیاب ہوگئی۔

یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے خادم خاص تھے، ''تذکرۃ الرشید'' میں بعض احوال ان کی روایت سے بھی درج ہیں، اسی جگہ حاشیہ پر ان کا نام درج ہے، انہیں کا واقعہ ہے کہ پچھلی شب میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے رہائشی مکان پر کسی ضرورت سے گئے اور آواز دی، اندر سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کون؟ انہوں نے کہا: ولایت! حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سیدھے ولی ہی کیوں نہیں کہہ دیتے۔

شادی کے بعد میں کانپور واپس آیا اور اشغال درس و تدریس میں مشغول ہوگیا۔

کچھ دن کے بعد یہ واقعہ پیش آیا شاہ التفات احمد صاحب ردولوی سجادہ نشیں خانقاہ شاہ عبد الحق صاحب ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے لڑکے شاہ حیات احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے لئے

اچھے استاذ اور مربی کی ضرورت ہوئی، وہ لڑکا کسی سے پڑھتا ہی نہ تھا، آخر تنگ آکر شاہ التفات احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کانپور خط لکھا کہ اپنے کسی اچھے مدرس کو عارضی طور سے ردولی شریف بھیج دیجئے، اگر حیات احمد کی تعلیم وتربیت ان کی برکت سے ہوگئی تو میں تاعمر آپ کا احسان مند رہوں گا، بہت غور وفکر کے بعد مولانا کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی؛ کیوں کہ درسی صلاحیت میری وہاں بہت مشہور تھی اور یہ کہ میں جس طرح بڑی سے بڑی کتابیں شوق وذوق سے پڑھاتا تھا، چھوٹی اور بالکل ابتدائی کتابیں بھی اسی طرح پڑھا سکتا تھا اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بھی میری شہرت تھی، میں اپنے استاذ مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ردولی شریف چلا آیا،، میرے ساتھ بعض اچھے طلبہ بھی کانپور سے ردولی آئے، مجھ کو رہائشی مکان بھی بہت آرام دہ ملا، اس میں بال بچوں کے ساتھ عرصہ تک رہا، میں جہاں رہا وہیں کتابیں خرید خرید کر جمع کیں، کانپور میں بھی کتابوں کی الماری بھر گئی تھی، جو وہیں رہ گئی، ردولی میں بھی بہت کتابیں جمع کیں وہ بھی وہیں چھوڑ دیں۔(۱)

جب میں ردولی پہونچا تو شاہ التفات احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ حیات احمد صاحب کو میرے سپرد کر دیا اور ایک کمرہ میں تعلیم کی جگہ متعین کی، لڑکا آکر بیٹھا میں نے اس کو اپنے پاس بلایا اور کہا: پڑھ، میں نے کئی مرتبہ کہا، مگر ایک مرتبہ بھی نہیں پڑھا اور نہایت لاابالی پن سے بیٹھا کھیلتا رہا میں نے سوچا کہ یہی صاحبزادگی کا مرض ہے، جو اس کو پڑھنے نہیں دیتا، جو استاذ آتا ہے، شاہ صاحب کی شان ریاست سے مرعوب ہو کر کچھ کہتا نہیں ہے، وہ استاذ نہیں ہوتا، یہی اس کا استاد بن جاتا ہے اور خوشامد کی وجہ سے وہ اس کا کچھ علاج نہیں کر سکتا، اگر میں نے بھی وہی معاملہ رکھا تو میرے یہاں آنے کا کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوگا اور مثل مشہور ہے کہ ''گربہ راروز اول باید کشت'' اگر آج علاج نہ کیا گیا تو پھر کبھی نہ ہو سکے گا، میں نے سوچتے ہی ایک طمانچہ بھرپور اس کو رسید کیا اور پھر زور سے ڈانٹ کر کہا کہ پڑھ، پہلے دیر تک روتا اور خوف سے کانپتا رہا؛ کیوں کہ آج تک اس کو اس کی نوبت نہ آئی تھی، جب رودھولیا تو پھر میں نے ڈانٹ کر کہا: پڑھ، اب فرفر پڑھنے لگا، اس روز سے جو

(۱) نوٹ از مرتب (قاری قسیم الحق گیاوی): گیا کے رہائشی مکان میں بھی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، جو خود والد صاحب کے وصال کے بعد والدہ کے حکم سے مدرسہ میں مع الماریوں کے داخل کر دیا گیا۔

زبان چلی ہے تو پھر کبھی نہ رکی ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر یہ ہوا کہ دائی، مامائیں نوکر چاکر جو صاحبزادہ کی خدمت کے لئے وہاں موجود تھے، سب نے اندر حویلی میں جا کر خبر کی اور ساری حویلی میں کہرام مچ گیا، شاہ التفات احمد صاحب کو اندر بلایا گیا، بیگم صاحبہ بہت خفا ہوئیں، کس قصائی کو بلا لیا ہے، میرے بچے کی جان لے لے گا، جان ہے تو جہاں ہے، بچہ زندہ رہے گا تو بہت پڑھ لے گا، اس قصائی استاد کو جلدی ہٹاؤ، میں اس کو نہیں رہنے دوں گی، آج تک کسی استاد نے میرے بچہ کو انگلی تک نہیں لگائی، یہ کیسا ظالم استاد بلا لیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

شاہ صاحب نے فرمایا خبردار! ان کی شان میں گستاخی نہ کرنا، استاد تو اب مجھ کو ملے ہیں، اب میرا بچہ پڑھ لے گا، تم بیچ میں دخل دوگی تو اچھا نہ ہوگا، تم نے ہی اب تک میرے بچہ کو جاہل رکھا ہے، پھر شاہ صاحب باہر میرے کمرہ میں آئے اور بہت خوشی کا اظہار کیا، اندر سے باہر تک جو کہرام مچا ہوا تھا، میں اس کو سن رہا اور دیکھ رہا تھا اور میں دل میں طے کر چکا تھا کہ شاہ التفات احمد صاحب نے اس واقعہ پر ذرا بھی بے التفاتی برتی تو میں اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا؛ لیکن خلاف توقع شاہ صاحب نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور کہا کہ ''مولانا! استاد تو اب آپ آئے ہیں، اب تک جو بھی آیا کوئی استاد نہ تھا، میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اگر بچہ کی جان بھی چلی جائے گی تو میں آپ پر کوئی دعوی نہ کروں گا، نہ کسی ناگواری کا اظہار کروں گا، آپ کو پورا پورا اختیار ہے، جس طرح چاہیں پڑھائیں جس طرح چاہیں سزا دیں''۔

اس دن سے پھر کبھی بچہ کو ڈانٹنا بھی نہ پڑا اور خوب خوب پڑھتا رہا، جب وہ سجادہ نشیں بن کر بیٹھا تو اس وقت تک پہلے دن کی مار اور ڈانٹ کا رعب اس کے دل سے نہ نکلا، جب کبھی گیا سے اس کی طلبی پر ملنے ردولی گیا تو اس کے ادب واحترام کا حال وہی دیکھا جو ابتداء میں تھا۔

اس کی فراغت کے بعد حضرت مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو گیا میں روک کر اپنے مدرسہ اسلامیہ میں (جو آج اسلامیہ قاسمیہ کے نام سے ترقی کر رہا ہے) مدرس رکھ لیا، اور مجھ کو وصیت کی کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت پر میں نے گیا کو اور اس مدرسہ کو نہیں چھوڑا اور ہمیشہ اس کی خدمت کی، اب میں یہ تمہارے حوالہ کرتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ اس کو کبھی نہ چھوڑنا؛ چنانچہ بڑی سے بڑی تنخواہوں کی جگہ مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسہ شمس

الہدیٰ پٹنہ وغیرہ سے آئی، مگر میں نے کسی طرف رخ نہ کیا اور زندگی اسی کی خدمت میں گذار دی اور مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی اس امانت کو مضبوطی سے پکڑے رہا۔

وطن حضرو کا سفر

گیا کے قیام سے پہلے اور اس کے بعد جب تک میرے پیرومرشد حضرت میاں فضل الٰہی قادری حضروی رحمۃ اللہ علیہ زندہ رہے، بلا ناغہ ہر سال ایک مرتبہ اپنے وطن حضرت پیرومرشد کی زیارت کے لئے پابندی سے جاتا رہا؛ حالاں کہ آنے جانے پر کثیر اخراجات ہوتے تھے، جو میری طاقت برداشت سے زیادہ ہوتے تھے، مگر میری پوری زندگی کا دارومدار ہمیشہ توکل ہی پر رہا ہے جب وہاں حاضری کا وقت آتا اور میرے پاس اخراجات سفر کے لئے کچھ بھی نہ ہوتا، میں اپنے پیرو مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک خط لکھتا، حضرت کی زیارت کے لئے حاضری کا شوق ہے، مگر ظاہری اسباب نظر نہیں آتے، وہاں سے جواب آتا، اللہ پر بھروسہ کرو اور چلے آؤ، ادھر سے جواب آتا اور ادھر قادر مطلق مسبب الاسباب غیب سے اسباب مہیا فرمادیتے اور میں روانہ ہوجاتا، حضرت کے وصال کے بعد پھر وہ بات ختم ہوگئی اور آنے جانے کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔

ایک مرتبہ حاضری کا وقت آیا تو میں سخت بیمار تھا، بچنے کی امید نہ تھی، لب فراش تھا، اٹھنا بیٹھنا مشکل تھا، وہاں اپنا حال لکھا، جواب آیا خدا پر بھروسہ کرو اور روانہ ہوجاؤ، جواب پاتے ہی متوکل علی اللہ ڈولی میں لد کر اسٹیشن آیا اور دو چار آدمی نے مل کر کسی طرح گاڑی میں سوار کردیا، گاڑی جیسے جیسے آگے بڑھتی رہی، میری صحت لوٹتی رہی، یہاں تک کہ جب وطن پہونچا اور پیرومرشد کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت تک نہ صرف یہ کہ مکمل صحت ہوچکی تھی؛ بلکہ ضعف ونقاہت بھی کلیۃً دور ہوکر اچھا خاصا تندرست وتوانا ہوچکا تھا، حضرت نے مسکرا کر فرمایا:

> ''تم نے لکھا تھا کہ بہت بیمار ہو، تم تو ماشاء اللہ بالکل اچھے ہو، میں نے ادب سے سر جھکالیا اور عرض کیا حضرت کی دعاء اور توجہ کی برکت ہے''

ایک مرتبہ اپنے پیرومرشد کی خدمت میں حاضری کے لئے حضرو حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ

حضرت اپنے پیرومرشد حضرت اخوند صاحب کی خانقاہ صوات بُنیر تشریف لے گئے ہیں، میں فوراً وہاں کے لئے روانہ ہوگیا، وہ جگہ حضرو سے بہت دور ہے اور راستہ بہت خطرناک، پہاڑوں میں سے ہوکر راستہ ہے، ہر جگہ راستہ میں ڈاکو اور رہزنوں کے خطرات ہیں، تن تنہا متوکل علی اللہ روانہ ہو گیا، وہاں ایسے راستوں میں گدھے کی سواری کرایہ پر چلتی ہے، میں نے ایک گدھا کرایہ پر لیا گدھے والا نیک آدمی تھا، ہر طرح ہمدردی اور رہنمائی کرتا ہوا ساتھ ساتھ پیدل چلتا تھا، ایک جگہ پہونچ کر اس نے کہا کہ یہاں سے راستہ اس پہاڑ کے گرد گھوم کر پہاڑ کی اس جانب پہونچتا ہے، میں پہاڑ پر چڑھ کر اس پار جلدی سے پہونچ جاؤں گا اور تمہارا انتظار کروں گا، تم گدھے پر اس گھومتے ہوئے راستہ سے وہیں آجاؤ، گدھے والا تو چلا گیا، مگر میں گدھے پر سوار تھوڑا ہی آگے بڑھا ہوں گا کہ ایک درہ میں سے ڈاکوؤں کا ایک گروہ نکلا اور اس نے مجھ کو بہت تنگ کیا، میرے پاس جو کچھ تھا، سب رکھوالیا اور اس کے بعد جان کی باری تھی رحم کا کوئی شائبہ ان کے اندر نہ تھا، میں نے پریشانی کے عالم میں سر جھکالیا اور عمل برزخ (تصور شیخ کا عمل) کیا، اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہی ظالم ڈاکو سراپا رحم وکرم بنے ہوئے، تھر تھر کانپ رہے ہیں، کوئی قدم چومتا ہے، کوئی ہاتھ چومتا ہے، جتنا سامان مجھ سے جبراً لیا گیا تھا، سب واپس دے کر نہایت ادب اور لجاجت سے کہا کہ اس میں سے صرف ایک روپیہ اپنے ہاتھ سے ہم کو عطیہ دیدیجئے، ہم اس کو تبرک بنا کر رکھیں گے، انہیں میں ڈاکوؤں کا سردار بھی تھا، وہ اپنے ساتھ مجھ کو اپنے گھر لے گیا، وہ اسی پہاڑ کی بلندی پر نہایت پر تکلف بنگلہ میں رہتا تھا، اس نے میری بڑی خاطر تواضع کی، کھلایا پلایا اور بہت مدارات کی، میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی، دل ہی دل میں کہتا تھا، الٰہی یہ کیا ماجرا ہے، اچانک یہ کیسی کایا پلٹ ہوئی، وہ سب کے سب بار بار معافی چاہتے تھے اور مجھ سے اقرار لیتے تھے کہ میں نے ان کو معاف کردیا فرط حیرت سے مجبور ہوکر میں نے اس سردار سے دریافت کیا کہ پہلے تو تم نے میرے ساتھ وہ معاملہ کیا، مگر پھر اچانک کیا بات ہوئی کہ تم اتنی معافی چاہتے ہو اور اس قدر مہربان ہو گئے ہو، اس نے کہا حضرت! ہم نے آپ کو پہچانا نہ تھا جب آپ آنکھ بند کر کے جھکائے بیٹھے تھے، اس وقت ہم نے آپ کو غور سے دیکھا تو پہچانا کہ آپ حضرت میاں صاحب ہیں (اب میری سمجھ میں آیا کہ تصور شیخ کی برکت سے حضرت کی توجہ خصوصی مبذول ہوکر میری صورت حضرت پیرومرشد رحمۃ اللہ علیہ

کی صورت سے تبدیل ہوگئی، جس کی مجھ کو بھی خبر نہ تھی اور ان ڈاکوؤں کے کہنے سے یہ عقدہ کھلا) پھر اس سردار نے اپنے متعدد قوی وتوانا ڈاکوؤں کو میرے ساتھ کر دیا کہ بحفاظت تمام حضرت کو صوات تک پہونچادو اور خبردار! راستہ میں کہیں ڈاکوؤں سے ان کو تکلیف نہ پہونچے، وہ سارا راستہ ڈاکوؤں سے بھرا ہوا تھا اور وہ سردار علاقہ بھر کے ڈاکوؤں کا سردار تھا، اس نے ایک پروانہ بھی لکھ کر ساتھ کر دیا؛ تاکہ اگر راستہ میں شریر ڈاکوؤں کا کوئی گروہ پھر گھیرے تو سردار کا وہ پروانہ ان کو دکھلا دیا جائے، اس کے بعد وہ کچھ نہ کرسکیں گے، میں ان ڈاکوؤں کے ساتھ بعافیت صوات بنیر پہونچ گیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ ''بندۂ خدا! آنا ہی تھا تو مجھ کو اطلاع کر دیتے، میں ڈاکوؤں کے سردار کو خبردار کر دیتا تو پھر کوئی خطرہ پیش نہ آتا، یہ راستہ بہت خطرناک ہے، اللہ کا فضل ہوا کہ بچ کر چلے آئے''، میں نے عرض کیا کہ ''بے شک ''فضل الٰہی'' کی برکت ہی سے جان بچی ہے اور پھر سارا قصہ سنایا، حضرت کو کشف ہوگیا تھا، دیر سے منتظر بیٹھے تھے اور میرے لئے کھچڑی پکوا کر رکھی تھی؛ چوں کہ اس وقت میرے معدہ میں کچھ گڑبڑ تھی؛ حالاں کہ میں نے اس کی کوئی اطلاع نہیں کی تھی بڑی شفقت سے مجھ کو کھچڑی کھلائی۔

میں ایک مرتبہ وطن گیا تو ایک عالم مجھ سے ملنے آئے اور بہت تعارف کرایا، مگر میری سمجھ میں نہ آیا تب انہوں نے عمامہ اتار کر اپنا سر دکھلایا تو اس میں ایک بہت گہرا نشان پڑا ہوا تھا، یہ دکھا کر یاد دلایا کہ فلاں زمانہ میں تم نے مجھ کو اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا اور میرا سر پھٹ گیا تھا، اس کا نشان اب تک نہیں گیا ہے، تب مجھ کو پورا قصہ یاد آیا، وہ قصہ یہ ہے کہ اسی زمانہ میں جبکہ لوگ مجھ سے فقہ میں مناظرہ کرنے آتے تھے، یہ صاحب بھی ایک دن اسی غرض سے پہونچے اور مناظرہ کرنے لگے، جب اس میں چل نہ سکے تو بولے کہ کشتی میں میرا مقابلہ کرلو تو جانیں، یہ صاحب پہلوان تھے، میں پہلوان تو نہ تھا، مگر دو ایک داؤ مجھ کو بھی معلوم تھے، میں نے کہا: اچھا کشتی ہی میں مقابلہ کرلو، میں نے سوچا کہ اگر میں نے داؤ پیچ کرنے کا موقع دیا تو یہ مجھ کو مارلیں گے؛ کیوں کہ پہلوان ہیں، بہت داؤ پیچ سے واقف ہیں، بس میں نے بلاتوقف جھٹ پٹ ان کو اٹھا کر گھمایا اور اپنی پیٹھ پر لے جا کر زور سے زمین پر دے مارا، اس کو دھوبیا پاٹ کہتے ہیں، یہ داؤ میں اچھی طرح جانتا تھا، یہ صاحب زمین پر چت گرے اور سر ایک پتھر پر لگا اور پھٹ گیا خون نکلا، اسی

زمانہ کی یادگار ان کے سر کا وہ نشان تھا، جو انہوں نے مجھ کو دکھلا کر اپنا تعارف کرایا، وہ بڑی محبت سے مجھ سے ملنے آئے تھے۔

میرا گھر

میرے والد صاحب نے اپنا ایک گھر خاص مجھ کو دیا تھا، میں نے وہ گھر اپنی بہن کو رہنے کے لئے دے دیا، ان کا نام تھا صاحب نور، ان کا جب انتقال ہوگیا تو وہ گھر میں نے اپنے چھوٹے بھائی محمد دین کو دے دیا، زندگی بھر وہ اس میں رہا اور اب اس کے بال بچے اس میں رہتے ہیں، میں چار بھائی بہن تھا، سب سے بڑا میں خیر دین، منجھلا فضل دین، چھوٹا محمد دین اور بہن صاحب نور فضل دین گیا بھی مجھ سے ملنے آیا تھا، میرے چھوٹے بھائی محمد دین کا بڑا لڑکا غلام رسول بھی گیا آ کر کچھ عرصہ تک میرے پاس بغرض تعلیم رہا ہے۔

بزرگوں سے گہرے روابط

اپنے زمانہ کے تمام بزرگوں سے میرے گہرے روابط رہے ہیں، جب میں کانپور میں تھا، اس وقت مولانا اشرف علی صاحب مدرسہ جامع العلوم میں تھے، فجر کی نماز ان کے پیچھے پڑھا کرتا تھا، وہ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے، حضرت گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بار بار حاضری دیتا تھا، وہ بھی مجھ پر بہت کرم فرمایا کرتے تھے، میرا آنا جانا انبالہ بھی ہوتا تھا، وہاں ایک بزرگ تھے سائیں توکل شاہ صاحب، انبالہ پنجاب میں ہے، سہارنپور کے بعد ہی پنجاب کا سب سے پہلا ضلع، یہ بزرگ پڑھے لکھے نہ تھے، مگر بڑے بڑے علماء مرید تھے اور علماء وقت حاضری دیا کرتے تھے اور علمی فیوض حاصل کرتے تھے، وہ یہاں تک بتلا دیتے تھے کہ یہ حدیث موضوع ہے، یہ حدیث صحیح، مجلس میں بیٹھے ہر وقت درود شریف پڑھا کرتے تھے، ہاتھ میں تسبیح ہوتی تھی، جس پر درود کا ورد کیا کرتے، جس وقت کہتے اللھم صل تو منہ سے ایک خوشبو نکلتی، جو سارے کمرے میں پھیل جاتی۔

میرا گہرا تعلق مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ (۱) سے بھی تھا، ایک مرتبہ رمضان میں ان کی

(۱) بانیٔ ندوۃ العلماء لکھنؤ یوپی وخانقاہ رحمانیہ مونگیر بہار۔ (اعظم)

خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ وہ قادیانیت کے خلاف کوئی کتاب لکھ رہے ہیں، میں نے عرض کیا حضرت یہ تو عبادت کا مہینہ ہے، اس میں تو علمی مشاغل کو ترک فرمادیا کریں، فرمایا: مولوی صاحب قادنیانیت اسلام کے لئے وقت کا بدترین فتنہ ہے، اس وقت اس کے استیصال کے لئے ہر کوشش اہم ترین عبادت ہے۔

قیام کانپور کے زمانہ میں طالب علمی سے لے کر مدرسی تک ہم تین آدمی آپس میں بے حد تعلق رکھتے تھے، میں، مولانا حافظ بشارت کریم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیر حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، طالب علمی کے زمانہ میں بہت سے طلبہ مولانا بشارت کریم رحمۃ اللہ علیہ سے دوستی کرنا چاہتے تھے، چوں کہ وہ باطنی کمالات کے ساتھ ظاہری حسن صورت بھی بدرجۂ کمال رکھتے تھے، بہت خوب صورت تھے، گلاب کی طرح چہرہ، مگر وہ کسی کو آنکھ نہ لگاتے تھے، بس ہم ہی تینوں کے شبانہ یوم روابط تھے، جو تا زندگی باقی رہے، جب تک مولانا غلام حسین صاحب زندہ رہے کانپور ان سے ملنے جاتا رہا اور مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گڑھول ہر سال حاضری دیتا رہا۔

ایک مرتبہ دربھنگہ کے ایک رجسٹرار صاحب، جو گیا بدل کر آئے تھے اور مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے وہ میرے پاس برابر آتے جاتے تھے، گیا سے گڑھول میرے ساتھ گئے، حجرہ میں ہم لوگ بیٹھے تھے، مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے گفتگو کرنے میں مشغول تھے، اثناء گفتگو اچانک ان رجسٹرار صاحب کی طرف منہ کر کے فرمایا:

”رجسٹرار صاحب آپ لوگ تو ان کو محض ایک معمولی مولوی صاحب سمجھتے ہوں گے، مگر میں (اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر) ان کی قدر جانتا ہوں“

ایک مرتبہ حاضر ہوا، ناشتہ کے بعد ہم لوگ ایک طرف بیٹھے تھے، میرا جی پان کھانے کو چاہا ،مولانا دوسری طرف اپنے صاحبزادوں کو پڑھانے میں مصروف تھے۔

اچانک اسی وقت ایک صاحبزادے پان لئے ہوئے پہونچے اور کہا:

”ابا نے آپ کو پان دیا ہے، میں نے کہا، جاؤ ابا سے کہہ دو کہ میں تو آپ کا پہلے سے معتقد ہوں، میرا جی ابھی پان کھانے کو چاہا تھا کہ آپ کو

کشف ہوگیا‘‘

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو فرمایا کہ

’’مولوی صاحب! آپ پر آپ کے پیر و مرشد کا پورا قبضہ ہے میں نے کئی مرتبہ آپ کے قلب کی طرف توجہ کی، مگر اس پر کچھ اس طرح آپ کے پیر چھائے ہوئے ہیں کہ کسی دوسرے کی گنجائش نظر نہ آئی‘‘

سرحد کے ایک مولانا عبید اللہ صاحب تھے، وہ کوٹھی ضلع گیا میں عرصہ تک رہے ہیں، اس ضلع میں ان کے بہت مرید ہیں، ان کو مجھ سے بہت گہرے روابط تھے، گیا سے جب گذرتے مجھ سے ضرور ملتے۔

مولوی عبدالسمیع صاحب بہورا ضلع بلیا کے ایک پیر تھے، ان کے کچھ مرید گیا میں بھی تھے، جب گیا آتے مجھ سے ضرور ملتے۔

عرصہ کے بعد اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے دیوبند گیا، وہ مالٹا سے آکر سخت بیمار تھے، ڈاکٹروں نے ملنے جلنے پر پابندی لگادی تھی، دروازہ پر مولانا عزیز گل صاحب سرحدی جیسے کڑے جان نثار سپاہیوں کا پہرہ تھا، جب پہونچا تو مولانا عزیز گل صاحب نے بہت سختی سے روکا، مگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مجھ پر پڑ گئی، بڑی شفقت سے فرمایا: ’’یہ بہت دن پر آئے ہیں ان کو آنے دو‘‘، پھر پاس بٹھا کر باتیں کرتے اور حال پوچھتے رہے۔

میرا اپنا حال یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو امامت کے لائق نہیں سمجھتا، مجھ سے لوگ جب کہیں نماز میں آگے بڑھنے کو کہتے ہیں، میں نہایت صفائی سے کہہ دیتا ہوں: میں نماز پڑھانے کے لائق نہیں ہوں میرے نفس میں خبث ہے۔

یہ محض اپنے بزرگوں کی توجہ کا اثر ہے کہ جب سے بالغ ہوا ہوں کبھی تہجد کی نماز ناغہ نہیں ہوئی، تہجد کے لئے نہ اٹھنے پر قدرت نہیں، کسی جلسہ سے یا کسی سفر سے نصف شب کے بعد ڈیڑھ بجے، دو بجے بھی واپس پہونچوں تو تھوڑی دیر سو کر وقت پر آنکھ کھل جاتی ہے، یہ اللہ کا فضل ہے، الحمد اللہ بلوغ کے وقت سے پنج گانہ نمازیں مسجد میں با جماعت ادا کرتا ہوں۔

قیام گیا کے بعد کے حالات

یہاں تک جو کچھ احوال وواقعات بیان کئے گئے، وہ سب حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنے ہوئے اور خود انہیں کے بیان کردہ واقعات واحوال ہیں، قیام گیا کے بعد حالات زندگی کا تحریر کرنا دشوار اس لئے ہے کہ انہوں نے خود ان پر کبھی روشنی نہیں ڈالی اور ان کی زبان سے کچھ سننے میں نہیں آیا اور نہ ان سے واقفیت رکھنے والا مکمل طور پر کوئی موجود ہے، پھر بھی جتنا میں جانتا ہوں، اسی مقدار قلیل پر اکتفا کرتا ہوں اور مختصر طور پر اسی پر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

گیا میں مقامی یا بیرونی جو شخص نے بھی علوم دینیہ عربیہ حاصل کیا ہے، ان میں سے شاید ہی کوئی شخص ایسا ہوگا، جس نے حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض نہ کیا ہو:

- مولانا انجم صاحب مانپوری مرحوم
- مولانا جلال صاحب مانپوری مرحوم
- مولانا حسین صاحب مرحوم گھوری گھاٹ، ضلع ہزاری باغ
- مولانا جمال صاحب گیاوی مرحوم
- مولانا نبی حسن صاحب مہتم مدرسہ حسینیہ جمشید پور (ٹاٹا نگر) خلیفہ ومجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز
- مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب امام مسجد گھسیا ٹولہ گیا
- مولوی تجمل صاحب خلیفہ ومجاز حضرت مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہم
- مولوی علی محمد صاحب عرف حنو بابو صاحبزادۂ حضرت مولانا شاہ ولایت حسین رحمۃ اللہ علیہ
- مولوی حکیم سید صاحب صاحبزادۂ حضرت مولانا شاہ ولایت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- مولوی انوار صاحب مرحوم صاحبزادہ قاضی فرزند احمد صاحب مرحوم
- مولانا حکیم سید ظہیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہر طبیب گیا
- مولانا الحاج حافظ عبد الکریم صاحب امام وخطیب مسجد معروف گنج گیا وواعظ شیریں بیان
- مولانا علی حسن صاحب رونق بہاری

- مولانا نصیر الدین صاحب گیلانی
- مولانا عبد المجیب صاحب برادر نسبتی حضرت مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- مولوی عبد الرحمن صاحب علاقہ نوادہ ضلع گیا
- حضرت مولانا ممتاز صاحب سونڈیہا علاقہ بھدیا ضلع گیا خلیفہ ومجاز حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- شاہ حسام الدین صاحب سابق سجادہ نشین خانقاہ منعمی ابوالعلائی گیا
- حسن امام صاحب وارثی رئیس گیا
- حسین امام صاحب رئیس گیا
- ڈاکٹر وحید صاحب مرحوم (انہوں نے قرآن پاک اور ترجمہ قرآن پاک پڑھا)
- داروغہ فاروق صاحب مرحوم (انہوں نے قرآن پاک اور ترجمہ قرآن پاک پڑھا)
- اہلیہ مولانا منت اللہ صاحب رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر بنت عبد الشکور صاحب جج مرحوم، (انہوں نے بچپن میں قرآن پاک اور ترجمہ پڑھا، بہت سی دینی تعلیم حاصل کی)
- حافظ ارادۃ الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- حافظ عبد القدوس صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- مولوی شرف الدین صاحب چھوٹی پالی علاقہ ہسوہ ضلع گیا
- اسمٰعیل صاحب رسا ہمدانی گیاوی ٹرپیل ایم اے گولڈ مڈلسٹ بی اے بی، ایل ایڈوکیٹ (انہوں نے بھی قرآن پاک اور ترجمہ پڑھا)
- مولانا حافظ محبوب حسین صاحب خطیب بڑی مسجد معروف گنج گیا
- مولانا محمد اصغر حسین صاحب (مولانا اسٹور گیا)
- مولانا شاہ محمد سراج الہدی رحمۃ اللہ علیہ بیت الانوار گیا
- مولانا شاہ محمد انوار الحق صاحب عرف شاہ علوی پھلواری شریف
- مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب خطیب جامع مسجد اسنسول وغیرہ وغیرہ

حضرت موصوف سے گیا اور بیرون گیا کے استفادہ کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں سے گذر کر ہزاروں تک پہونچتی ہے، یہ تعداد پورے ضلع اور صوبہ میں پھیلی ہوئی ہے، میں شبانہ یوم مدرسہ کی خدمت کے سلسلہ میں مسلسل سفر ہی میں رہتا ہوں، جہاں بھی جاتا ہوں، ان سے اکثر مقامات پر مولانا سے استفادہ کرنے والے ملتے ہیں۔

طریقۂ درس

خود فرمایا کرتے تھے کہ ''میں ہندی کی چندی کر کے ہر ایک مسئلہ کو سمجھاتا ہوں'' ہر مسئلہ پر اس طرح واضح تقریر فرماتے کہ دل میں اُتار دیتے، خود فرماتے تھے کہ ''میں مسائل کو گھول کر پلاتا ہوں'' جو شخص بھی کسی فن کی ایک کتاب بھی ان سے پڑھ لیتا، اس کو اس فن پر عبور ہو جاتا، قوت مطالعہ اور استعداد پیدا ہو جاتی، فیض اتنا قوی تھا کہ محنت نہ کرنے والے طالب علم کے بھی ان سے پڑھی ہوئی کتابیں اور ان کے مسائل ذہن نشین ہو جاتے۔

طلبہ پر شفقت

طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے، پڑھنے کے زمانہ میں بھی اور جب وہ پڑھ کر چلے جاتے تو اس کے بعد بھی ہمیشہ ان پر وہی شفقت باقی رہتی، طلبہ کو بھی ان سے والہانہ محبت رہا کرتی، زمانہ طالب علمی میں بھی اور اس کے بعد بھی۔

مخلوق پر شفقت

گیا شہر اور ضلع کے علاوہ بھی کہیں کا کوئی بھی آتا اور ان سے ملتا تو ان کی خاطر مدارت اور لطف و کرم سے حظّ وافر حاصل کرتا، ان کے ملنے والوں میں ہر شخص یہی سمجھتا کہ مولانا اسی کو سب سے زیادہ مانتے ہیں، جو بھی ان سے ملتا، ان کو دین کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی، نماز با جماعت اور مسجد میں حاضری کا لوگوں کو عادی بناتے، کوئی شخص نماز کا تو عادی ہوتا، مگر مسجد کی حاضری نہ دیتا، گھر ہی میں پڑھ لیا کرتا تو اس کو مسجد کی حاضری کی تلقین فرماتے، کوئی ایسا ہوتا کہ مسجد میں حاضری کا پابند نہ ہوتا کبھی مسجد میں چلا گیا اور کبھی گھر میں پڑھ لیا ایسے لوگوں کو بھی اپنی نظر میں رکھتے اور موقعہ

موقعہ سے اس کی یہ عادت چھڑاتے۔

میں خود ایک مرتبہ ان کے ساتھ مسجد جا رہا تھا، ایک تاجر اپنی دکان میں بیٹھے تھے، اس زمانہ میں ان سے کبھی کبھی مسجد کی جماعت چھوٹ رہی تھی، چلتے چلتے ان کے قریب رکے اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

"لا صلوۃ لجار المسجد إلا في المسجد" (۱)

"مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں ہوتی ہے"

قریب مسجد ہے، ہمت کر کے پانچوں وقت مسجد چلے جایا کیجئے، گھر کی نماز ناقص ہوتی ہے، مسجد کی حاضری کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے، اس کا خیال رکھئے، اس کے بعد سے پھر کبھی ان سے مسجد کی حاضری بلا مجبوری کے نہ چھوٹی اور جماعتِ مسجد کے شدت سے پابند ہو گئے۔

اخفاء اور تواضع وانکساری

اپنے احوال کا حد درجہ اخفاء فرماتے، کبھی بڑا بول منہ سے نہ نکالتے، اپنے کو ہمیشہ ایک طالب علم کی طرح سمجھتے، عوام تو عوام بہت سے خواص بھی جن کا ان سے خصوصی تعلق ہوتا، ان کی انتہائی سادگی اور عاجزی کی وجہ سے ان کے صحیح علمی مقام کا اندازہ نہ کر سکتے، ایک صاحب کا بیان ہے کہ

> "گیا کی چھتہ کی مسجد میں جہاں وہ اکثر نماز پنج گانہ کے لئے جایا کرتے تھے، کسی مسئلہ پر کچھ لوگ آپس میں بحث کر تے تھے، کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ، اور جو بھی اپنی رائے ظاہر کرتا تھا، وہ اتنے تیقن سے کہتا تھا، جیسے اس کو مسئلہ کی پوری تحقیق ہے، اتنے میں کسی کی نظر حضرت مولانا پر پڑی تو اس نے کہا کہ اتنے بڑے عالم دین تشریف فرما ہیں، اس مسئلہ کو انہیں سے کیوں نہیں دریافت کر لیتے، تب سب کی نظر حضرت موصوف پر پڑی اور اس مسئلہ کو ان سے دریافت کیا گیا، مولانا نے نہایت سادگی سے فرما دیا کہ "مجھ کو اس مسئلہ کی تحقیق نہیں ہے، میں کتاب دیکھ کر بتلاؤں گا"

(۱) المستدرک للحاکم، کتاب الإمامة وصلاة الجماعة، باب التأمين، حدیث نمبر: ۸۹۸، سنن الکبری للبیهقي، حدیث نمبر: ۴۷۲۱، ۴۷۲۲، ۴۷۲۴، ۵۰۲۸، ۵۳۸۱

راوی کا بیان ہے کہ

"یہ سن کر ہم لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ اللہ اللہ یہ عوام کالانعام ہر مسئلہ میں اس طرح الجھ پڑتے ہیں کہ جیسے یہ ان کا تحقیق کردہ مسئلہ ہے، مگر اتنے اتنے بڑے عالم دین مسائل کے معاملہ میں ایسے محتاط ہوتے ہیں کہ جب تک پوری تحقیق نہ ہو، ایک لفظ منہ سے نہیں نکالتے اور کیسی سادگی سے کہہ دیتے ہیں کہ کتاب دیکھ کر بتاؤں گا، کیسی للّٰہیت کیسی بےنفسی اور کیسا انکسار ہے، یہی ایک مسئلہ نہیں بہت سے مسائل میں ان کا یہی جواب ہوتا تھا"

ایک مرتبہ واقعہ پیش آیا کہ "ایک صاحب عشاء کے قریب مسئلہ پوچھنے آئے مولانا نے بتلا دیا، انہوں نے عرض کیا مسئلہ غالباً یوں ہے، مولانا نے فرمایا نہیں یوں ہی ہے، انہوں نے پھر اصرار کیا کہ نہیں مولانا! یوں ہی ہے، مولانا نے اس پر ان کو ڈانٹ دیا"۔

مولانا کی دائمی عادت تھی کہ کسی بات پر اگر کسی کو کبھی ڈانٹ دیتے تو پھر بہت بے چین رہتے اور جب تک اس سے معافی نہ مانگ لیتے چین نہ آتا، وہ صاحب چلے گئے اور مولانا عشاء کی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے، مسجد سے آنے میں کچھ دیر ہوگئی گھر آکر کتاب نکال کر اس مسئلہ کو دیکھا تو وہ اسی طرح تھا، جس طرح وہ صاحب کہہ رہے تھے، اب مولانا کی بے چینی اور بڑھی کہ میں نے ان کو ناحق ڈانٹ دیا، اسی وقت رات کا کافی حصہ گذر جانے کے باوجود اپنا عصا لیا، جس کو لے کر چلنے کی عادت تھی اور ان صاحب کے گھر پہونچے وہ صاحب سو چکے تھے، اٹھ کر باہر آئے تو فرمایا کہ "بھائی! مسئلہ وہی صحیح ہے، جو آپ کہہ رہے تھے، میں نے غلط کہا تھا، افسوس اس کا ہے کہ ایک غلط بات پر میں نے آپ کو ڈانٹ دیا، انہوں نے کہا کہ حضرت رات کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی، پھر جب کبھی ملاقات ہوتی تو تحقیق شدہ مسئلہ کو بیان فرمادیتے، فرمایا: "میں نے سوچا کہ میں نے آپ کو ناحق ڈانٹ دیا ہے، اسی وقت آپ سے معافی مانگ لوں کہیں رات ہی کو موت آجائے تو کیا ہوگا؟"

اِدھر تو یہ حال تھا اور اُدھر ان کے تبحر علمی کی بہت کم نظیریں دیکھنے میں آئیں، یہ ان کے زمانہ کی بات ہے، جب اہل علم اور اہل کمال سے زمانہ بھرا ہوا تھا، مسئلہ فقہیہ اور فقہی جزئیات پر اتنا عبور میں نے اور کہیں نہیں دیکھا، میں جب دارالعلوم دیوبند گیا ہوں اور استاذی شیخ الفقہ والادب

حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مسلسل استفادہ کا موقع ملا اور جزئیات فقہیہ پر ان کی وسعت نظر کا مطالعہ کیا ہے، تب حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی کا کچھ اندازہ ہوا ہے اور اس کی قدر معلوم ہوئی ہے۔

علوم ظاہری کے علاوہ ان کے علوم باطنی اور روحانی کمالات کو تو کوئی سمجھ ہی نہ سکا اور اس میں جو ہر شناس نظر کی کمی کے علاوہ خود ان کے انتہائی جذبہ اخفاء اور انکساری و تواضع کو بھی بہت بڑا دخل تھا، جو شخص نماز تک پڑھانے سے گریز کرتا ہو، اپنے کو امامت کے لائق نہ سمجھتا ہو اور برملا کہہ دیتا ہو کہ میرے باطن میں خبث ہے، میں نماز پڑھانے کے لائق نہیں، ایسے شخص کو کوئی سمجھے تو کیا سمجھے اور کیسے سمجھے، خود میں اپنا حال بیان کروں کہ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ یہ بھی کوئی بزرگ ہستی ہے، ایک عالم سمجھتا تھا، اچھا استاد سمجھتا تھا، مگر اپنی کور باطنی کی وجہ سے ان کے باطنی کمالات کو کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

وہ اپنے پیر و مرشد حضرت میاں فضل الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت مقرب بہت چہیتے اور لاڈلے شاگرد اور مرید تھے اور ہمیشہ عبادات، ریاضات، مجاہدات اور ذکر و شغل میں مستغرق رہنے والے بہت ہی ممتاز مرید تھے، اس حلقہ میں جن کی کوئی نظیر نہیں، مگر کوئی جان نہ سکا کہ وہ اپنے شیخ کے مجاز بھی ہیں، کسی کو کبھی مرید نہ کیا اور کبھی مشیخت کا اظہار اپنے کسی قول و فعل سے ہونے نہ دیا۔

قطب زماں حضرت مولانا بشارت کریم صاحب گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے گہرے دوست تھے اور ان کے باطنی کمالات پر اُن کو ناز تھا، آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ایک رجسٹرار صاحب کو حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب فرمایا کہ ''ان کو معمولی مولوی صاحب سمجھتے ہوں گے، مگر ان کی قدر میں جانتا ہوں، بے شک ع

قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

یہ بھی اپ نے پہلے پڑھا ہے کہ بارہا مولانا گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے باطن کی طرف نظر کی اور اس پر توجہ ڈالنی چاہی، مگر اس کو ان کے اپنے پیر و مرشد کے فیض اور توجہات سے لبریز پایا اور پھر کسی موقع پر خود ان سے اس حال کو ظاہر فرما دیا۔

حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو فرمایا کہ مجھ کو اللہ نے میری صفت

تواضع کی وجہ سے بخش دیا۔

شبانہ یوم کے معمولات

لوگ بزرگوں میں کرامات ڈھونڈ ھتے ہیں اور اپنی بے علمی کی وجہ سے شعبدہ بازیوں کا نام کرامت رکھ لیا ہے، رات دن اسی کے متلاشی پھرتے ہیں، ایک وقت کی نماز پڑھے اور ہوا پر اڑے تو وہ بزرگ کہلاتا ہے، اس کے مرید کہتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب ظاہری نماز نہیں؛ بلکہ باطنی نماز پڑھتے ہیں، کوئی کہتا ہے، ہمارے پیر صاحب خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں، ان نادانوں سے کوئی پوچھے کہ حضور سرور کائنات ﷺ سے بڑا پیر کون ہوسکتا ہے؟ کیا آپ ظاہری نماز نہیں پڑھتے تھے، صرف روحانی نماز پڑھتے تھے، کیا آپ مدینہ طیبہ میں نماز ادا نہیں فرماتے تھے، خانہ کعبہ میں نماز پڑھا کرتے تھے، یہ کیسی گمراہی ہے؟ جس میں ابتلاء عام ہو رہا ہے، اللہ پاک اپنے حبیب ﷺ کے اتباع سنت کی سب کو توفیق عنایت فرمادے آمین۔

بزرگی اتباع سنت ہی کا نام ہے، اور سب سے بڑی کرامت استقامت ہی کو کہتے ہیں، بزرگوں کا مشہور مقولہ ہے''**الا ستقامة عين الكرامة**'' (استقامت عین کرامت ہے) کسی کی کرامت کو دیکھنا ہو تو اس کے شبانہ یوم کے معمولات کو دیکھو اور اس کی زندگی کو سنت نبوی کے پیمانہ میں ناپ کر اور اتباع سنت کی ترازو میں تول کر دیکھو۔

مولانا کے معمولات یہ تھے، جس پر وہ دواماً پابند تھے، پچھلی شب کو پابندی سے بیدار ہو کر تہجد کی نماز انتہائی خشوع خضوع سے ادا کر کے ذکر و شغل میں مشغول رہتے، اور پھر صبح کے قریب دعا اور گریہ وزاری میں ایسے منہمک ہوتے اور اس طرح دھاڑیں مار مار کر روتے کہ اس کو دیکھ کر اور سن کر پتھر کا دل بھی پانی ہو جاتا، میں جب کبھی ان کے خاص کمرہ میں سوتا تو صبح کے قریب ان کی گریہ وزاری کی آواز سے اچانک بیدار ہو جاتا تو اس کیفیت کو دیکھ کر دل لرز اٹھتا، ہچکی بندھی ہوئی ہے، رو رہے ہیں، لرز رہے ہیں، کانپ رہے ہیں، میں کوشش کرتا کہ ان پر میرا بیدار ہو جانا ظاہر نہ ہو، آنکھیں بند کئے پڑا رہتا کہ ان کی یک سوئی اور کیفیت اضطرابی میں خلل نہ ہو، اس کیفیت کو جوان آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے بارہا سنا ہے، قلم میں وہ طاقت نہیں، جو بیان کر سکے، دعا اور گریہ

وزاری سے فارغ ہوکر اپنے ہاتھ سے پان لگاتے اور روتے جاتے، ہچکی بندھی ہوتی، پان کھا کر جب اس کیفیت میں کچھ کمی ہوتی اور وہ اضطراب کچھ کم ہوجاتا تو دو رکعت فجر کی سنت اذان فجر ہوتے ہی ادا کرتے اور جماعت کے لئے مسجد روانہ ہوتے، سنت کے بعد ''سورہ فاتحہ'' اکتالیس مرتبہ ''**بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم**'' کے ساتھ، یعنی ہر مرتبہ ''**بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم**'' بھی پڑھتے، اس طرح کہ ''**الرحیم**'' کی ''میم'' کو ''**الحمد**'' کے ساتھ ملاتے ''**اَلرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ**''، راستہ میں یہ ورد جاری رہتا، راستہ میں بھی پڑھتے جاتے، یہاں تک کہ جماعت شروع ہونے تک اس کو پورا کر لیتے، جماعت سے فارغ ہوکر گھر تشریف لے آتے اور دیگر اوراد واشغال میں مشغول رہتے، پھر تلاوت کلام پاک بڑے والہانہ انداز سے فرماتے، قاری تھے لہجہ بڑا ہی دل کش ہوتا، ایک مقررہ مقدار تلاوت فرما کر ناشتہ کرتے، ناشتہ میں باسی روٹی کا اہتمام تھا، اس کے ساتھ رات کی دال، یا ساگ یا کوئی سبزی بہت مختصر ناشتہ کرکے چائے پیتے، پھر پان کھاتے، اس کے بعد طلبہ آجاتے اور مشغول درس وتدریس ہوجاتے، تقریباً ۹ بجے سے ایک گھنٹہ اخبار بینی فرماتے اور ملنے والوں سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے کبھی کبھی اس وقت تھوڑی دیر کے لئے اپنے کسی مخصوص مخلص کے پاس حال احوال پوچھنے چلے جاتے، کوئی بیمار ہوتا تو اس کی مزاج پرسی کرتے کوئی مصیبت زدہ ہوتا تو اس کی دلدہی کرتے، راستہ میں ہر ایک کا مزاج پوچھتے جاتے، ہر ایک یہی سمجھتا کہ مولانا اسی کو سب سے زیادہ چاہتے اور مانتے ہیں، سنت نبوی بھی یہی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک یہی سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو سب سے زیادہ مانتے ہیں۔

دس بجے سے پھر پڑھانے بیٹھ جاتے، بارہ بجے تک پڑھاتے، پھر کھانا تناول فرماتے، روٹی کے عادی تھے، دونوں وقت روٹی ہی کھاتے تھے، کھانا کھا کر قیلولہ کی سنت ادا کرتے، پھر ظہر کے لئے اٹھ کر وضو فرماتے اور مسجد جا کر نماز ظہر باجماعت ادا کرتے، چھتہ کی مسجد اور چھوٹی مسجد میں جو شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، نماز پنج گانہ ادا فرمایا کرتے تھے، کبھی چھوٹی مسجد میں کبھی چھتہ کی مسجد میں — یہی دونوں مسجدیں محلہ کی قریبی مسجدیں ہیں، — ہاں نماز فجر کے لئے کبھی جامع مسجد بھی جایا کرتے تھے، وہ کچھ دوری پر ہے؛ تاکہ مسجد جانے میں جتنے زیادہ قدم پڑیں اتنی ہی نیکیاں لکھی جائیں۔

نمازظہر کے بعد گھر تشریف لاکر پھر تلاوت کلام پاک فرماتے، اب انداز تلاوت دوسرا ہوتا صبح کی تلاوت سرسری ہوتی؛ اس لئے مقدار زیادہ ہوتی اور ظہر کے بعد کی تلاوت تدبر فی القرآن والی تلاوت ہوتی تھی، ترجمہ، تفسیر اور قرآنی نکات پر بار بار غور فرماتے، ایک ایک آیت کو بار بار پڑھتے؛ اس لئے بعد ظہر والی تلاوت ایک صفحہ یا ایک رکوع سے زیادہ نہ ہوتی، تلاوت کے بعد مناجات اور مختلف دعاؤں سے فارغ ہوکر پھر درس وتدریس میں مشغول ہوتے، اذان عصر کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوجاتا، وضوفرماتے، پھر جماعت کے لئے مسجد تشریف لے جاتے، کبھی کچھ دیر، بعد عصر مسجد ہی میں ملنے والوں سے بات چیت کرتے، کبھی کسی ملنے والے کے پاس چلے جاتے۔

جب تک مولانا حکیم قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے اور گیا میں تھے تو چھتہ کی مسجد کے نیچے ان کے مطب میں مغرب تک بیٹھک ہوتی، جس میں علماء صلحاء کی شرکت ہوتی، پھر نماز مغرب مسجد میں ادا فرمانے کے بعد گھر تشریف لاکر اپنے کمرہ خاص میں عشاء کے قریب تک مطالعہ کتب میں مشغول رہ کر طعام شب سے فارغ ہوتے اور پھر حسب معمول گھر ہی میں وضو فرماکر مسجد جاتے اور نماز عشاء باجماعت ادا فرماکر گھر واپس آتے اور پھر مطالعہ کتب کا شغل دیر تک جاری رہتا، تقریباً ۱۱ بجے شب کو سوجاتے اور پھر حسب معمول وقت مقررہ پر اٹھ بیٹھتے یہ وہ معمولات ہیں جن میں کبھی فرق نہ آنے دیتے۔

مستند علماء کی مجالس وعظ میں شرکت اور ان کی مدارات

خود وعظ نہیں فرماتے تھے، مگر کوئی مستند عالم اگر آجاتے اور ان کے وعظ کا کہیں نظم ہوتا تو اس وعظ میں ضرور شریک ہوتے اور وعظ کی مجلس کے علاوہ قیام گاہ پر بھی جاکر جب تک وہ یہاں رہتے روزانہ خصوصی ملاقاتیں کرتے اور شاید ہی کوئی مستند عالم یا عارف ایسا ہوگا، جو گیا آتا ہو اور وہ مولانا موصوف سے ان کے گھر آکر نہ ملتا ہو۔

علماء اور صلحاء کی دعوتیں

اکثر علماء اور صلحاء کی خصوصی دعوتیں بھی فرماتے، اس میں بڑا اہتمام کرتے، جلسوں میں جو علماء وعظ کے لئے کہیں بلائے جاتے، ان میں سے اکثر کی کم از کم ایک وقت دعوت ضرور فرماتے۔

اپنے ملنے والے اور عقیدت مندوں کی دعوتیں

اور اپنے خاص ملنے والوں اور عقیدت مندوں کی دعوتوں کا سلسلہ بھی گھر پر جاری رہتا۔

گذران اوقات اور توکل اللہ

گذر بسر صرف توکل پر تھا، ذرائع آمدنی اور ظاہری اسباب معیشت کچھ نہ تھے، مدرسہ سے کوئی تنخواہ نہ تھی، نہ کسی امیر و رئیس کے مقررہ وظائف اور نذرانے تھے، نہ کوئی جائداد تھی، مدرسہ کے لئے مالی فراہمی اور چندہ کی ہماہمی نہ تھی، شہر کے مخصوص لوگ کچھ مقررہ چندے ماہانہ دیا کرتے تھے، وہ اتنے کم ہوتے تھے کہ دوسرے مدرس کی تنخواہ ماہانہ ادا کرنا بھی مشکل ہوتا تھا۔

اہل وعیال کی پرورش اور عافیت کا خیال

باوجود اس فقر کے کوئی ضرورت کبھی رکی نہیں رہتی، اپنے بال بچوں کی پرورش اور عافیت کا پورا پورا خیال رکھتے۔

ابتداء میں کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی

ابتداء میں کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، کئی اولاد ہوئی، مگر اللہ کو پیاری ہوگئی۔

اولاد کے زندہ رہنے کا عمل

خوبیٔ قسمت سے ایک گھر ے ملاقاتی عالم پنجابی جو بہت بڑے عامل بھی تھے، گیا تشریف لائے، مولانا نے اولاد کے زندہ نہ رہنے کا حال ان سے کہا، انہوں نے کہا: ''ایک عمل ہے، اس کو کیجئے، انشاءاللہ اولاد نرینہ ہوگی اور زندہ رہے گی، جب حمل کو چوتھا مہینہ ہوتو حاملہ کے پیٹ پر اپنی انگلی سے بغیر روشنائی کے محمد لکھ دیجئے اور پکار کر کہئے ''میں نے تیرا نام محمد رکھا'' اور جب بچہ پیدا ہوتو تو اس کا نام محمد رکھئے، چنانچہ اس عمل کے بعد۔

اولاد زندہ رہنے لگی

سب سے پہلے اولاد جو پیدا ہو کر زندہ رہی وہ میں ہوں، میرا نام والد صاحب (مولانا خیر

الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے محمد رکھا اور میرے نانا حضرت الحاج مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ومجاز حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز نے فخر الدین (خیر الدین کا ہم قافیہ لفظ) بڑھا کر محمد فخر الدین کر دیا، میرے بعد تین اولاد ہوئیں، جو بفضلہٖ تعالیٰ اب تک زندہ ہیں، چار اور اولاد چھوڑ کر گئے ہیں، تین لڑکے اور ایک لڑکی، سب سے بڑا لڑکا میں (محمد فخر الدین) منجھلی صاحبزادی حمیرہ، سنجھلا لڑکا ابو العلی ظفیر الدین احمد، چھوٹا لڑکا شرف الدین، چاروں شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تین درخواستیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز گیا تشریف لائے اور گھر پر مولانا سے ملنے اور والدہ کی درخواست پر ان کو بیعت کرنے تشریف لائے تو مولانا نے تین باتیں عرض کیں ایک یہ کہ فخر الدین پر خصوصی توجہ رکھئے، دوسری یہ کہ شرف الدین (چھوٹے صاحبزادے) کو دیوبند بھیجنا چاہتا ہوں، اس پر توجہ فرماتے رہیں گے اور تیسری یہ کہ فخر الدین کی والدہ کو بیعت کر لیجئے، تینوں باتوں کا ایک ہی جواب عنایت فرمایا۔

آپ تو خود بادشاہ ہیں

کہ آپ تو خود بادشاہ ہیں، آپ کی توجہ کافی ہے اور فخر الدین کی والدہ کو آپ خود بیعت کیوں نہیں فرما لیتے ؟ یہ کہہ کر پھر خاموش ہو گئے اور زنان خانہ میں تشریف لے جا کر حسب معمول پردہ سے بیعت کر لیا، ایک رومال کا ایک سرا اندر تھا، والدہ کے ہاتھ میں اور ایک سرا باہر تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں۔

تمام علوم وفنون متداولہ خصوصاً علوم دینیہ میں مہارت

آپ پڑھ چکے کہ ہر فن کے لئے طویل طویل سفر کر کے جو اس فن کے مراکز تھے، وہاں

پہونچ کر علوم وفنون حاصل کئے، فقہ میں کمال بچپن سے ہی حاصل تھا اور وطن میں جس علم کا چرچا تھا اس کو وہیں حاصل کر چکے تھے، پھر صرف ونحو، ادب، معانی، بیان تجوید وقراءۃ اور فارسی کرنال اور پانی پت میں رہ کر اعلیٰ اساتذہ سے حاصل کر کے خالص علوم دینیہ کے لئے دیوبند پہونچے اور پھر معقولات کی تکمیل کے لئے کانپور کا سفر کیا؛ اس لئے مولانا کو تمام علوم وفنون میں درک اوران کی تعلیم وتدریس میں یدطولیٰ حاصل تھا، مگر جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، صرف، نحو، عروض، فقہ، اصول فقہ، فرائض، حدیث، اصول حدیث اور تفسیر قرآن پاک میں طبعی لگاؤ کی وجہ سے خصوصی مہارت تامہ حاصل تھی، پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل فقہیہ سامنے آتے تو ان سے پوچھ کر حل کر لیا جاتا تھا، جب کبھی کچہری کی مسجد جہاں ان کا مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ قائم ہے، جمعہ کی نماز کے لئے آتے تو نماز کے بعد کچہری کے متعدد وکلاء ان کو گھیر لیتے اور فرائض وحقیّت کے مقدمات کے سلسلہ کی الجھن پیش کرتے اور وہ دو لفظ میں اس مسئلہ اور اس مقدمہ ومعاملہ کا قانونی پوائنٹ، باریک نکتہ اور ایسا اصول بتلا دیتے، جو اس قسم کے تمام مقدمات میں ہمیشہ کام آتا، وکلاء بھی مطمئن رہتے کہ جب قانونی الجھن پیدا ہوگی، مولانا سے حل کر لیں گے، راستہ چلتے بھی جب مولانا پر نظر پڑتی، وکلاء مقدمات فرائض کی مشکلات کو پیش کرتے اور مولانا راستہ ہی میں کھڑے کھڑے کوئی ایسا اصول بتلا دیتے، جس سے سب مشکلات حل ہو جاتیں، اور پوچھنے والے اور سب سننے والے پھڑک اٹھتے، گھر میں بھی شہر کے وکلاء کا اس سلسلہ میں آنا جانا رہتا تھا۔

قرآن پاک سے خصوصی شغف

قرآن پاک سے تو ان کو وہ عشق وشغف تھا کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، کثرت و مداومت تلاوت اسی شغف کا نتیجہ تھا اور اسی کا اثر تھا کہ اگرچہ حافظ تو نہ تھے، مگر بڑے بڑا حافظ استاذ الاساتذہ ہی کیوں نہ ہو تراویح میں جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ پیچھے ہوتے تو مرعوب ہو جاتا اور کیا مجال ہے کہ کوئی حافظ ایک لفظ بھی غلط پڑھ کر نکل جائے، اگر کسی حافظ سے سہو ہوا اور پڑھتے پڑھتے اٹک گیا، آگے نہیں چلتا تو اس کو آگے بتلا دیتے اور وہ لقمہ بالکل صحیح ہوتا، اگر پڑھتے پڑھتے کچھ گڑبڑا یا اور کوئی آیت چھوڑ کر نکل گیا اور پھر رکوع کر دیا تو سلام کے بعد اس گڑبڑ کو درست

کراتے اور پھر دوبارہ اس مقام کو اور اس چھوٹی ہوئی آیت کو نماز میں پڑھواتے، حافظ نہ ہوتے ہوئے بھی عجیب باکمال سامع تھے، اچھے اچھے حافظ بھی جب سامع کی حیثیت سے کسی حافظ کے پیچھے ہوتے تو وہ بھی مولانا کی موجودگی سے ڈرتے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی ایسا اچھا کنڑول نہ کر پاتے، جیسا مولانا ہر ہر آیت پر نگاہ رکھتے ہوئے کنڑول فرماتے تھے، بسا اوقات سامع حافظ بھی سہو کر جاتے اور قاری حافظ کوئی آیت چھوڑ کر نکل جاتا تو سلام کے بعد سامع اور قاری دونوں سے اس جگہ کو درست کراتے، مستقلاً اور دواما مولانا کا تراویح میں قرآن سننے کا یہی دستور تھا، اچھے سے اچھا حافظ جس مسجد کے اندر تراویح میں قرآن سنا رہا ہو، اسی کے پیچھے قرآن سننے کی کوشش کرتے، گڑبڑ سڑبڑ، کچے، ناقص اور بے تجوید غلط تلفظ والے حافظ کے پیچھے قرآن سننے سے ان کا جی نہ بھرتا؛ اس لئے اس سے ہمیشہ پرہیز کرتے۔

تلاوت کے بعد کی دعائیں

روزمرہ کی ہر تلاوت کے بعد بہت دعائیں مانگتے، خصوصا یہ دعاء بڑی لجاجت اور گریہ وزاری سے بار بار پڑھتے:

”اللهم آنس وحشتي في قبري اللهم ارحمني بالقرآن العظيم، واجعله لي إماما وّ نورا وهدى ورحمة، اللهم ذكرني منه ما نسيت علمني منه ما جهلت وارزقني تلاوته آناء الليل وآناء النهار، واجعله لي حجة يارب العلمين“

مرتب کی دعاء: ”ایک اللہ! قرآن عظیم سے عشق وشغف کی برکت سے ان کی قبر سے وحشت کو دور رکھ اور ان پر رحم فرما اور اپنے نور سے ان کی قبر کو بھر دے اور ان کی اس روزمرہ کی دعاء کو قبول فرما، آمین“

اس کے بعد یہ درود بار بار پڑھتے:

”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ بِعَدَدِ مَا فِيْ جَمِيْعِ الْقُرْآنِ حَرْفًا حَرْفًا وَبِعَدَدِ كُلِّ حَرْفٍ اَلْفًا اَلْفًا“

کبھی کبھی یکسوئی اور تنہائی ہوتی تو اس درود کے بعد بڑے شوق وذوق اور بڑے والہانہ انداز اور بہت ہی ترنم سے یہ پڑھتے۔

وَصَلَّی اللّٰہ عَلٰی نُوْرٍ کہ زو شد نور ہا پیدا
زمیں از حُبِّ او ساکن، فلک در عشق او شیدا

پڑھتے اور لطف اٹھاتے پھر بار بار پڑھتے۔

ذکر اللہ کا والہانہ انداز

پچھلی شب میں تہجد کے بعد مختلف اذکار جہریہ وسریہ سے فارغ ہوکر مستی کے عالم میں یہ پڑھتے ہوئے اکثر سنا ہے:

حسبي ربي جل الله ما في قلبي غير الله نور محمد صلى الله
لاَ إِلٰهَ إلاَّ اللّٰہُ لاَ إِلٰهَ إلاَّ اللّٰہُ لاَ إِلٰهَ إلاَّ اللّٰہُ
لاَ إِلٰهَ إلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

پھر پڑھتے اور بہت بے خود ہوکر پڑھتے:

اَنْتَ الْهَادِیْ اَنْتَ الْحَقُّ لَیْسَ الْهَادِیْ إلاَّ هُو □

اس کو بار بار پڑھتے اور بہت لطف اٹھاتے۔

مرض وفات میں رجوع الی اللہ

مرض وفات کے زمانہ میں مرض کی شدت تکلیف سے بے چین ہوکر بار بار اسی کو اسی طرح پڑھتے:

اَنْتَ الشَّافِیْ اَنْتَ الْحَقُّ لَیْسَ الشَّافِیْ إلاَّ هُو □

کبھی کبھی شدت کرب میں ''ھو'' کی بجائے ''تو'' کہتے اور اس طرح پڑھتے:

اَنْتَ الشَّافِیْ اَنْتَ الْحَقُّ لَیْسَ الشَّافِیْ إلاَّ ''تُو''

اس بے چینی واضطراب والی دعاء میں غائب کا صیغہ ''ھو'' دل کو نہ لگتا تو بے ساختہ ''تو'' کہہ دیتے، لیس الشافی الاتو۔

دعائے حزب البحر

بعد مغرب روزانہ دعائے حزب البحر کے بھی پابند تھے، اس کی اجازت ان کو اپنے پیرومرشد کے علاوہ اور بھی متعدد بزرگوں سے ملی ہوئی تھی۔

خصوصی ذوق کے کام

آپ پڑھ چکے ہیں کہ مولانا کو خدمت خلق سے بہت قلبی لگاؤ تھا اور شب وروز اسی قسم کے مشاغل میں لگے رہتے تھے، مگر چند کام بڑے ہی ذوق وشوق سے کرتے تھے، ایک تو شریعت کے مطابق کسی کے یہاں شادی ہوا ور مولانا سے نکاح پڑھانے کی درخواست کرتے تو فورا قبول فرمالیتے تھے اور نکاح پڑھادیتے، اس پر کوئی اجرت قاضیانہ وغیرہ نہیں قبول فرماتے تھے، ہزار ہا نکاح آپ نے اس طرح پڑھائے ہوں گے، دوسرے کوئی اپنے بچہ کو دینی تعلیم میں لگاتا تو اس کی بسم اللہ بڑے شوق سے کراتے کوئی دینی کتاب آپ سے شروع کرانے کو کہتا تو بہت شوق سے کرادیتے، اور سب سے محبوب کام اصلاح ذات البین کا تھا، آپس کے جھگڑے دور کرانا، اس کام کے لئے دور دور کا سفر بھی کرنا پڑتا تو سفر کرکے جاتے اور آپس میں صلح صفائی کراتے، آپس کے بیانات سنتے اور بڑی محنت اور شفقت سے ایسا حل نکالتے کہ دونوں فریق اس پر راضی ہوجاتے۔

یہ چند کام خصوصا یہ آخری کام جھگڑے مٹانا اور صلح کرانا تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کی زندگی کا مشن ہے، جس سے ان کو خاص تعلق ہے اور کوئی کام دنیاوی منفعت کے لئے نہیں کرتے، نہ کسی کام پر کوئی معاوضہ لینا پسند کرتے، یہی وجہ تھی کہ لوگوں کے دل ان کی عظمت سے لبریز تھے۔

سیاسی مسلک

حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہاد حریت کے ہم نواؤں میں تھے، آپ کے مطالعہ میں ایسے ہی اخبار رہتے، جو حریت نواز ہوتے اور آپ کی صحبت میں ایسے ہی لوگ زیادہ بیٹھتے جو حریت پسند ہوتے۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب امیر شریعت بہار وناظم اعلیٰ

جمعیۃ علماء ہند سے قریبی رشتہ داری کے علاوہ اتحاد مسلک کی بنا پر بھی بہت زیادہ محبت کا تعلق تھا۔

تحریک خلافت

تحریک خلافت کے دور میں مولانا نے بہت پرزور عملی حصہ لیا، سمرنا فنڈ اور انگورہ فنڈ کی فراہمی کے لئے بہار کے شہر شہر، قصبہ قصبہ، قریہ قریہ کا دورہ کر کے کثیر رقم مہیا کی اور جماعت کی وساطت سے روانہ کی۔

گیا میں خلافت، کانگریس، جمعیۃ کے آل انڈیا اجلاس

جب گیا میں خلافت، کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے آل انڈیا اجلاس ایک ہی میدان میں اپنے اپنے پنڈال میں ہوئے، جس کے روح رواں حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس کے انتظامات میں حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

چرخہ اور کھدر

چرخہ اور کھدر کی تحریک میں مولانا نے خوب خوب دلچسپی لی، اپنے گھر کی عورتوں کو چرخہ لا کر دیا اور بڑے شوق وذوق سے گھر کے لوگ چرخہ کاتا کرتے۔

ترک موالات

ترک موالات کے جذبہ سے متاثر ہوکر مولانا نے ولایتی اشیاء کا حتی الامکان مقاطعہ فرمایا۔

مولانا کا لباس

مولانا ولایتی کپڑے استعمال نہیں کرتے تھے، ہمیشہ سفید گاڑھے (موٹیا) کا لمبا کرتہ اسی کا عربی پائجامہ اسی کی گول ٹوپی پہنتے تھے، کبھی کبھی صدری بھی پہنتے تھے، اتفاقاً کبھی شیروانی بھی زیب تن کر لیتے تھے، جاڑوں کے موسم میں روئی دار بنڈی اونی شیروانی اور عمامہ کا اضافہ ہوجاتا تھا۔

عصا

سنت کی پیروی میں ہمیشہ جب باہر نکلتے تو ہاتھ میں عصا ضرور ہوتا، زیادہ تر مرزاپوری لاٹھی ہوتی تھی۔

مسلم لیگ کا دور

۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء کا درمیانی دور آیا اور مسلم لیگ نے ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کا نعرہ بلند کر کے جو مسلم لیگ میں نہیں تھے اور جمعیۃ علماء ہند یا کانگریس کے حامی تھے، ان کے کفر وارتداد کا فتوی صادر کرتے ہوئے ان کے درپئے آزار ہوکر، ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے، ان پر طرح طرح کے شرمناک الزامات لگانے شروع کئے، اس ہولناک دور میں حضرت مولانا جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کی پالیسی سے متفق تھے، لیگیوں کے مظالم سے بہت دل برداشتہ رہتے تھے۔

ایک رات ایک مسلم لیگی عزیز مولانا کے دوسرے عزیز سے الجھ پڑے اور عشاء کے بعد سے ۱۱ بجے رات تک اسی پر مصر رہے کہ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اور اکابر علماء ہند ہندوؤں سے مل گئے ہیں، ان کے ہاتھ بک گئے ہیں، وغیرہ وغیرہ، اس سلسلہ میں الزامات اور سب وشتم کا سلسلہ بند نہیں ہو رہا تھا، مولانا اپنی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، مگر قریب ہی اس بحث وتکرار کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی، ۱۱ بج گئے تو ان عزیز کا نام لے کر پکارا کہ

> ''اے فلاں! کیا غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کوئی کام کرنا کفر ہے یا ناجائز ہے، حضور ﷺ نے نبوت سے پہلے مکہ معظّمہ میں ایک انجمن بنائی تھی اس کا نام ''حلف الفضول'' رکھا تھا، مشرکین مکہ کے ساتھ اس میں آپ ﷺ بھی شریک تھے، کیا نادانی اور ناواقفیت والی بات کرتے ہو''

مولانا کے خفا ہونے پر یہ سلسلہ سب وشتم ختم ہوسکا۔

گیا کا تاریخی سیلاب

آج سے تقریباً چوّن سال پہلے ۱۹۱۷ء میں گیا کا ہیبت ناک تاریخی سیلاب آیا تو مولانا کا

محلہ سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اس سے متاثر ہوا؛ چوں کہ یہ محلہ شہر کے بہت بڑے نالے پر واقع ہے، جس کا ایک دہانہ پھلکو ندی سے ملتا تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ جب بھی ندی چڑھتی تھی تو سب سے پہلے اسی نالہ کے ذریعہ محلہ میں پانی آ کر بھر جاتا اور پھر اور زیادہ بڑھتا تو سارا شہر متاثر ہوتا۔

رات ہی سے پانی محلہ میں داخل ہو چکا تھا، صبح سے گلی کی سطح سے ملے ہوئے مکانات کا باشندے مکان خالی کرنا شروع کر چکے تھے اور جیسے جیسے پانی بڑھتا گیا، لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کر نکلتے رہے، یہاں تک کہ دیکھتے دیکھتے سارا محلہ خالی ہو گیا۔

محلہ کے کچھ جفاکش اور ایثار پیشہ لوگ رضا کارانہ طور پر انتقال وانخلاء میں محلہ والوں کی مدد کر رہے تھے، اور بار بار مولانا سے بھی تقاضا کر رہے تھے کہ وہ بھی مکان خالی کر دیں، مگر مولانا راضی برضاء الٰہی بیٹھے ہوئے تھے، جب پانی سر سے اونچا ہو گیا، امدادی کام کرنے والے ہمدرد انسانیت حضرات گلیوں میں تیرتے پھر رہے تھے، مولانا کے مکان کے اندرونی حصہ میں چھت کے قریب تک پانی بھر چکا تھا، امدادی کارکنوں کا اصرار آخری حد تک پہونچ چکا تھا اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ مولانا مکان خالی کر کے نکل جایئے، تب مولانا راضی ہوئے، اب یہ مسئلہ کہ کدھر سے نکلا جائے گھر کی مستورات، چھوٹے چھوٹے بچے کس طرح نکلیں، تیرنا صرف مولانا کو آتا تھا، غور وفکر کے بعد بات سمجھ میں آئی کہ مکان کی مشرقی سمت میں دومنزلہ قطعہ کے بالائی حصہ میں جو قدآدم کھڑکی ہے، جس میں ابتداء ہی سے کوئی چھڑ وغیرہ نہیں تھا، بناتے وقت خلاف معمول بغیر چھڑوں کے وہ کھڑکی بنی تھی، علم الٰہی میں اس کی مصلحت مقدر تھی، جو آج کام آئی، اس کھڑکی سے باہر اونچا میدان تھا، یہاں پانی نہیں پہونچا تھا، مولانا نے امدادی کارکنوں سے سیڑھی مانگی وہ تیرتے ہوئے آ کر لکڑی کی سیڑھی دے گئے، وہ سیڑھی چھت کی کھڑکی سے مشرقی میدان میں لگا دی گئی۔

گھر سے نکلتے ہی پورا مکان بیٹھ گیا

سارا سامان چھوڑ کر نکلنا طے ہوا، مگر مولانا کے اہم ضروری کاغذات کا ایک آفس بکس مکان کے نچلے کمرہ میں تھا، اس کا نکالنا ضروری تھا، مولانا نیچے اترنے کو تیار ہوئے، گھر کے تمام لوگوں نے اصرار کیا کہ چھوڑ دیجئے نیچے چھت تک پانی ہے، مت جایئے، مگر مولانا نہ مانے آپ کھڑے کھڑے

بھی تیرنے کے ماہر تھے، کنویں میں جب کبھی کچھ گر جاتا مولانا کنویں میں اتر کر سامان نکالتے اور پھر کھڑے کھڑے تیرا کرتے، چنانچہ نیچے اترے اور تیرتے ہوئے اندر کمرہ میں گئے اور وہ آفس بکس نکال کر سر پر رکھ لیا اور کھڑے کھڑے تیرتے ہوئے زینہ تک آکر اوپر چڑھ گئے پھر ایک ایک کر کے گھر کے لوگوں کو باہر میدان میں اتارا اور گھوڑا گاڑی میں بٹھا کر اونچے راستوں سے محلہ کٹھوکر تالاب اپنے ایک رشتہ دار کے مکان میں پہونچا دیا، گھر کی دائی نجبین مرحومہ گھر کے لوگوں کو جائے پناہ پر اتارنے کے بعد پھر لوٹ کر اس ڈوبتے ہوئے گھر کا حال دیکھنے گئی، تھوڑی دیر کے بعد مولانا ضروری سامانا کے لئے باہر نکلے، ادھر سے نجبین دائی روتی آرہی تھی، مولانا نے پوچھا کیوں روتی ہے؟ اس نے کہا مولانا صاحب آپ کا گھر پورے کا پورا بیٹھ گیا، مولانا نے فرمایا خدا کا شکر ادا کر، اللہ نے ہم سب کو زندہ سلامت اس میں سے نکال لیا، اگر تھوڑی دیر بھی اس میں اور رہ جاتے تو ایک بھی بچ کر نہ نکل سکتا، خوش ہونے کے بجائے روتی کیوں ہے؟ اس نے کہا: مولانا صاحب گھر کا سارا سامان اسی میں دب گیا، مولانا نے فرمایا:

> ''بے وقوف! جان ہے تو اللہ اس سے زیادہ سامان دے گا رونے کی ضرورت نہیں ہے''

کرایہ کے مکان میں عرصہ تک قیام

تھوڑے عرصہ تک اس جائے رہائش میں رہنے کے بعد تھانہ کوتوالی سے آگے گول پتھر سے قریب ایک مکان کرایہ کا لے لیا اور وہاں سالہا سال تک قیام کرنے کے بعد۔

اپنا مکان پھر بن گیا

پھر اپنا مکان بتائید الٰہی بنایا، مگر اس کا تھوڑا حصہ ہی بن سکا، زیادہ حصہ افتادہ رہ گیا۔

لطائف وظرائف

الحافظ کالجاھل

جوطلبہ حفظ قرآن سے فارغ ہوجاتے ،ان کوآگے ترقی کرنے اورعلم دین حاصل کرنے کی موقع بہ موقع طرح طرح سے ترغیب وتشویق فرماتے رہتے ،مثلا حافظ ہونے کے بعد نماز ، طہارت اور دیگر دینی مسائل میں جس سے کوئی غلطی ہوتی اس کوصحیح مسائل بتلاتے ،مگر عربی کا یہ مشہور مثل بھی ساتھ ہی ساتھ فرمادیتے کہ'' **الحافظ کالجاھل** '' (حافظ گویا کہ جاہل ہوتا) اوراس کے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ سالہا سال کی محنت کے بعد قرآن پاک کی دولت کواپنے سینہ میں محفوظ کر چکا ہے؛اس لئے وہ اپنے آپ کو جاہل نہیں سمجھتااور نہ دوسرے لوگ اس کو جاہل سمجھتے ہیں ؛ حالاں کہ اس میں اور جاہل میں دینی مسائل کے جاننے نہ جاننے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا ؛ بلکہ بہت سے عوام جن کو ہم جاہل کہتے ہیں ،علماء کی صحبت اور مطالعہ کتب وغیرہ کی برکت سے ایسے حافظ جی سے زیادہ واقف کار ہوتے ہیں ؛ کیوں کہ حافظ جی رات دن قرآن پاک یاد کرنے میں لگے رہے ہیں ، ان کو نہ مطالعہ کا موقع ملا ہے ، نہ علماء کی مجالس میں بیٹھ کر مسائل سیکھنے کا ،ایسے جاہل کواہل علم کی اصطلاح میں جہل مرکب کہتے ہیں ۔

آں کس کہ نداند و بداند ، کہ بداند
درجہل مرکب ، ابدالدھر بماند

''جوشخص کہ نہیں جانتے ہوئے بھی سمجھتا ہے کہ وہ جانتا ہے ، ایسا شخص
جہل مرکب کی بیماری میں ہمیشہ ہمیشہ مبتلا رہتا ہے ،جس سے نجات

پانے کی اس کے لئے کوئی صورت نہیں پیدا ہوتی''

جو جاہل کہ جانے گا کہ وہ نہیں جانتا ہے، وہی جاننے کی کوشش کرے گا، اور اہل علم سے پوچھ کر معلوم کرے گا؛ لہٰذا حافظ جی! حافظ تو ہو گئے ہو، مگر اب علم بھی حاصل کرو۔

السؤال نصف العلم

جو طلبہ سبق کے درمیان اعتراض کرتے یا سوال کرتے تو سوال سے سائل کی استعداد کا پتہ چلا لیتے، اگر سوال علمی استعداد کے لحاظ سے بہت گرا ہوا ہوتا تو فرماتے ''**السؤال نصف العلم**'' (سوال کے لئے بھی نصف علم کی ضرورت ہے) جو کچھ نہ جانتا ہو، وہ سوال بھی صحیح نہیں کر سکتا، اسی طرح کے بے محل سوال کرنے والے بے استعداد طالب العلم کے سوال پر کبھی ایک قصہ سناتے کہ ایک استاد کے درس میں بہت طلبہ حاضر ہوا کرتے تھے اور سب ہی موقع موقع سے کچھ نہ کچھ پوچھ کر اپنی تشفی کیا کرتے، مگر ایک طالب علم ایسا تھا کہ وہ کبھی کچھ سوال نہیں کرتا تھا، ایک دن استاد نے اس سے کہا: ''میاں صاحبزادے تم کبھی نہیں کچھ پوچھتے ہو؟ کبھی تم بھی سوال کیا کرو'' اس نے کہا: بہت اچھا، اب سوال کروں گا، اس روز کتاب الصوم کا سبق ہو رہا تھا، جہاں روزہ کا وقت بتلایا گیا ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ کا وقت ہے، یہاں پہونچ کر اُن کبھی نہ پوچھنے والے کا مہر سکوت ٹوٹا اور استاد کے حکم کے مطابق سوال کا شوق پیدا ہوا تو بولے کہ حضرت! اگر کسی دن آفتاب ہی نہ غروب ہو تو اس دن کیا ہوگا؟ استاد نے فرمایا کہ:

''صاحبزادے تمہارا چپ رہنا ہی اچھا تھا، اب معلوم ہوا''

المعترض كالأعمى

کسی اعتراض کرنے والے کے بے محل اعتراض پر فرماتے ''**المعترض كالأعمى**'' عربی کا مشہور مثل ہے، جس کو اعتراض ہی کا شوق ہوتا ہے، وہ اندھے کی طرح ہوتا ہے، اندھا لکڑی چلاتا ہے تو اس کو کیا خبر کہ کس کو لگی اور کس کو نہ لگی اور کس کو لگنی چاہئے تھی اور کس کو نہیں لگنی چاہئے تھی، ویسے ہی اس کا اعتراض بھی اندھے کی لکڑی کی طرح ہوتا ہے۔

یک خواند خواند، دو خواند ہیچ خواند، سہ خواند ہیچ نہ خواند

زیادہ کتابیں پڑھنے والے اور ہر کتاب میں استعداد خراب رکھنے والے طلبہ سے کہتے کہ زیادہ کتابیں پڑھنے سے استعداد خراب ہی رہا کرتی ہے، اہل علم میں مشہور ہے کہ

یک خواند خواند دو خواند ہیچ خواند ، سہ خواند ہیچ نہ خواند

''جو ایک کتاب پڑھتا ہے، وہ پڑھتا ہے (اس کے پڑھنے کو پڑھنا کہہ سکتے ہیں) جو دو کتابیں پڑھتا ہے، وہ کچھ پڑھتا ہے (اس کے پڑھنے کو بھی اتنا تو نہیں، مگر کچھ پڑھنا کہہ سکتے ہیں) اور جو تین کتابیں پڑھتا ہے، وہ کچھ نہیں پڑھتا ہے (اس کے پڑھنے کو پڑھنا نہیں کہہ سکتے اس استعداد کچھ بھی نہیں بنتی)''

مکھی مار کر چپکا لیا کرو

محنت نہ کرنے والے طلبہ جو پڑھنے سے پہلے مطالعہ نہیں کرتے اور پڑھ کر سبق یاد کرنا تو کجا پڑھے ہوئے سبق پر ایک نظر بھی نہیں ڈالتے ؛ بلکہ پڑھتے وقت بھی توجہ سے نہیں پڑھتے، وہ دوسرے دن جب سبق میں آتے تو ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ کل سبق کہاں تک ہوا تھا اور آج کہاں سے شروع ہوگا، جماعت میں سبق شروع ہوجاتا، کوئی ذی استعداد طالب علم عبارت پڑھنا شروع کر دیتا، مگر ان کو اب تک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں سے عبارت پڑھی جارہی ہے، ان کی نگاہیں کتاب کے صفحہ پر ادھر ادھر تجسس کرتی رہتیں، مولانا ان کی اس حرکت کو سمجھ جاتے اور فرماتے کہ تمہاری ہی طرح ایک طالب علم تھے، وہ روزانہ جہاں سبق ختم ہوتا تھا، وہاں ایک مکھی مار کر چپکا دیا کرتے تھے ؛ تاکہ دوسرے روز زیادہ تلاش کرنا نہ پڑے اور چپکی ہوئی مکھی سے پتہ چل جائے کہ سبق یہاں تک ہوا تھا، تم بھی روزانہ ایک مکھی چپکا لیا کرو، مگر اس میں بھی کبھی دھوکہ ہوسکتا ہے کہ جلدی اور غفلت میں ایک سطر اوپر چپک گئی یا ایک سطر نیچے چپک گئی، اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مکھی چپکائی تو ٹھیک جگہ پر، مگر کتاب بند کرنے کے بعد وہ اس صفحہ سے اکھڑ کر دوسرے صفحہ پر چپک گئی۔

اس موقع پر ایک قصہ سناتے کہ: ''ایک نابینا حافظ جی تھے، ان سے لوگ چاند کی تاریخ

پوچھا کرتے تھے، وہ کرتے یہ تھے کہ ہرمہینہ کی ۲۹ تاریخ کو اپنے طلبہ وغیرہ کو باہر میدان میں چاند دیکھنے کے لئے متعین کرتے اور بڑے اہتمام سے رؤیت شرعی کی معلومات حاصل کرتے، کمرہ کے اندر انہوں نے مٹی کی ایک ہانڈی رکھی تھی اوران کے گھر میں ایک بکری پلی ہوئی تھی، پہلی تاریخ کو اس بکری کی ایک مینگنی اس ہانڈی میں رکھ دیتے اور پھر روزانہ ایک ایک مینگنی اس ہانڈی میں بڑھا تے جاتے، اوراس کو بہت راز دارانہ طریقہ پر کرتے کہ ان کی اس حرکت کو سوائے ان کے کوئی نہیں جانتا اور جب کوئی تاریخ پوچھنے آتا کہ حافظ جی! آج چاند کی کونسی تاریخ ہے تو اس سے کہتے کہ آپ بیٹھئے میں ابھی آکر بتلاتا ہوں، پھر اندر کمرہ میں جاکر ہانڈی کے مینگنیوں کو گنتے، پھر باہر آکر تاریخ بتلا دیتے، حافظ جی کو بہت شہرت ہوگئی تھی کہ بہت روشن ضمیر ہیں، ایک شریر ان کے پیچھے لگا اوراس معاملہ کی تحقیق وتفتیش کے درپے ہوا، ایک دن آیا اور پوچھا حافظ جی چاند کی کون سی تاریخ ہے؟ انہوں نے کہا آپ یہیں بیٹھئے میں ابھی آکر بتلاتا ہوں، وہ اندر کمرے میں گئے یہ بھی دبے پاؤں حافظ جی کے پیچھے پیچھے کمرہ میں پہونچا، حافظ جی نابینا تو تھے ہی، ان کو اس کے کمرہ میں آنے کی خبر نہ ہوسکی، اس نے اصل معاملہ کو دیکھ لیا حافظ جی نے مینگنیاں نکا کر شمار کی ہیں، پھر چپکے سے پہلے وہ باہر نکل آیا، اس کے بعد حافظ جی مینگنیوں کو ہانڈی میں رکھنے کے بعد باہر نکلے اور فرمایا کہ بھائی! آج فلاں تاریخ ہے، وہ چلا گیا اور پھر کسی دوسرے روز چپکے سے اس کمرہ میں داخل ہوکر ہانڈی کی مینگنیوں کو چور چور کردیا اور باہر آکر حافظ جی سے پوچھا کہ حافظ جی چاند کی آج کون سی تاریخ ہے؟

حافظ جی نے کہا کہ یہیں بیٹھئے میں ابھی آکر بتلاتا ہوں، اندر جو گئے تو وہاں عجیب کرشمہ نظر آیا مینگنیاں چور چور ہیں، اب کیسے شمار کریں اور کیسے معلوم کریں، بہت دیر تک اندر ہی بیٹھے سوچتے رہے کہ اب کیا کروں اور باہر جاکر کیا کہوں، آخر مجبور ہوکر دیر کے بعد باہر نکلے، اس نے کہا: حافظ جی کیا بات ہے بڑی دیر میں نکلے، بتلایئے تو سہی آج کون سی تاریخ ہے، حافظ جی نے منہ بنا کر کہا: میاں کیا پوچھتے ہو؟ عجیب انقلابات زمانہ ہیں، عقل حیران ہے کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی، اس نے کہا: حافظ جی کیا بات ہوئی؟ بولے میاں کیا بات ہوتی، تاریخیں آپس میں لڑلڑ کر چور چور ہوگئی ہیں۔

اب کوئی کیا بتلائے کہ کون سی تاریخ ہے، کوئی بھی تاریخ سالم نہیں ہے کہ شمار کی جاسکے، ایک

ایک تاریخ کے دس دس بیس بیس ٹکڑے اڑ گئے ہیں، اب تاریخ کا تو کوئی سوال ہی باقی نہیں رہا، میاں اب قیامت ہی کا انتظار کرو''۔

صاحبزادے! کہیں اسی طرح کا دھوکہ مکھی کے چپکانے میں بھی نہ ہو جائے کہ کسی دن زور سے کتاب بند کی تو اندر ہی اندر مکھی کے ٹکڑے اڑ کر پھیل نہ جائیں، پھر کہاں کہاں سے سبق شروع کرو گے۔

پڑھا بے پڑھا برابر

بے استعداد طلبہ سے کبھی فرماتے:

''میاں تمہارا تو پڑھا بے پڑھا سب برابر ہے''

یہ دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ طالب علم نے اپنی استعداد کثرت مطالعہ و محنت سے اتنی بڑھالی کہ اس کا بے پڑھا ہوا بھی پڑھے ہوئے کی طرح ہو گیا اور بے پڑھا ہوئے کو بھی پڑھے ہوئے کی طرح سمجھنے پر قادر ہو گیا تو اس کو کہتے ہیں کہ اس کا پڑھا بے پڑھا دونوں برابر ہے، یعنی بے پڑھا بھی پڑھے ہوئے کی طرح ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ نہ دیکھ کر پڑھا اور نہ پڑھ کر دیکھا تو اس کا پڑھا ہوا بھی بے پڑھے ہوئے کی طرح ہوتا ہے، اس کو بھی کہتے ہیں کہ اس کا پڑھا بے پڑھا دونوں برابر ہے، یعنی پڑھا بھی ہے بے پڑھے کی طرح ہے۔

صرف اور نحو کی کتابیں پڑھنے والے طلبہ سے فرماتے:

صرفیاں را مغز باید چوں سگاں
نحویاں را مغز باید چوں شہاں

''ثَمَّ خیراً'' کا مرض

جو طلبہ ایک جگہ جم کر نہیں پڑھتے، کبھی اس مدرسہ میں، کبھی اس مدرسہ میں، کبھی اس استاذ کے پاس، کبھی اس استاذ کے پاس، ان طلبہ کی ہمیشہ استعداد خراب رہا کرتی، ایسے طلبہ کے بارے میں فرماتے کہ:

''طلبہ کو ''ثُمَّ خیراً'' کا مرض ہوتا ہے، یعنی وہاں خیر ہے، یہاں نہیں ہے، دوسرے مدرسہ میں گئے تو وہاں بھی خیر نظر نہ آیا اور سمجھ میں آیا کہ یہاں نہیں وہاں، یعنی تیسری جگہ خیر ہے، اس میں زندگی برباد اور استعداد خراب ہوتی ہے''

بغیر مطالعہ کے پڑھنا اور پڑھانا دونوں حرام ہیں

جو طلبہ یا اساتذہ مطالعہ کے عادی نہ ہوتے ان سے فرماتے کہ:

''بغیر مطالعہ کے پڑھنا اور پڑھانا دونوں حرام ہیں''

مطالعہ کی تعریف

مطالعہ کی تعریف یہ بتلاتے کہ:

''**تمییز المجهول من المعلوم**'' (اپنی جانی ہوئی باتوں میں سے نہ جانی ہوئی باتوں کو جدا کر لینا) یعنی جو کل سبق پڑھنا ہے، آج مطالعہ کر کے یہ متعین کرے کہ اس سبق میں اس کو کیا کیا معلوم ہے اور کیا کیا نہیں معلوم ہے، جو باتیں نہیں معلوم ہوں، ان میں ذہن لگا کر کچھ مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرے، پھر جب استاذ کے پاس جائے تو غور سے اس کی تقریر کو سنے اور غور کرے کہ جو باتیں اس کو جس طرح معلوم تھیں، استاذ کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں اور جو باتیں نہیں معلوم تھیں اور ان کا مفہوم متعین کرنے کے لئے، جو کوشش کی گئی تھی، وہ کس حد تک کامیاب ہوئی ہے، آیا استاذ کے بیان سے بھی وہی مفہوم متعین ہوتا ہے، یا کچھ اور، اس کے لئے استاذ کی تقریر کو بہت غور سے سننا ضروری ہے، اور جہاں کچھ اشکال ہو، وہاں استاذ سے پوچھ کر اس اشکال کو دور کرنا ضروری ہے''

بغیر سمجھے ہوئے استاذ کے پاس سے اٹھ آنا حرام ہے

فرمایا کرتے:

''بغیر سمجھے ہوئے استاد کے پاس سے اٹھ آنا حرام ہے''

مطالعہ کا طریقہ

مطالعہ کا طریقہ بتلاتے کہ:

''پہلے عبارت پڑھی جائے اور اس کے اعراب و وجوہ اعراب پر غور کیا جائے، ایک مرتبہ میں کامیابی نہ ہوتو بار بار عبارت پڑھ کر، اس کو صحیح کرنے کی کوشش کی جائے، پھر ترجمہ کیا جائے، اس کے بعد مطلب پر غور کیا جائے اور مکرر سہ کرر غور کیا جائے اور اپنے طور پر سمجھ لینے کے بعد بین السطور اور حاشیہ کو بھی دیکھا جائے''

مطالعہ کا فائدہ

اس طرح مطالعہ کرنے سے ذہن کھلتا چلا جاتا ہے اور استعداد بڑھتی جاتی ہے۔

مطالعہ کا کمال

فرمایا کرتے کہ:

''مطالعہ کا کمال یہ ہے کہ اتنی استعداد پیدا ہوجائے کہ جس فن کی بھی ایک کتاب پڑھ لی جائے اس فن کی دوسری کتابیں صرف مطالعہ سے نکالی جاسکیں''

بُزِ اخفش

جو طالب علم بار بار سمجھانے کے بعد بھی نہ سمجھتا تو فرماتے کہ: یہ ''بز اخفش'' ہے اور پھر فرماتے کہ

’’بز اخفش کو جانتے ہو اخفش بہت بڑے نحوی تھے، جب وہ پڑھتے تھے تو اپنے استاد کے پاس سے جو کچھ پڑھ کر آتے اس کو اپنے گھر کے ایک کمرہ میں، جہاں ان کی بکری بندھی ہوتی تھی، اس کے سامنے استاد کی پوری تقریر دہراتے اور اس کے دونوں کان پکڑ کر زور سے اس کو حرکت دیتے کہ سمجھ گئی، وہ کان چھوڑانے کے لئے سر کو دائیں بائیں حرکت دیتی یہ کہتے نہیں سمجھی؟ اچھا پھر سن، دوبارہ تقریر کرتے اور پھر اس کے دونوں کان پکڑ کر اسی طرح جھٹکا دے کر پوچھتے کہ سمجھ گئی، وہ داہنے بائیں سر کو ہلاتی تو یہ کہتے کہ نہیں سمجھی۔ اچھا پھر سن تیسری مرتبہ پھر استاد کی پوری تقریر کرنے کے بعد پھر پوچھتے اور اس کے دائیں بائیں سر ہلانے پر کہتے کہ نہیں سمجھی؟ اچھا اب کل سمجھاؤں گا، اسی طرح روزانہ اس کو اپنا سبق تین تین مرتبہ سناتے سناتے یہ تو متبحر عالم ہو گئے، مگر وہ اخیر دن تک سر کو دائیں بائیں ہلاتی ہی رہی اور بکری کی بکری ہی رہی، ایسے نہ سمجھنے والے طلبہ کو اہل علم کی اصطلاح میں ’’بز اخفش‘‘ کہتے ہیں‘‘

دو دل بودن بجز بے حاصلی نیست

جو طلبہ مشاغل درس کے ساتھ اور دوسرے مشاغل اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے تو ان سے حیرت کے لہجہ میں دریافت فرماتے کہ درس کا کیا ہوگا، وہ جواب دیتے کہ اس کو بھی جاری رکھیں گے تو فرماتے:

دو دل بودن بجز بے حاصلی نیست

کبھی فرماتے:

{مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ} (۱)

’’اللہ نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں پیدا کئے ہیں‘‘

(۱) الأحزاب: ۴

خشت اول چوں نہد معمار کج

ابتدائی درجات کے طلبہ سے بہت محنت کراتے اور اچھے اساتذہ سے انتہائی جد و جہد کے ساتھ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیتے ہوئے فرمایا کرتے:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تاثریّا می رود دیوار کج

فرماتے کہ

''اگر ابتدائی تعلیم اچھی ہے، بنیاد مضبوط ہے اور بنیاد ہی سے استعداد مستحکم ہے تو اوپر کی کتابوں میں بڑی آسانیاں پیدا ہوتی ہیں اور اگر ابتدائی تعلیم خراب ہوئی ہے اور بینادی استعداد خراب ہے تو اوپر کی کسی کتاب میں بھی کامیابی نہیں ہوسکتی، جیسے کسی بچہ کو حروف شناسی درست نہ ہوتو قرآن کیسے پڑھ سکتا ہے، اسی طرح عربی کی کتابوں میں صرف ونحو کی استعداد درست نہ ہوا شتقاق و مادہ اشتقاق سے ناواقف ہو، گردانیں یاد نہ ہوں، صحیح، مہموز، مضاعف اور اجوف کی خبر نہ رکھتا ہو، معرب، مبنی، رفع، نصب، جر اور کیفیات اعراب کی تمیز نہ رکھتا ہو تو کس طرح صحیح عبارت پڑھ سکتا ہے اور جب صحیح عبارت نہ پڑھ سکا تو صحیح ترجمہ کیسے کر سکتا ہے اور مفہوم عبارت تک کس طرح پہونچ سکتا ہے؟

ایں خیال است ومحال است وجنوں

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں

کوئی طالب علم کھیل کود اور بدشوقی کو بھی نہ چھوڑے اور اشتیاق علم کا بھی اظہار کرے تو اس سے فرمایا کرتے:

ہم خدا خواہی وہم دنیا ئے دوں ایں خیال است ومحال است وجنوں

ہر گلے رارنگ وبوئے دیگر است

مختلف المزاج اور متنوع الطبائع علماء کا ذکر چھڑ جاتا یا کبھی مختلف الاحوال بزرگوں کا تذکرہ ہوتا تو فرمایا کرتے:

ہر گلے رارنگ وبوئے دیگر است

اہل علم اور اہل اللہ کے تفاوت درجات پر گفتگو کو یہ شعر پڑھ کر روک دیتے۔

نہ ہرزن ، زن است نہ ہرمرد ، مرد　　خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

حکیم سَنائی

اہل علم کے صاحبزادگان پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ نہ کرتے تو ان کو حکیم سنائی کا قصہ سناتے کہ

''کسی شہر میں ایک حکیم صاحب تھے، جو شہر طبیب بھی تھے اور شاہی حکیم بھی، بہت دست شفا اور بہت مقبول خاص وعام، ان کا ایک لڑکا تھا، حکیم صاحب نے بہت کوشش کی کہ وہ لڑکا پڑھ لے، مگر اس نے پڑھنے لکھنے کی طرف دھیان نہیں دیا، حکیم صاحب نے آخر عمر میں اپنے کتب خانہ کی تمام کتابوں کو ایک گڑھے میں رکھ کر اس لڑکے سے کہا کہ اس گڑھے کو پھاند جا اور جب میں مرجاؤں تو میرے مطب میں بیٹھنا اور افسوس کہ تو نے کچھ حاصل تو کیا نہیں، سنائے مکی کوٹ کر مطب میں رکھ لینا، جو بھی مریض آئے، اس کو سنائے مکی دے دیا کرنا، عموماً لوگ معدہ ہی کے مریض ہوتے ہیں، بحکم خداوندی فائدہ زیادہ ہوگا، ہمارے مطب کی بھی خاص چیز سنائے مکی ہی ہے، جو اہل علم آکر پوچھیں کہ تعلیم کہاں حاصل کی تو کہہ دینا کہ والد صاحب نے اپنے کتب خانہ کی تمام کتابوں سے مجھ کو گذار دیا ہے، مطب پہلے سے مشہور ہے، قسمت کی روٹی ملتی رہے گی اور کسی طرح گذر بسر ہوتی رہے گی کسی کو نقصان بھی ہوگا تو اس کا

زیادہ بڑا اثر مطب پر نہیں پڑے گا، نقصان میرے علاج سے بھی ہوتا ہے، شفا اللہ کے ہاتھ ہے''

یہاں تک قصہ سنانے کے بعد ان بدشوق صاحبزادگان کو غیرت دلا کر فرماتے کہ:

''تم بھی باپ کے کتب خانہ کی کل کتابیں گڑھے میں رکھ کر پھاند جاؤ، مگر اس سے علم نہیں آسکے گا، محنت کرو اور علم کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کرو''

تائید غیبی اور امداد خداوندی

ایک مرتبہ اللہ کی تائید غیبی کا ذکر تھا، فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد جس کے ساتھ ہو جائے اس کو پوری دنیا کی طاقتیں بھی مل کر نقصان پہونچانا چاہیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، مذکورہ بالا قصہ کو بیان کر کے فرمایا:

''چنانچہ حکیم صاحب کا جب انتقال ہو گیا تو دوسرے ہی دن سے مطب کھول کر اپنے باپ کی جگہ پر صاحبزادہ بیٹھ گیا، سارے شہر میں دھوم مچ گئی اور عام طور پر جو مایوسی چھا گئی تھی کہ حکیم صاحب چلے گئے تو مطب ختم ہو گیا اور ان کا جانشیں کوئی نہیں رہا وہ مایوسی دور ہو کر مسرت کی لہریں ہر طرف دوڑ گئیں۔

مطب میں تعزیت کرنے والے خواص وعوام کا تانتا بندھ گیا، سارا شہر بڑے بڑے قابل حکیم اور اطباء سے بھرا ہوا تھا، وہ سب بھی آئے اور پوچھا کہ ہم تو یہی جانتے تھے کہ تم نے کچھ حاصل نہیں کیا، مگر یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں کہ تم نے باپ کے مطب کو آباد کر دیا، کیا حکیم صاحب سے تم پڑھتے بھی تھے، اس نے کہا کہ پڑھنا تو درکنا، والد صاحب نے اپنے کتب خانہ کی کوئی کتاب نہیں چھوڑی، جس سے مجھ کو نہ گذار دیا ہو، سب ہی اہل علم خوشی کا اظہار کر کے چلے گئے، مگر سب ہی

اس کی طرف سے شبہات میں مبتلا رہے۔

اب مطب چلا، مریض آنے لگے اور سناءکی کا سفوف استعمال کر کے شفایاب ہونے لگے، کسی کو نقصان نہ پہونچتا، سب ہی کو فائدہ ہوتا، اطباء شہر کو جب خبر ہوئی کہ سب کا سناءکی ہی سے علاج ہوتا ہے تو اس کی جہالت کا سب کو یقین ہو گیا؛ لیکن مطب اتنا چلنے لگا کہ شہر کے سارے طبیب ماند پڑ گئے، اس سے عام طور پر حسد اور اس کی جہالت کی وجہ سے غیض وغضب اطباء میں بھڑک اٹھا، روزانہ رات کو اطباء کی مجلس ہوتی اور اس کا ذکر چھڑتا اور یہ کہ فن طب کی تذلیل وتوہین ہو رہی ہے اور ایک جاہل لڑکا اس طرح اس فن شریف کو رسوا کر رہا ہے۔

ہوتے ہوتے وہ حکیم سنائی کے نام سے مشہور ہو گیا، ایک دن حکیم صاحب نے مطب کھولا ہی تھا کہ ایک دھوبی روتا ہوا آیا کہ حکیم صاحب! میرا گدھا گم ہو گیا ہے، آپ کے والد صاحب ہماری اس قسم کی ضرورتوں میں بھی کام آتے تھے، کوئی چیز گم ہو جاتی تھی، تو وہ کچھ ترکیب کر دیتے تھے، حکیم سنائی نے کہا: لے جاؤ سناءکی، میرے پاس تو انہیں کا دیا ہوا یہی نسخہ ہے، اس کو گرم پانی کے ساتھ پی لو، پھر دیکھو خدا کیا کرتا ہے، سناءکی لے جا کر سوتے وقت اس کو پی لیا اور دو گھنٹہ کے بعد سے اس کو پاخانہ کا سلسلہ شروع ہو گیا، بار بار رفع حاجت کے لئے اٹھتا تھا، پچھلی شب کو صبح کے قریب ایک قریبی کھنڈر میں رفع حاجت کے لئے بیٹھا تھا کہ کچھ کھڑ کھڑاہٹ کی آواز سنی، غور سے جو دیکھا تو اس کا گدھا اس کھنڈر میں آ کر ادھر ادھر پھر رہا تھا، مارے خوشی کے اچھل پڑا اور گدھے کی گردن سے لپٹ گیا اور اس کو پکڑ کر گھر لایا، صبح سویرے حکیم صاحب کی خدمت میں کچھ پھل، کچھ مٹھائیاں، کچھ روپئے لے کر پہونچا اور بہت شکریہ ادا کیا، اس واقعہ کی خبر بھی بہت مشتہر ہوئی، اطباء

شہرات کو اپنی مجلس میں اس واقعہ پر بہت ہنسے۔

چند روز کے بعد ایک جوہری کے گھر اشرفیوں کی تھیلی گم ہوگئی، جس سے گھر بھر میں کہرام مچ گیا، اس گھر میں اسی دھوبی کی بیوی کپڑے دھوتی تھی، وہ کپڑے لینے کو پہونچی تو گھر میں سب کو پریشان دیکھ کر وجہ دریافت کرنے لگی، کوئی وجہ بتلاتا نہ تھا، مگر اس کے اظہار اخلاص وہمدردی کی بنا پر جوہری کی بیوی نے وجہ بتلا دی، دھوبن نے کہا :اسی لئے تو پوچھتی تھی، پریشانی کی کوئی بات نہیں، فلاں حکیم صاحب کو بلا لیجئے یا حال کہلا بھیجئے، وہ دوا دیں گے، جوہری کی بیوی نے کہا کہ بے وقوف! یہاں بیمار کون ہے؟ اور وہ کس کو دوا دیں گے؟ دھوبن نے کہا: جوہری صاحب کو دوا دیں گے اور اشرفیاں گم ہوگئی ہیں، یہ بیماری ہے، آپ شک نہ کریں، میرا گدھا گم ہوگیا تھا، حکیم صاحب کی دوا سے ہی ملا ہے، اتنا کہہ کر وہ دھوبن خود دوڑتی ہوئی حکیم صاحب کے پاس گئی اور حال کہہ کر دوا لے آئی، جوہری نے دوا استعمال کر لی، پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد سے جلاب کا سلسلہ شروع ہوگیا، جب تک طاقت رہی بیت الخلاء بار بار جاتے آتے رہے اور جب بالکل ہی نڈھال ہو گئے تو چارپائی کے پاس ہی انتظام کیا گیا، پھر جب اٹھنا بھی مشکل ہوا تو لیٹے لیٹے بستر پر ہی رفع حاجت کا نظم ہوا، سارے گھر میں کہرام مچ گیا، دھوبن کو بلا کر اس پر خفگی کا اظہار کیا گیا، مگر اس کو پورا یقین تھا، بڑے اطمینان سے کہا کہ آپ لوگ گھبرائیں نہیں، نتیجہ بہت جلدی ظاہر ہونے والا ہے، ادھر کمزوری بڑھتے بڑھتے حال یہ ہوا کہ بستر پر ہلنا جلنا بھی مشکل ہوگیا اور جوہری کی آنکھیں اوپر کی جانب چڑھ گئیں، نگاہیں چھت کی طرف تھیں، اچانک جوہری کی نظر ایک لال پھندنے پر پڑی، جو چھت کے قریب کمرے کی اندرونی دیوار سے لٹک رہا تھا، وہ پھندنا

اس کی گم شدہ تھیلی کا تھا، دیکھتے ہی خوشی سے اچھل کر بیٹھ گیا، مسرت کی لہریں دوڑ گئیں، کمزوری کا احساس جاتا رہا، لکڑی کی سیڑھی دیوار سے لگائی گئی اوپر چڑھ کر پھندنے کو کھینچا گیا تو پوری تھیلی ہاتھ میں آ گئی، یہ چوہوں کا کرشمہ تھا، وہ کھینچ کر دیوار پر لے گئے تھے، وہیں کہیں ان کا بل ہوگا، خیریت ہوئی کہ اتنی بڑی تھیلی، بل میں داخل نہ ہوسکی، ورنہ پتہ چلنا مشکل ہوتا؛ چوں کہ اس میں مالیت بہت تھی، جس کے غائب ہونے سے سارا گھر غم زدہ تھا، اب اس کے ملنے سے بھی سارا گھر خوشی سے باغ باغ ہوگیا، جوہری نے نصف اشرفیاں حکیم صاحب کو یہ کہہ کر نذر کیں کہ میری تو ساری ہی گم ہوگئی تھیں، حکیم صاحب کی برکت سے ملی ہیں، سب انہیں کی ہونی چاہئیں، میرے لئے اس میں سے نصف بھی بہت غنیمت ہیں، بڑے گھر کا یہ واقعہ تھا، سارے شہر میں اس کی شہرت ہوگئی، حکیم صاحب کی دھوم مچ گئی اور شہر کے اطباء کے غم وغصہ میں مزید اضافہ ہوا۔

چندروز کے بعد وہی دھوبن شاہی بیگمات کے کپڑے بھی دھوتی تھی، بادشاہ کی ایک بیگم کے محل سرا میں کپڑے لینے گئی تو وہاں بیگم کو بہت غم زدہ پایا، اس نے سبب غم دریافت کیا، بیگم نے پہلے تو بتلانے سے انکار کیا، مگر دھوبن کے اصرار سے مجبور ہوکر بتلادیا کہ بادشاہ اس سے آج کل ناراض ہوگئے ہیں اور اس محل میں آنا جانا چھوڑ دیا ہے۔

دھوبن نے اس کو بھی حکیم سنائی کا پتہ بتلا کر دوا استعمال کرنے پر راضی کرلیا اور پھر وہ دھوبن ہی جا کر دوا لے آئی، بیگم نے حسب ہدایت استعمال کی، نازک بدن تو تھی ہی، پاخانہ کا سلسلہ جلدی شروع ہوا اور کمزوری بھی بہت جلدی آ گئی، لب فراش ہوگئی، حالت نازک ہوئی تو اندر سے باہر تک کہرام مچ گیا، ارباب حکومت کو خبر ہوگئی، کسی وزیر نے بادشاہ کو خبر پہونچائی کہ آپ کی فلاں بیگم کی حالت نازک ہے، بادشاہ نے

وجہ دریافت کی، کچھ معلوم تو تھا نہیں کہ وجہ بتلا سکتے، بات یہ بنائی کہ حضور آج کل ان بیگم صاحبہ سے ناراض ہیں اور ان کے محل میں آنا جانا ترک فرمادیا ہے، اسی غم میں وہ عرصہ سے گھل رہی ہیں، یہاں تک کہ اب حالت نازک ہے، یہ سن کر بادشاہ کی محبت کو جوش آیا اور وزیر سے کہا کہ ''کسی کو بھیج کر جلدی بیگم کو خبر کرو کہ میں اس کو دیکھنے آرہا ہوں''، بیگم کو جو خبر ہوئی کہ بادشاہ ان کو دیکھنے تشریف لا رہے ہیں، مارے خوشی کے اٹھ بیٹھی، مسرت کی طاقتوں نے اس کی ساری کمزوری کو آناً فاناً دور کردیا، میلے کچیلے لباس غم کو دور کر کے اچھے اچھے بیگماتی کپڑے زیب تن کئے، تھوڑی ہی دیر میں بادشاہ سلامت آ گئے، دیر تک بیٹھے بہت تسلی دی اور اب بادشاہ کی نگاہوں میں اس کی وقعت اتنی بڑھ گئی کہ ساری بیگمات میں سب سے اونچا مقام اس کو حاصل ہوا، بیگم نے زر و جواہرات کے ڈھیر حکیم صاحب کی نذر کئے اور زندگی بھر ان کی ممنون رہی۔

اس واقعہ کی خبر بھی شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی، اطباء شہر سے اب صبر نہ ہوسکا، رات کو سب کی بیٹھک ہوئی اور اس میں یہ طے ہوا کہ فن طب کا مذاق اس طرح کب تک اڑانے دیا جاتا رہے گا، سارے شہر کے ماہر اطباء ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، کسی کے یہاں کوئی مریض نہیں اور اس جاہل کی دھوم مچی ہوئی ہے، اس کو سر کھجلانے کی فرصت نہیں، مریضوں کا ہجوم ہے کہ ہر وقت گھیرے ہوئے ہیں، طے ہوا کہ اس فتنہ کو ختم کرنے کی کچھ تدبیر ہونی چاہئے اور ایک تدبیر طے کر کے صبح سویرے سب اطباء شہر وفد بنا کر حکیم سنائی کے پاس پہونچے، ان کی کامیابی اور بڑھتی ہوئی شہرت و مقبولیت پر بہت مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ماشاء اللہ آپ تو اپنے والد محترم سے بھی بڑھ گئے، وہ جن چیزوں کا علاج دعا تعویذ سے کرتے تھے، آپ ان کا علاج بھی دوا ہی

سے کرتے ہیں، مگر شاید آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے والد شاہی طبیب بھی تھے، روزانہ دربار کے وقت بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے، جس وقت دربار میں پہونچتے تھے، بادشاہ ان کے استقبال کے لئے کھڑا ہوجاتا تھا اور کسی دن بادشاہ کسی اور طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے استقبال کے لئے کھڑا نہ ہوا تو آپ کے والد صاحب بادشاہ کو ایک تھپڑ رسید کرتے تھے، اس کے بعد بادشاہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوجاتا تھا، ہم لوگوں کی رائے ہے کہ آپ بادشاہ کے دربار میں جائیں اور اسی شان سے جا کر اپنے والد کی جگہ حاصل کریں۔

حکیم سنائی نے ان کو مخلص سمجھ کر اس مشورہ کو قبول کر لیا اور دربار کے وقت دربار شاہی میں پہونچے، آداب شاہی تو کیا بجالاتے، سیدھے بادشاہ کے تخت کے پاس پہونچے، وزراء، امراء اور اعیان حکومت کو غصہ آیا کہ یہ کون گستاخ اس طرح گھستا چلا جارہا ہے، تخت کے پاس پہونچے بادشاہ، جب ان کے استقبال کے لئے کھڑا نہ ہوا تو اس کو زور سے ایک تھپڑ رسید کیا۔

تمام وزراء کی تلواریں نکل گئیں اور فوراً حکیم صاحب کی گردن کسی نہ کسی کی تلوار سے اڑنے ہی والی تھی کہ تائید غیبی اور امداد خداوندی کا کرشمہ ظاہر ہوا، جب حکیم صاحب نے تھپڑ مارا تھا تو بادشاہ کا تاج دور جا کر گرا تھا، بادشاہ کی نظر اچانک جو اس تاج پر پڑی تو اس میں ایک سانپ کنڈل مار کر بیٹھا ہوا نظر آیا، بادشاہ نے لوگوں کو روکا، خبردار! خبردار! کوئی ان پر ہاتھ نہ اٹھائے، یہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتۂ رحمت ہیں، جو میری جان بچانے کے لئے بھیجے گئے ہیں، یہ اللہ والے روشن ضمیر بزرگ ہیں، بادشاہ ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوگیا اور اپنے تخت پر ان کو اپنی جگہ پر بیٹھایا، خود کچھ ہٹ کر بیٹھا، تعارف کے بعد اور بھی خوش

ہوااور درخواست کی کہ آپ روزانہ دربار کے وقت تشریف لاکر اسی تخت پر بیٹھا کیجئے، میری تو جان گئی تھی، اب یہ تخت وتاج سب آپ ہی کی برکت سے مجھ کو دوبارا نصیب ہوا ہے، اب اس کے صحیح مستحق تو آپ ہیں، اس دن سے روزانہ حکیم صاحب دربار میں بڑے طمطراق سے پہونچتے، جب تخت شاہی کے پاس پہونچتے تو بادشاہ تعظیم کے لئے کھڑا ہوجاتا اور تخت کے صدر مقام پر ان کو بٹھاتا، خود ادباً کچھ ہٹ کر بیٹھتا۔

اس واقعہ کی بھی سارے شہر میں خوب خوب دھوم مچی حکیم صاحب کے ماننے والوں کو بہت خوشی ہوئی کہ ان کے حکیم صاحب شاہی طبیب ہو گئے اور اس شان سے ہوئے کہ ان کے والد کی بھی یہ شان نہ تھی۔

سارے اطباء شہر اس واقعہ کے بعد جل بھن کر کباب ہو گئے اور اپنی تدبیر کی ناکامی پر شرم سے پانی پانی ہو کر رات کو حسب دستور ایک بیٹھک کی، جس میں سارے واقعات پر بحث ہوتی رہی، اخیر میں یہ تاثر ظاہر کیا گیا کہ تائید غیبی اور امداد خداوندی اس لڑکے کے ساتھ ہے، جو حکیم صاحب مرحوم کی بزرگی اور اخلاص، نیز اس لڑکے کے حسن نیت کا بھی اثر ہے، ہم نے تو سب نے مل کر اس کی جان لینے کی فکر کی تھی، مگر جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے؟ اس کے بعد طے ہوا کہ اب آئندہ کے لئے تمام اطباء شہر حکیم سنائی کی ہر طرح کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں اور جو کچھ اب تک کیا اس کی معافی چاہتے ہیں۔

پھر صبح سویرے تمام اطباء کا وفد حکیم سنائی کے در دولت پر حاضر ہوا اور اس مرتبہ پر خلوص ملاقات کی اور آئندہ بھی ہمیشہ خلوص کے تعلقات قائم رکھے۔

اب حکیم صاحب کا معمول یہ ہو گیا کہ دربار کے وقت شاہی

تخت پر جا کر بیٹھتے اور دوسرے وقت اپنے مطب میں جلوہ افروز ہوتے، اب تمام اہل شہر کی نظر میں ان کی وقعت بہت بڑھ گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک نیا واقعہ یہ ہوا کہ جب دربار میں گئے تو بادشاہ کو بہت غمگین پایا، حکیم صاحب نے سبب دریافت کیا بادشاہ نے پہلے تو ظاہر کرنا نہ چاہا، مگر حکیم صاحب کی عظمت سے اس کا دل لبریز تھا، ان کی اصرار پر بتلایا کہ میرے مخالف فلاں بادشاہ نے میرے ملک پر چڑھائی کی ہے، اس کی فوجیں بہت ہیں، اس کی طاقت میری طاقت سے زیادہ ہے، میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہوں، اور خبر آئی ہے کہ وہ ہمارے شہر سے قریب پہونچ چکا ہے اور قریبی میدان میں اترا ہوا ہے، حکیم صاحب نے کہا کہ کیا اس کی طاقت زیادہ ہے؟ اللہ کی طاقت سے بھی زیادہ ہے؟ آپ نے مجھ کو صرف تخت پر بیٹھنے کے لئے ہی مقرر کیا ہے، ایسی بات کو مجھ سے آپ نے چھپایا فورًا سناءمکی دیگ میں چڑھوادیجئے اور ایک ایک پیالہ تمام فوجی سپاہیوں یا افسر حتی کہ وزراء اور آپ خود بھی سب اس کو استعمال کر کے صبح غنیم پر حملہ کردیجئے، پھر قدرت الٰہی کا تماشا دیکھئے۔

دشمن کے جاسوس وہاں موجود تھے، ادھر سناءمکی کو دیگ میں رکھ کر چولہے پر چڑھانے کی تیاریاں ہورہی تھیں اور ادھر جاسوس نے جا کر اس اسکیم کو بڑھا چڑھا کر اپنے بادشاہ سے بیان کیا اور کہا کہ آپ کیا ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں، ان کے ساتھ تو ایک فقیر درویش کی دعاء اور دوا ہے، سناءمکی کا استعمال کر کے وہ لوگ چلیں گے، وہ کوئی فقیری جادو اثر چیز ہے، جس سے طاقت بڑھ جاتی ہے، غنیم نے کہا کہ ہم اس سے زیادہ استعمال کرلیں، چنانچہ جتنی جتنی مقدار جاسوس نے آکر بیان کی تھی، اس دو چند اور سہ چند تمام فوجیوں، فوجی افسروں وزیروں حتی کہ بادشاہ نے

بھی استعمال کر لی ، رات بھر رفع حاجت کرتے کرتے سب کا حال خراب ہوگیا، کمزوری جب زیادہ بڑھی تو تمام ساز وسامان چھوڑ کر صرف اپنی سواریوں پر لدکر سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

ادھر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہم خود بھی چلیں گے، تخت شاہی ہاتھی پر باندھا گیا، اس پر حکیم صاحب اور بادشاہ دونوں بیٹھے اور تمام فوجی افسران فوجی سپاہی، امراء، وزراء، اعیان حکومت بے پناہ تعداد میں چل کھڑے ہوئے، صبح کا جھرمٹا تھا، قدم قدم پر رفع حاجت کی ضرورت ہوتی تھی، اور رک رک کر کھیتوں میں میدانوں میں گڑھوں ، نالوں میں ضرورت پوری کرتے ہوئے آگے بڑھتے جارہے تھے کہ ادھر سے شاہی مخبرین مع اپنی متعلقہ فوج کے شادیانے بجاتے چلے آرہے تھے، قریب آکر سب نے بادشاہ کو سلامی دی اور خوش خبری سنائی کہ غنیم اپنا ساز وسامان چھوڑ کر حضور عالی کے رعب ودبدبہ سے ڈر کر بھاگ گیا ہے، چنانچہ تمام ساز وسامان اور بہت منافع کے ساتھ واپسی ہوئی، بادشاہ نے حکیم صاحب کے قدم چوم لئے، فرط مسرت میں سب اچھل رہے تھے، کودرہے تھے، بادشاہ کے نعرے لگا رہے تھے، جب بادشاہ کے نعرے لگتے تھے تو وہ کہتا تھا کہ حکیم صاحب کے نعرے لگاؤ، فرط مسرت میں پاخانہ کی ضرورت پھر کسی کو نہ ہوئی اور نہ کمزوری کا اثر باقی رہا، بادشاہ نے حکم دیا کہ سارا جلوس شادیانے بجاتے ہوئے شہر کے اندر سے ہوکر چلے، سارے شہر کا اس معاملہ سے انقلابی تعلق تھا ہی، اگر غنیم کامیاب ہوجاتا تو سارا شہر ہی غلام ہوجاتا حکیم صاحب کی تدبیر کا بھی سارے شہر کو علم ہو چکا تھا؛ اس لئے سب نتیجہ کے منتظر تھے، شہر میں جدھر سے جلوس گذرتا تھا، ہر طرف سے پھولوں کی بارش حکیم صاحب پر ہوتی تھی، جب دربار شاہی میں پہونچے تو بادشاہ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا

کہ اب تو تخت وتاج اور سارا شہر اور ملک آپ ہی کا ہے، میری جان آپ نے بچائی اور میرا ملک اور میری حکومت بھی آج آپ ہی کی برکت سے اللہ نے محفوظ رکھی۔

بادشاہ نے زروجواہر اور مال ودولت سے حکیم صاحب کا گھر بھر دیا، سارے شہر سے نذرانے، ہدایا اور تحائف اس فتح عظیم کی خوشی میں حکیم صاحب کی خدمت میں آتے رہے، اور رات کو اطباء شہر کی جو بیٹھک ہوئی تو اس واقعہ کو تائید غیبی اور امداد خداوندی کا شاہکار قرار دیا گیا، پھر حکیم صاحب کی خدمت میں تحائف اور نذرانوں کے ساتھ حاضر ہوکر سب نے فتح کی مبارک باد پیش کی''

لکل فن رجال

ہر کسے رابہر کارے ساختند

بہت سے علماء جامعیت کے باوجود خاص خاص فن میں ہی مشہور ہوئے ہیں، دوسرے فنون میں ان کی شہرت نہ ہوسکی اور بہت سے اکابر علماء اور اہل اللہ سے عام دینی خدمات کے علاوہ دین کا کوئی خاص بڑا کام اللہ نے لیا ہے، اس کا ذکر ہوتا تو اس کی تفصیل کے بعد فرماتے: ''لکل فن رجال''۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

شیخ چلی

جولوگ صرف باتیں بناتے ہیں، اسکیمیں تیار کرتے ہیں اور عمل سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، ان کی لمبی چوڑی باتیں سن کر شیخ چلی کا قصہ سنایا کرتے کہ

''شیخ چلی نے مزدوری کی کسی کا ایک مٹکا سر پر اٹھائے لئے جارہے تھے اور راستہ میں سوچتے جارہا تھے کہ اس کی مزدوری کے پیسے سے انڈے

خریدوں گا اور کہیں پڑوس کی مرغی کے نیچے بٹھادوں گا، ان سے بچے نکلیں گے، پھر وہ بڑے ہوں گے تو ان کو بیچ کر بکری خریدوں گا، پھر اس کے بچے ہوں گے تو وہ بڑھیں گے تو سب کو بیچ کر گائے خریدوں گا، پھر اس کے بعد بھینس خریدوں گا، پھر اس کی آمدنی سے زمین خریدوں گا، کھیتی کروں گا، پھر مکان بناؤں گا، بہت سے نوکر چاکر ہوں گے، کوئی نوکر شرارت کرے گا تو اس کو یوں لات ماروں گا، چلتے چلتے لات جو چلائی تو سر کا مٹکا دھڑام سے نیچے گر کر چور چور ہو گیا اور سارا ہوائی قلعہ مسمار ہو کر رہ گیا''

یہ سنا کر فرماتے کہ:

''آپ بھی شیخ چلی سے کم نہیں ہے، اسکیمیں ہی بناتے ہیں، مگر کچھ کر نہیں پاتے''

المرء یقیس علی نفسه

فرمایا کرتے کہ:

''آدمی خود جیسا ہوتا ہے، دوسرے کو ویسا ہی سمجھتا ہے، وہ اپنا عیب دوسروں میں حتی کہ بڑے سے بڑے باکمال میں دیکھتا ہے، پنجاب کا قصہ مشہور ہے کہ چند عورتیں عید کا چاند دیکھ رہی تھیں، ان میں سے ایک بچہ نے اس وقت رفع حاجت کیا تھا، وہ اس کا استنجا پاک کر رہی تھی ، اتنے میں عورتوں نے شور مچایا کہ وہ چاند، وہ چاند، وہ عورت عید کے چاند کے شوق میں بچہ کا استنجا نامکمل چھوڑ کر دوڑ پڑی، بولی کہاں چاند؟ اور بائیں ہاتھ کی انگلی ناک کے پاس عورتوں کی عادت کے مطابق رکھ لی ،عورتوں نے کہا کہ وہ چاند، دیکھا؟ وہ بولی: ہاں، ہاں، دیکھ لیا، مگر بہن، اب کے عید کا چاند بد بو نکلا، دوسری عورت سمجھ گئی، بولی ابھی تم بچہ کا استنجا

پاک کرر ہی تھیں، اسی ہاتھ کی انگلی ناک کے پاس رکھے ہوئے ہو، انگلی
ہٹاؤ، یہ بدبو خود تمہاری انگلی کی ہے، چاند بدبو نہیں نکلا‘‘

الإنسان حريص فيما منع

بچوں کو جب کسی بات سے روکا جاتا اور وہ نہ مانتے تو فرمایا کرتے کہ انسان کی فطرت ہے، جس بات سے اس کو روکا جاتا ہے، اس کے کرنے کا شوق اس کو اور زیادہ ہوتا ہے، مثل مشہور ہے:

’’الإنسان حريص فيما منع‘‘

’’جس بات سے روکا جائے انسان کو اس کے کرنے کا حرص وشوق زیادہ
ہوجاتا ہے‘‘

بعض فقہی و دینی مسائل

امام کا ایک سورت کی قراءت کرتے کرتے دوسری سورت میں چلے جانا

چھتہ کی مسجد کے سامنے عاشورہ کی صبح کو محرم کا اکھاڑا لگا ہوا تھا، تماشا بینوں کی کثرت تھی، فجر کی جماعت کے وقت مسجد میں نمازیوں کی کثرت ہوئی اور مسجد بھر گئی، امام جو سورت پڑھ رہے تھے، اس کو پڑھتے پڑھتے بھول گئے اور ایسے بھولے کہ آگے چل نہ سکے، نہ کوئی لقمہ دینے والا ہی تھا، آخر مجبور ہو کر دوسری سورت شروع کر دی، نماز ختم ہونے کے بعد شور ہونا شروع ہوا کہ نماز لوٹا یئے، امام صاحب اور مقتدیوں میں دیر تک جھگڑا ہوتا رہا، یہاں تک کہ مقتدی غالب آئے اور امام صاحب مغلوب اور مجبور ہو کر نماز لوٹانے کو اٹھے، مولانا خیر الدین صاحب مسبوق ہو گئے تھے، ایک رکعت رہ گئی تھی، اتنی دیر میں انہوں نے اپنی رکعت پوری کر لی، امام صاحب کانوں تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہنا ہی چاہتے تھے کہ مولانا نے زور سے امام کو پکارا امام صاحب! کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: نماز لوٹا رہا ہوں، مولانا نے پوچھا کیوں لوٹا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ لوگ کہتے ہیں، مولانا نے فرمایا:

> ''یہ لوگ جو کچھ کہیں گے وہ سب آپ کریں گے؟ نماز ہو گئی ہے، لوٹانے کی کوئی ضرورت نہیں، اب جو آپ پڑھیں گے یہ نفل ہوگی، فجر کے وقت سوائے دو سنتوں کے اور کوئی نفل پڑھنا حرام ہے''

لوگوں نے عرض کیا کہ امام صاحب ایک سورت پڑھتے پڑھتے دوسری جگہ چلے گئے، فرمایا کہ ''کہاں چلے گئے؟ پوتھی میں چلے گئے؟ یا قرآن ہی میں گئے؟'' یہ سننا تھا کہ سب کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا اور فوراً شور ختم ہو گیا۔

نمازِ جنازہ پہلے، جمعہ کے بعد کی سنتیں بعد میں

جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد اعلان ہوا کہ جنازہ باہر رکھا ہے، جنازہ کی نماز ہوگی، مگر مولانا خیر الدین صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، وہ فرما رہے ہیں کہ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے اور جمعہ کے بعد کی سنتیں، سنت موکدہ ہیں، فرض کو پہلے ادا کرنا چاہئے؛ اس لئے نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد سنتیں پڑھی جائیں گی۔

قصر نہ کرنے پر نماز کا اعادہ

دیوبند سے کچھ طلبہ پڑھ کر رمضان کی چھٹیوں میں وطن لوٹتے ہوئے مولانا کے یہاں آ کر ٹھہرے، عصر کی نماز مولانا مسجد سے پڑھ کر آ چکے تھے اور اپنی چارپائی پر تشریف فرما تھے، طلبہ نے مولانا کی بڑی چوکی پر نماز باجماعت شروع کی، امام مسافر تھا اور مقتدی کچھ مسافر تھے اور کچھ مقیم، امام نے چار رکعت پوری کی، سلام کے بعد مسئلہ چھڑا کہ امام مسافر تھا، اس نے قصر نہیں کیا، مولانا سے پوچھا گیا: ''مولانا نے اس سے پوچھا کیوں ایسا کیا؟'' اس نے کہا: دو رکعت کے بعد بھول کر کھڑے ہو گئے اور آخر تک یاد نہ آیا، فرمایا: ''سجدہ سہو کیا؟'' کہا کہ نہیں، فرمایا کہ

> ''امام اگر سجدہ سہو کر لیتا تو اس کی نماز پوری ہو جاتی؛ کیوں کہ سہوا تاخیر سلام کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو واجب ہو گیا تھا، اس نے سجدہ سہو نہیں کیا تو اب اس کے ذمہ اس نماز کا اعادہ واجب ہے؛ کیوں کہ ترکِ واجب سے اعادہ واجب ہوتا ہے اور ترکِ فرض سے اعادہ فرض ہوتا ہے، فرض کا ترک نہیں ہوا ہے، مگر تاخیرِ سلام سے جو سجدہ سہو واجب ہوا تھا، اس کے نہ کرنے کی وجہ سے اب نماز کا اعادہ واجب ہے اور جو مقتدی مقیم تھے، ان کا فرض بھی ادا نہیں ہوا؛ کیوں کہ آخر کی دو رکعتیں امام کی

(مسافر ہونے کی وجہ سے) نفل ہوئی ہیں اور نفل کے پیچھے فرض نہیں ادا ہوتا؛ اس لئے نماز لوٹائی جائے گی، مگر امام مسافر نہیں ہوسکتا، اس کا فرض ادا ہو چکا ہے، اب اس کی یہ نماز واجب ہوگی، مقیمین کا فرض ہی باقی ہے اور فرض واجب کے پیچھے نہیں ادا ہوتا، اب امام مقیم بنے گا، اس کے فرض کے پیچھے مسافر کا واجب ادا ہو جائے گی''

اس دن سے یہ مسئلہ ہم لوگوں کو ایسا یاد ہوا کہ ہمیشہ ہر ایسے موقع پر کام آتا رہا۔

ایک مثل کے بعد عصر کی نماز

گرمی کا زمانہ تھا، رشتہ داروں کے ایک گاؤں میں مولانا ضرورتاً گئے ہوئے تھے، میں بھی چند روز کے بعد پہونچا، مسجد سامنے تھی، عصر کی اذان کے بعد مسجد جا کر جب جماعت ہونے لگی تو نماز میں شریک ہو گیا، مولانا کو وہاں نہیں دیکھ کر تعجب ہوا؛ کیوں کہ مولانا جماعت کے بہت پابند تھے، جب مسجد سے آیا تو مولانا نے پوچھا: کہاں گئے تھے؟ عرض کیا: مسجد، فرمایا: کیوں؟ عرض کیا: عصر کی نماز کے لئے، فرمایا: پڑھ آئے؟ عرض کیا: جی ہاں، گھڑی جیب سے نکال کر دکھلائی تو اس میں چار بجے تھے، فرمایا:

''آج کل پانچ بجے عصر کا وقت ہوتا ہے، یہ لوگ وقت سے بہت پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں اور منع کرنے سے مانتے بھی نہیں؛ اسی لئے میں عصر میں یہاں شریک نہیں ہوتا ہوں''

عرض کیا: تب تو ہماری نماز نہیں ہوئی؟ لوٹالیں؟ ایک سکنڈ چپ ہوئے، پھر فرمایا:

''لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، عصر کے وقت میں اختلاف ہے، بعض احناف بھی ایک مثل کے قائل ہیں؛ اس لئے گنجائش ہے''

عیدین کے کثیر اجتماع میں سجدۂ سہو

ایک مرتبہ عید کی نماز میں گڑبڑ ہوئی، امام سے کوئی واجب ترک ہوا، جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا تھا، مجمع بہت تھا، امام نے سجدۂ سہو نہیں کیا، نماز کے بعد بہت ہنگامہ ہوا، سجدۂ سہو نہیں کیا ''نماز

لوٹایئے'' کا شور مچا، مولانا موجود تھے، امام نے مولانا سے مسئلہ کی تحقیق کی، مولانا نے فرمایا کہ

''جب جماعت بہت زیادہ ہوتو سجدۂ سہو نہیں ہے، کثیر اجتماع کی وجہ سے گڑبڑ کا اندیشہ ہے؛ اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ سجدۂ سہو نہ کیا جائے''

کسی بدعت کے مرتکب کو بدعتی، کسی فسق میں مبتلا شخص کو فاسق، کسی قولِ کفر یا فعلِ کفر پر کافر نہیں کہنا چاہئے

کچھ نئے خون والے نوجوان طلبہ آپس میں بیٹھے یہ بدعتی وہ بدعتی نام لے لے کر کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ ملک کے ایک مسلّم بزرگ عالم کا نام لے کر بھی کہہ رہے تھے کہ وہ بھی بدعتی ہیں، مولانا ان کی اس گفتگو کو دیر سے سن رہے تھے، اس مرحلہ پر جب ان کی گفتگو پہونچی تو بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ

''کسی بدعت کو بدعت کہہ سکتے ہو اور اس کے کرنے والے کی ہمدردانہ اصلاح بھی کر سکتے ہو، مگر اس کو کسی بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے بدعتی نہیں کہہ سکتے، بدعتی کے معنی جہنمی، اس کا فیصلہ مرنے کے بعد ہوگا کہ کس کس نے کیا کیا بدعت کی ہے، اسی طرح کسی فسق کے مرتکب کو فاسق اور کسی کفر کے مرتکب کو کافر نہیں کہہ سکتے، ہاں، اس کے فسق کو فسق اور کفر کو کفر کہہ سکتے ہیں اور ہمدردانہ اصلاح بھی کر سکتے ہیں''

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ

''کسی کے قول میں ۹۹ ننانوے وجوہ کفر موجود ہوں، مگر کسی ایک توجیہ سے بھی اس سے کفر کے معنے نہ نکلتے ہوں تو اسی ایک توجیہ کو ننانوے توجیہات پر ترجیح دے کر کافر نہیں کہیں گے''

حضور ﷺ نے فرمایا:

''من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر''(۱)

(۱) المعجم الأوسط للطبرانی، حدیث نمبر: ۳۳۴۸

حدیث کے معنی امام صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ

''جس نے قصداً نماز ترک کی اس نے کفر کا کام کیا، کفر کیا: ''فقد فعل فعل الکفر''، مگر اس کو کافر نہیں کہیں گے، کافر کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے، جبکہ عمل کے ساتھ عقیدہ بھی کافروں جیسا ہو جائے اور توحید و رسالت حشر و نشر وغیرہ مغیبات ایمانیہ کا منکر ہو جائے''

مسجد میں جماعت فجر شروع ہونے کے بعد سنت فجر

بہت سے لوگ فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد جماعت کی صفوں سے قریب اور بعض لوگ تو اسی صف میں سنت فجر شروع کر دیتے ہیں، مولانا اس سے روکتے تھے، فرماتے تھے کہ

''اس کو مسجد سے باہر پڑھنا چاہئے کوئی ملحقہ کمرہ یا برآمدہ یا احاطہ ہو اس میں جا کر پڑھے، مسجد میں نہ پڑھے، ہاں بخارا وغیرہ میں جیسے دوہری مسجدیں ہوتی ہیں، اندر شتائی اور باہر صیفی یعنی مسجد کے اندر مسجد ہوتی ہے، تو اگر شتائی حصہ مسجد میں جماعت ہو رہی ہو تو صیفی میں سنت فجر پڑھ سکتے ہیں، یا صیفی میں ہو رہی ہو اور شتائی میں بغیر صفوں کے آگے گذرے ہوئے جا سکتے ہوں تو وہاں جا کر پڑھ سکتے ہیں''

سنت فجر بہ اطمینان پڑھنے کا وقت نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جائے سنت نہ پڑھے

ایک روز چھتہ کی مسجد میں فجر کی نماز کے لئے ایک صاحب گئے، جماعت ہو رہی تھی، وہ صاحب سنت فجر ادا کرنے لگے اور بہت جلدی جلدی پڑھ کر جماعت میں شریک ہوئے، اسی دن کسی وقت مولانا سے مل کر عرض کیا کہ آج ایسا واقعہ ہوا، جماعت کا کافی حصہ ہو چکا تھا، سنت فجر شروع کی تو بہت جلدی جلدی پڑھنی پڑی ورنہ جماعت نہ ملتی، فرمایا کہ

''سنت پڑھنے کی کیا ضرورت تھی، جماعت میں شریک ہو جاتے''

حدیث قدسی ’’من عادی لي و لیا فقد آذنته بالحرب‘‘

بزرگوں کے فضائل میں مفصل گفتگو فرمایا کرتے اور بزرگوں سے عداوت اور ان کی شان میں گستاخی کے بڑے عواقب ونتائج سے بہت ڈرایا کرتے، کسی کو کسی بزرگ کی شان میں کبھی گستاخی کرتے دیکھتے تو بہت خفا ہوتے اور بڑے دردناک لہجہ میں یہ حدیث قدسی پڑھتے:

’’من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب‘‘ (۱)

’’حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ’’جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے میں اس کو جنگ کا الٹی میٹم دیتا ہوں، وہ مجھ سے لڑنے کو تیار ہو جائے‘‘

پھر فرماتے:

’’کس کی مجال ہے کہ اللہ سے لڑ سکے اور اللہ کی مار کو سنبھال سکے، اس کے بعد آہ سرد بھر کر یہ شعر پڑھا کرتے:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میل او در طعنۂ پاکاں دہد

’’اللہ تعالیٰ جس کی پردہ دری فرمانا چاہتے ہیں، جس کو ذلیل وخوار اور رسوا کرنا چاہتے ہیں تو اس کا میلان طبع اللہ کے پاک بندوں کی شان میں گستاخی کرنے کی طرف ہو جاتا ہے‘‘

اللہ ہر ایک بندے کو اس بلا اور عادت بد سے محفوظ رکھے، آمین۔

عشرہ اخیرہ رمضان المبارک کا اعتکاف

جب تک جسم میں طاقت رہی اور صحت بحال رہی ہر سال دواماً جامع مسجد گیا کے شمالی گوشہ کے اگلے حصہ میں عشرہ اخیرہ رمضان المبارک کا اعتکاف کیا کرتے تھے، پردے گھیر کر معتکف بنالیا جاتا، جو صرف جمعہ کے لئے کھلتا تھا، اور جمعہ کی نماز کے بعد پھر گھیر دیا جاتا تھا۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث نمبر: ۶۵۰۲

بیس رمضان المبارک کوظہر کی نماز کے بعد ضروری سامان بستر وغیرہ گھر سے مسجد بھیج دیا جاتا اور عصر سے پہلے معتکف تیار ہوجاتا، اس کام میں جامع مسجد کے مؤذنین اور ملازمین ازخود بہ نیت عبادت دلچسپی لیتے تھے، عصر سے پہلے مولانا جامع مسجد پہونچ جاتے اور نماز عصر باجماعت وہیں ادا کرتے اور عصر کے بعد سے ہی اپنے معتکف میں بیٹھ کر تلاوت واذکار واوراد ودعاء میں مشغول ہوجاتے۔

مولانا اذان مغرب کے بعد معمولی افطار کرکے، بعد مغرب فوراً کھانا کھانے کے عادی تھے؛ اس لئے ہم لوگ روزانہ مغرب سے پہلے افطاری اور کھانا گھر سے لے جاکر پہونچا دیتے اور عشاء سے پہلے پہلے برتن جاکر لے آتے اور پھر سحری کے وقت گرم گرم تازہ پکا ہوا سحری کا کھانا گھر سے جاکر پہونچاتے؛ کیوں کہ مولانا کے یہاں ہمیشہ سحری کے وقت تازہ کھانا پکنے کا دستور ہے اور مولانا اسی کے عادی تھے اور پھر ہم صبح جاکر سحری والے برتن لے آتے، دن میں کسی وقت ایک مرتبہ اور بھی حاضری دیتے؛ تاکہ کسی کام کی ان کو ضرورت ہوتو وہ کام انجام دے دیا جائے، مگر ان کو سوائے اللہ کی عبادت کے اور کوئی کام وہاں یاد نہیں آتا تھا۔

مولانا کے معمولات اعتکاف چوبیس گھنٹہ کے اندر کیا تھے؟ اس کو تو تفصیل سے کوئی نہیں جانتا، وہی دو تین مرتبہ ضروریات مذکورہ بالا سے ہم جب حاضر ہوتے تھے تو ان کو کچھ اس طرح مشغول ومنہمک پاتے تھے کہ دومنٹ بھی معتکف میں فرط ہیبت سے بیٹھا نہ جاتا تھا، ان کا اعتکاف کیا تھا؟ سارے علائق سے علحدگی اور ایک ہی تعلق میں انہماک بات چیت بھی بہت کم کرتے تھے ،ضرورت شدیدہ کے بغیر وہاں کوئی بات نہ کرتے تھے، ہم پہونچتے چندمنٹ بیٹھتے، اگر کچھ عرض کرنا ہوتا تو جب تک وہی مڑکر کیا ہے؟ نہ فرماتے کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ پڑتی اور جو کچھ ہم پوچھتے اس کا بہت مختصر دولفظ میں جواب دے دیتے یا ان کو کچھ کہنا ہوتا تو وہ دولفظ میں کہہ دیتے، آواز پست ہوتی، بات کا ایسا لب ولہجہ اور ایسا انداز ہوتا کہ سننے والے، مخاطب نمایاں طور پر سمجھ جاتے کہ کسی سے بات کرنے کو ان کا جی نہیں چاہتا ہے، مجبوراً اور ضرورۃً بات کی جاتی ہے؛ اسی لئے ہم لوگ کبھی ان کی یکسوئی میں حارج اور مانع بننے کی کوشش نہ کرتے، بعض حضرات دعاء کی درخواست کرنے معتکف میں آتے ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا، ادھر دولفظ میں انہوں نے درخواست

پیش کی اور دوہی لفظ میں جواب دے دیا گیا اور پھر اپنے کام میں لگ گئے، معتکف کا راستہ پیچھے کی جانب سے تھا اور وہ خود سونے کے اوقات کے علاوہ ہمیشہ باوضو قبلہ رخ بیٹھے مشغول عبادت رہتے، بعض حضرات تو پیچھے تھوڑی دیر بیٹھ کر بغیر کچھ عرض کئے واپس نکل آنا ہی مناسب سمجھتے، جس کو کوئی شدید ضرورت ہوتی وہی کچھ عرض کرنے کی ہمت کرتا تھا، یہ اس لئے نہیں تھا کہ خفگی کا اظہار فرماتے ہوں یا لب ولہجہ میں خشونت اور خشکی ہو، مخاطبت کے وقت ترش روئی ہو، یہ کچھ بھی نہیں تھا پھر بھی۔

بابا سب سے رشتہ توڑ

بابا رب سے رشتہ جوڑ

کی کیفیت اعتکاف کی حالت میں کچھ اس طرح ان پر مستولی اور غالب ہوتی تھی کہ اسی غلبہ حال کا اثر دوسروں پر پڑتا تھا اور معتکف میں داخل ہونے والا ''اللہ سے تعلق کس چیز کا نام ہے'' اس کو محسوس کرتا ہوا باہر نکلتا تھا اور دیر تک اس پر کیف حال سے متاثر رہتا، مولانا معتکف میں ہر وقت خاموش کھوئے کھوئے سے رہتے، چہرہ پر خشیت الٰہی کا ہر وقت نمایاں اثر پایا جاتا، صرف نماز باجماعت کے لئے معتکف سے باہر نکلتے تھے، باقی تمام عبادات نوافل اور سنن موکدہ سب معتکف ہی میں ادا فرماتے تھے۔

عیدالفطر کا چاند دیکھتے ہی ہم لوگ ان کو لینے جامع مسجد پہونچ جاتے، مولانا کے گھر کے سب ہی لوگ رمضان میں بعد مغرب فوراً کھانا کھانے کے عادی ہیں؛ اس لئے ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوکر جامع مسجد جاتے اس وقت تک ان کو معتکف میں اپنے رب سے رخصتانہ التجائیں کرتے، دعائیں کرتے اور روتے گڑگڑاتے ہوئے پاتے، جس سے ہم جیسے قسی القلب انسانوں کا پتھر جیسا دل بھی پانی پانی ہو جاتا، اپنی اس آخری مشغولیت سے فارغ ہوکر باہر نکلتے مسجد کے مؤذنین وملازمین سب آخری ملاقات کے لئے معتکف سے باہر موجود ہوتے اور سب ہی دعاؤں کی درخواست پیش کرتے، مولانا کا سب کی والہانہ بے لوث خدمات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، **هل جزاء الإحسان إلا الإحسان**، کے جذبہ سے دل بھر آتا اور ان حضرات کو کچھ نقد عطیات عنایت فرماکر رخصت ہوتے، راستہ میں ملنے والوں سے مختصر سلام ودریافت احوال کرتے ہوئے گھر واپس آکر گھر والوں سے ملتے سب ہی اعتکاف کی مبارک باد پیش کرتے، گھر میں عید کی وہ

رات بھی عبادات واذکار واوردعاءگریہ وزاری میں گذارتے اورفرمایا کرتے کہ

''یہ رات پورے رمضان کی تمام راتوں میں میزان کل ہے اور بہت
قابل قدروبیش قیمت رات ہے''

کرامات

مولانا کی پوری زندگی سراپا کرامت زندگی تھی، اگرچہ کسی وقت بھی اظہار کرامات نہ تھا، مگر ظہور کرامات سے کوئی شعبہ زندگی خالی نہ تھا، آپ پڑھ چکے ہیں کہ گھر سے اللہ کے بھروسہ پر بغیر کسی ظاہری ساز وسامان کے نکل کھڑے ہوئے اور ہر سامان اللہ کی طرف سے مہیا ہوتا رہا، راستہ میں جب بھی آبادی ہو یا جنگل بیابان ہو کھانے کا جب بھی وقت آیا گرما گرم ملتا رہا، ایک ایسے جنگل میں رات ہوگئی، جہاں سے محفوظ نکل جانا اور رات کا بحفاظت تمام بسر ہوجانا ناممکن تھا، اس حال میں ایک بستی کا سامنے نمودار ہوجانا وہاں پہونچ کر کھانے کا انتظام ہوجانا اور بحفاظت تمام بسر ہوجانا، کرنال پہونچ کر وہاں سے نہ نکل سکنا، نابینا حافظ جی کا فرشتہ رحمت بن کر ظاہر ہونا، پھر وہاں تعلیم اور قیام وطعام کا حیرت ناک انتظام ہوجانا، استاد کا کئی روز سے منتظر رہنا اور دیکھتے ہی اجنبیت کے باوجود پہچان لینا اور خصوصی تعلیم کا نظم کرنا، پھر کرنال سے نکل کر اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہر جگہ جاری رہنا، گیا کے قیام کے بعد سے پوری زندگی توکل پر گذار دینا، بغیر اسباب ظاہری کے ہر سال اپنے پیرومرشد کی خدمت میں حاضری دینا اور سارے اسباب کا ہر سال وقت پر مہیا ہو جانا پیرومرشد کی خصوصی نظر توجہ کا ہمیشہ حاصل رہنا، ایک سفر میں حضرو پہونچ کر پیرومرشد کی ملاقات نہ ہوسکنے پر ان سے ملنے صوات بنیر جنگلی اور پہاڑی راستوں سے نکل کھڑے ہونا اور ڈاکوؤں میں گھر جانا اور پھر حیرت ناک طریقہ پر انہیں ڈاکوؤں میں انقلاب کا آجانا اور انہیں ظالموں کے دلوں کا موم ہوجانا اور انہیں کی حفاظت میں ڈاکوؤں کے سردار کے پروانہ کے ساتھ صوات بنیر تک پہونچ جانا اور اس قسم کے ہزارہا واقعات کرامات نہیں تو اور کیا تھے؟ جس نے بھی مولانا کی متوکلانہ زندگی کی شان دیکھی ہے، وہ ان کے کرامات کا معترف ہے، ہاں! مولانا کے یہاں پیشہ ورانہ شعبدہ بازیوں کا اظہار نہ تھا، اخفاء تھا، انکسار تھا، تواضع تھی، عاجزی تھی، بظاہر عامیانہ زندگی تھی، شان

مشیخت کے اظہار سے نفرت کا جذبہ تھا اور پوری زندگی سنت کی پیروی سے معمور تھی۔

مشہور قصہ ہے کہ:

> ''کسی بزرگ کے پاس کوئی صاحب بیعت ہونے کو گئے، چندروز وہاں قیام کیا، کرامات کی تلاش میں رہے، شعبدہ بازیوں کے تجسس میں رہے اور اپنی اس کوشش میں ناکام ہوکر بغیر بیعت ہوئے واپس ہونے لگے، ان بزرگ کو کشف ہو گیا، پکار کر بلایا، پوچھا: کہاں جا رہے ہو تم تو بیعت ہونے آئے تھے، مگر یہاں آکر کرامات کی تلاش میں لگ گئے؟ ان صاحب کو بہت تعجب ہوا کہ میرے تمام حالات ان پر منکشف ہو چکے ہیں، بہت شرمندہ ہوئے، پھر ان بزرگ نے دریافت فرمایا کہ اتنے دن تم میرے پاس رہے، میرا کوئی کام خلاف سنت دیکھا، انہوں نے کہا کہ خلاف سنت تو کوئی کام نہیں دیکھا، فرمایا: ''اس سے بڑی کوئی کرامت ہے؟'' **الاستقامة فوق الكرامة** '' پوری زندگی سنت کی پیروی میں گذارنا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو ہر وقت پیش نظر رکھنا، یہی اصل کرامت ہے، پانی پر چلنا اور ہوا پر اڑنا اور زندگی خلاف سنت گذارنا، یہ کرامت نہیں ہے شعبدہ بازی ہے بازیگری ہے۔

اس باب میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، جو زندگی کرامت سے لبریز ہو، اس کی کس کس کرامت کو لکھا جائے اور کیسے لکھا جائے۔

ایک جلسہ میں مولانا کے ساتھ میں بھی گیا تھا، عشاء کے بعد سے جلسہ تھا، نصف شب کے قریب میں تنہا واپس چلا آیا، گھر واپس آکر اندر سے دروازہ بند کر لیا، گھر کے سب لوگ سو رہے تھے، میں جاگتا رہا اور اس انتظار میں رہا کہ مولانا تشریف لائیں گے اور دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو میں کھول دوں گا، اسی انتظار میں تھا کہ دیکھا بغیر دروازہ کھٹکھٹائے مولانا گھر کے اندر تشریف لے آئے ہیں، میں نے اٹھ کر دریافت کیا کہ دروازہ تو میں نے بند کر دیا تھا اور اسی انتظار میں جاگ رہا ہوں کہ آپ دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو اٹھ کر کھول دوں گا، آپ کیسے اندر تشریف لے آئے؟ فرمایا:

دروازہ کھلا ہوا تھا، کھٹکھٹانے کیا ضرورت تھی، گھر کے سب لوگ سو رہے تھے، میں نے صبح فرط حیرت کی وجہ سے سب سے تحقیق کی کہ کسی نے دروازہ کھولا تھا؟ مگر ایک شخص بھی ایسا نہ ملا، جس نے دروازہ کھولا ہو، یہ ایک ایسا معمہ ہے جو آج تک حل نہ ہو سکا، حق تعالیٰ کی دست غیب نے، جس دروازہ کو کھولا ہو، اس کو کھولنے کے لئے کسی دوسرے ہاتھ کی کیا ضرورت ہے؟

جب بہار میں قیامت خیز زلزلہ آیا تھا، وہ رمضان کا آخری عشرہ تھا، مولانا حسب معمول گیا کی جامع مسجد کے شمالی گوشہ میں معتکف تھے، اسی دن صبح گاڑی سے ہمارے استاذ حضرت قاری عبد الملک صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہماری درخواست پر کلکتہ سے لکھنؤ جاتے ہوئے مجھ سے ملنے کے لئے گیا اتر گئے تھے، ہم نے افادہ عامہ کی نیت سے جامع مسجد میں بعد ظہر ایک جلسۂ قراءت کا انتظام کیا تھا، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے قاری عبدالغافر صاحب نے اپنی قراءت سے جلسہ کا افتتاح کیا، اس کے بعد حضرت الاستاذ قاری عبدالملک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قراء ت کی درخواست کی گئی، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قراءت سے پہلے قراءت وتجوید کی ضرورت پر کھڑے ہو کر ایک جامع تقریر فرمائی، تقریر کے دوران ہی وہ قیامت خیز زلزلہ شروع ہو گیا، زمین کے اندر سے سب سے پہلے گڑگڑاہٹ کی آواز سنی گئی، پھر جامع مسجد کے جھاڑ فانوس کے ہلنے کی وجہ سے جھنجھناہٹ کی حیرت ناک آواز مسلسل آنے لگی، کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے، سارا مجمع بھاگ کر مسجد کے وسیع صحن میں چلا گیا، صرف حضرت قاری صاحب اور حافظ محمد رفیق صاحب مرحوم امام وخطیب جامع مسجد اور ہم دو ایک آدمی وہاں رہ گئے، امام صاحب مرحوم بہت ہوش گوش کے آدمی تھے، انہوں نے زمین پر ہاتھ رکھا اور پھر کہا حضرت قاری صاحب! یہ زلزلہ ہے، ہم لوگ صحن میں چلیں، صحن میں گئے تو ایک تماشا نظر آ رہا تھا، مسجد کے اونچے اونچے منارے صحن کی طرف اس طرح جھکتے تھے، جیسے رکوع کر رہے ہوں اور پھر سیدھے ہو جاتے تھے، چند منٹ میں وہ زلزلہ موقوف ہو گیا، مسجد کو کوئی نقصان نہیں پہونچا، زلزلہ کے بعد مجھ کو خیال آیا کہ اس حال میں میں نے مولانا کی خبر نہ لی، اپنی جان بچا کر صحن میں نکل آیا، یہ سوچ کر شرمندگی ہوئی اور شرم سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا، مولانا کے معتکف میں داخل ہوا تو وہاں ان کیفیات واحوال کا کوئی گذر ہی نہ تھا، نہایت انہماک سے تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے، میں قریب ہوا تو پوچھا کیا

ہے؟ میں نے شرماتے ہوئے عرض کیا کہ بہت بڑا زلزلہ آیا تھا، تعجب سے فرمایا: زلزلہ؟ میں نے عرض کیا، قیامت خیز زلزلہ آیا تھا، ابھی رکا ہے، ہم لوگ بھاگ کر صحن میں چلے گئے تھے، فرمایا: مجھ کو خبر نہیں ہے، میں تلاوت میں مشغول تھا۔

> ''مشہور ہے کے طوفان نوح کے وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو اپنی کشتی میں بٹھالیا تھا، مگر ایک صالحہ ضعیفہ کو بھول گئے یہ خیال تھا کہ اخیر میں ان کو بھی سوار کرلیں گے، مگر اخیر میں یاد نہ رہا، پانی جب بڑھا تو یاد آیا خیال تھا کہ وہ ڈوب گئی ہوگی، اس کا ان کو بہت افسوس تھا، جب طوفان ختم ہوااور زمین خشک ہوئی تو اس بڑھیا کی تلاش میں نکلے کہ شاید اس کی لاش کا کہیں پتہ چلے، اس کے گھر کے پاس پہونچے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ بڑھیا کا جھونپڑا محفوظ ہے، اس کے اندر ایک قطرہ پانی بھی نہیں گھسا ہے، اندر گئے تو دیکھا کہ بڑھیا عبادت میں مصروف ہے''

ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ

> ''موضع کا کوعلاقہ جہاں آباد ضلع گیا میں ایک ضعیفہ بی بی کمالو رہتی تھیں، نہایت عابدہ، زاہدہ بزرگ تھیں، بستی کے لوگ ان کی شان میں گستاخی کرتے اور ان کو تنگ کیا کرتے تھے، اس کی پاداش میں اس بستی میں آگ لگی اور ساری بستی جل کر راکھ ہوگئی، جب ساری بستی جل چکی تو لوگوں کو بی بی کمالو کا خیال آیا کہ وہ بھی جل گئی ہوگی، جب تلاش کی گئی تو دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پوری بستی میں صرف ان کا جھونپڑا محفوظ ہے، آگ تو کیا اس کا دھواں بھی اس جھونپڑے کے اندر نہیں داخل ہوسکا، اندر جاکر دیکھا گیا تو وہ اطمینان سے بیٹھی چرخہ کات رہی تھیں، جب ان کو ساری بستی کے جل جانے کی خبر سنائی گئی تو بہت غم زدہ ہوئیں اور یہی کہا کہ ''مجھ کو تو کوئی خبر نہیں میں تو چرخہ کات رہی تھی''

اسی وقت سے یہ مثل مشہور ہے کہ

''سارا کاکو جل گیا بی بی کمالو کو خبر ہی نہیں''

اور بعض اطراف میں یہی مثل اس طرح مشہور ہے کہ

''آگ لگا کے بی بی الگ کھڑیں''

فانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

ہوا کا کام ہے، شمع کو بجھانا، شمع کو فانوس میں رکھتے ہیں؛ تا کہ ہوا کی زد سے محفوظ رہے اور بجھنے نہ پائے، مگر جس شمع کو خدا روشن کرے اور ہوا بجھانے کی بجائے خود فانوس بن کر اس شمع کی حفاظت کرنے لگے تو ایسی شمع کو کون بجھا سکے، اور اس کو کسی فانوس کی کیا ضرورت؟

اگر مولانا کے معتکف میں زلزلہ کا اثر نہ ظاہر ہوا اور اتنی زمین حرکت میں نہ آئی تو یہ معمولی کرامت نہیں ہے اور اگر ایسا تھا کہ زلزلہ کا اثر ہوا معتکف بھی حرکت میں آیا، مگر شدت انہماک تلاوت اور فرط اشتغال مع اللہ نے ادھر متوجہ ہونے نہ دیا؛ اس لئے اس کی کچھ خبر نہ ہوئی تو یہ اس سے بھی بڑی کرامت ہے، جو اہل اللہ کی نظر میں زیادہ باوقعت ہے۔

اس زلزلہ سے لوگوں کے دل و دماغ متاثر ہی تھے کہ نصف شب کے بعد ایک اعلان سنا گیا کہ ایک شخص پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں تھانہ کا سپاہی ہوں، تھانہ میں خبر آئی ہے کہ پچھلی شب کو زبردست زلزلہ آنے والا ہے، سب لوگ گھروں سے نکل کر باہر کھلے ہوئے مقامات پر چلے جائیں، اس اعلان کے بعد خیال ہوا کہ ہم لوگ پیچھے نکلیں گے، پہلے مولانا کو خبر کر دیں، اسی وقت بھاگتے ہوئے ہم جامع مسجد پہونچے اور مولانا سے عرض کیا کہ ایسا اعلان ہوا ہے، برجستہ فرمایا: کہاں سے خبر آئی ہے؟ جب ہم سے اس کا جواب نہ چل سکا تو پھر خود فرمایا کہ کیا آسمان سے خبر آئی ہے؟ اس بے بنیاد اعلان پر میں اعتکاف توڑ دوں؟ کہاں جاؤں؟ جہاں بھاگ کر جاؤں گا، وہاں کیا زمین نہیں ہوگی؟ وہاں زلزلہ نہیں آئے گا؟ ہم نے عرض کیا کہ کھلے ہوئے میدان میں خطرہ کم ہے، اس پر ہمارے اطمینان کے لئے فرمایا:

''تم جاؤ اگر زلزلہ آئے گا تو میں مسجد کے صحن میں چلا جاؤں گا، وہ بھی کھلی

ہوئی جگہ ہے''

(اس کے بعد ہم وہاں سے ہٹ کر جامع مسجد کے امام صاحب کے مکان پر پہونچے اور ان کو اٹھایا اور سارا حال بیان کیا وہ ہمارے ساتھ تھانہ کوتوالی) آئے اور تھانہ دار کو پکار پکار کر اٹھایا اور پوچھا کہ کیا آپ نے ایسا اعلان کرایا ہے، اس نے کہا نہیں، میں نے اعلان نہیں کرایا ہے، یہ غنڈوں کا کام معلوم ہوتا ہے، گھروں کو خالی کرا کے لوٹنے کے لئے یہ اعلان ہو رہا ہوگا)۔

اس کے بعد ہم کو اطمینان ہوا اور مولانا کے اطمینان اور اعتماد علی اللہ کو یاد کر کے ہمیشہ حیران ہوتے رہے۔

جن کو اللہ سے گہرا تعلق ہو جائے، ان کو کسی خطرہ سے کیوں گھبراہٹ ہو، ساری کرامات کی اصل بنیاد یہی تعلق مع اللہ ہے، جس کے پیدا ہو جانے کے بعد انسان کرامات کا بادشاہ ہو جاتا ہے، آپ نے پہلے پڑھا ہے کہ قطب العالم حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ نے مولانا سے فرمایا کہ ''آپ تو خود بادشاہ ہیں'' یہ وہی بادشاہی تو ہے، اس بادشاہی کی قدر و قیمت قطب العالم حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے؟

ایسے واقعات بہت ہیں، مگر شریعت مطہرہ میں ایسے واقعات کی کوئی اہمیت نہیں اور اہل اللہ کی نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں؛ بلکہ ان کی نظر میں صرف طاعات، عبادات، مجاہدات، ریاضات، حدود شریعت کی ہمہ دم رعایت، ہر شعبۂ زندگی میں سنت کی اتباع اور اسوۂ رسول کی پیروی ہی پر مرکوز رہتی ہیں اور اسی کو کمال اور اسی کو کرامت سمجھتے ہیں۔

کشف

کشف بھی مولانا کو بہت ہوتا تھا، مگر اس کا بھی بغیر دینی ضرورت کے اظہار نہیں ہونے دیتے تھے، جب میں لکھنؤ میں قراءت کی تکمیل کر رہا تھا، اثناء سال مولانا اپنے پیر و مرشد کی زیارت کو وطن تشریف لے گئے اور واپسی میں مجھ کو دیکھنے اور میرے استاذ، استاذ العرب والعجم شیخ القراء حضرت قاری عبدالملک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے لکھنؤ اتر گئے اور کئی روز وہاں قیام فرمایا۔

جب مولانا لکھنؤ تشریف لائے تھے، ان کے آنے سے کچھ پہلے میری کوئی نماز قضا ہو گئی تھی،

مولانا کی نظر جب مجھ پر پڑی تو ان کو کشف ہو گیا، اس وقت تو کچھ نہیں بولے، مگر چند روز قیام میں موقع موقع سے بار بار فرماتے رہے کہ نماز قضا کرتا ہے اور میں شرم سے پانی پانی ہوتا رہا، اس دن سے نماز قضا نہ ہونے دینے کی قدر ہو گئی۔

میرے چھوٹے بھائی قاری شرف الدین کا بیان ہے کہ مولانا وضو کر کے مصلی پر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا چکے تھے کہ میں نماز کی تیاری کی بجائے یہ سمجھ کر ان کے پیچھے کھیل میں مشغول ہو گیا کہ اب وہ تحریمہ باندھ کر نماز میں دیر تک مشغول رہیں گے اور ان کو میرے کھیل کی خبر نہ ہوگی؛ لیکن ان کو فوراً کشف ہو گیا اور اچانک ہاتھ کانوں سے ہٹا کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور مجھ کو زور سے ڈانٹا۔

کشف کی بھی شریعت مطہرہ میں اور اہل اللہ کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، ارباب تصوف کا مشہور مقولہ ہے کہ ''کشف را بر کفش باید زد'' کشف کو جوتے کے اوپر مارنا چاہئے، یعنی کشف کی کوئی وقعت نہیں، اس پر ناز نہ کرنا چاہئے، قابل وقعت چیز اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا اور وفاداری و تقوی شعاری پر مرتے دم تک قائم رہنا ہے، یہی بزرگی ہے **{إن أكرمكم عند الله أتقاكم}** (۱) جو سب سے بڑا تقوی شعار ہو، وہی سب سے بڑا بزرگ ہے۔

وصال کے وقت کے حالات

سب سے آخر میں مولانا کے وصال کے وقت کے حالات ذکر کرتا ہوں، جن پر ان پاک زندگی کی زریں داستاں تمام ہوتی ہے، انہیں پر میں اپنے مضمون کو تمام کرتا ہوں، یہی آخری احوال، زندگی کا ماحصل ہیں اور اس سارے قصہ کا لب لباب، **إنما العبرة بالخواتيم** خاتمہ ہی کا اعتبار ہے، خاتمہ اچھا ہوا تو زندگی کامیاب ہو گئی اور اگر خدانخواستہ خاتمہ خراب ہو گیا تو زندگی ناکام ثابت ہوئی، عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے، ساری زندگی استقامت کے ساتھ اچھی گذاری جائے تو خاتمہ اچھا ہوتا ہے؛ اسی لئے استقامت بہت بڑی بے بہا دولت ہے **{وَلاَ تَمُوْتُنَّ إِلاَّ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ}** (۲) کا یہی مطلب ہے کہ استقامت کے ساتھ مرتے دم تک اسلام پر جمے رہو **{إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا**

---

(۱) الحجرات: ۱۳

(۲) آل عمران: ۱۰۲

رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا } (۱) اسی طرف مشیر ہے {فَاسۡتَقِمۡ کَمَا أُمِرۡتَ وَمَنۡ تَابَ مَعَکَ} (۲) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، زندگی کی کامیابی موقوف ہے، حسن خاتمہ پر اور حسن خاتمہ ثمرہ ہے استقامت کا۔

اسی کو سرکار دو عالم ﷺ نے ظاہر فرمایا ہے:

"کما تحیون تموتون و کما تموتون تحشرون" (أو کما قال علیہ الصلوۃ والسلام)

"جیسی پوری زندگی گذارو گے، ویسی ہی موت آئے گی اور جیسی موت آئے گی ویسا ہی حشر ہوگا"

اچھی زندگی گذاری ہے تو اچھی موت آئے گی اور اچھی موت آئی ہے تو انشاء اللہ اچھا حشر ہوگا اور اگر خدانخواستہ بری زندگی گذاری ہے تو بری موت آئے گی اور بری موت آئی تو برا حشر ہوگا، اللہ سب کو بری موت اور برے حشر سے محفوظ رکھے اور اچھی موت اور اچھا حشر نصیب کرے، آمین۔

مولانا کا جب وقت آخر آپہونچا تو گاہے گاہے بے ہوشی کی سی کیفیت رہنے لگی، کچھ کراہنے کی آواز کبھی کبھی سنی جاتی تھی، مولانا کی اہلیہ محترمہ ایک دن کہنے لگیں کہ اللہ اللہ کیجئے، "**لا إلہ إلا اللہ**" پڑھئے یہ سن کر فورا آنکھ کھول دی اور بڑے اطمینان سے والہانہ انداز سے فرمایا کہ "میرے دل میں اللہ ہے" زندگی بھر اس مراقبہ دائمہ اور حضور دائم کا راز کسی پر کبھی ظاہر نہ ہوا تھا، کوئی اس بھید کو نہ جانتا تھا، آخر وقت میں اپنی رفیقہ حیات کے اطمینان کے لئے ایک جملہ آخر نکل ہی گیا، وقت اور آخر آیا تو وصال سے تقریبا تین دن پہلے بالکلیہ آنکھیں بند کرلیں، بے ہوشی کی سی کیفیت تھی، دونوں آنکھیں بند، بولنا چالنا موقوف، دنیا اور دنیا والوں سے کوئی تعلق نہیں، جب یہ کیفیت شروع ہوئی تو پڑے پڑے آنکھیں بند کئے ہوئے دونوں ہاتھوں کو سامنے مار کر منہ پر ملا اور پھر سامنے ہاتھوں کو مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملا، ہم لوگوں کی سمجھ میں یہی آیا کہ اس بے ہوشی میں آخرت کا ہوش باقی ہے اور عالم خیال میں یہ تیمم کیا گیا ہے، اس تیمم کے بعد دونوں ہاتھ کانوں تک

---

(۱) فصلت: ۳۰، الأحقاف: ۱۳

(۲) ھود: ۱۱۲

اٹھائے گئے اور پھر تحریمہ کی طرح باندھ لئے گئے، لب دیر تک ہلتے رہے یعنی قراءت ہوئی، پھر دونوں ہاتھ سیدھے کھول دئے گئے، پھر متعدد طریقہ پر بہت کچھ پڑھا گیا، یعنی رکوع سجدہ سب کیا گیا، پھر ہاتھ باندھ لئے، پھر قراءت کی، پھر ہاتھ کھولے، پھر بہت کچھ پڑھا، دو رکعت چار رکعت اس طرح پڑھے گئے، پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھالئے یعنی پھر دوسری نماز شروع ہوگئی، تین روز میں اسی طرح ہزار ہا رکعتیں پڑھی گئی ہوں گی، دن بھر رات بھر ہر وقت یہ سلسلہ تھا، جب ہاتھوں پر ورم دیکھا گیا تو ہم میں سے کسی نے دونوں ہاتھ پکڑ لئے؛ تاکہ یہ سلسلہ رکے، مگر ایسا معلوم ہوا کہ یہ ہاتھ خود نہیں چل رہے ہیں، چلائے جارہے ہیں اور ہاتھ والے کا یہ فعل نہیں ہے، وہ تو بے ہوش پڑا ہے، یہ ایک کیفیت اضطرابی اور سیمابی ہے، جو طاری کردی گئی ہے، دونوں ہاتھ لوہے کی اسپرنگ کی طرح چل رہے ہیں، جب روکنے میں کامیابی نہ ہوئی تو اب روکنے کو اور بھی ان کی تکلیف کی باعث سمجھا گیا اور یہ کوشش چھوڑ دی گئی، ہم آتے تھے، سوتے تھے، جاگتے تھے، مختلف کام کرتے تھے، مگر اللہ کا یہ پیارا بندہ صرف اللہ کی یاد میں شبانہ یوم مصروف تھا، دونوں ہاتھ مشین کی طرح کھولے اور باندھے جارہے تھے اور زبان ولب سے قراءت تسبیح وتحمید وثنا وتحیات ودرود ودعا کا سلسلہ جاری تھا، جو ایک منٹ اور ایک سکنڈ کے لئے بھی موقوف نہ ہوتا تھا۔

آخر میں سانس تیز تیز چلنے لگی اور پاس بیٹھنے والے سب کے سب ذکر اللہ کو سنتے تھے، ہم نے متعدد بار سورہ یسین زور سے ان کو سنا کر تلاوت کی، کبھی میں پڑھتا تھا، کبھی میری چھوٹے بھائی مولانا حافظ قاری شرف الدین سلمہ پڑھتے تھے، جب ہم سورہ یسین پڑھنے لگتے تھے تو محسوس کرتے تھے کہ یہ بیہوشی صرف دنیاوی تعلقات کے لحاظ سے بے ہوشی ہے، مگر آخرت کا ہوش بڑھ گیا ہے، ہم برملا محسوس کرتے تھے کہ بہت غور سے سن رہے ہیں اور مضامین سے متاثر ہورہے ہیں، چہرہ پر ایک رنگ آتا ہے دوسرا جاتا ہے، آیات رحمت پر چہرہ گلاب کی طرح کھل جاتا ہے اور رخسار پر سرخی دوڑنے لگتی ہے اور آیات عذاب پر چہرہ خوف زدہ ہوجاتا ہے۔

ہم دونوں بھائیوں نے کلمہ طیبہ بہت خوش آوازی سے باری باری سے تجوید اور عربی لہجہ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا، اس سے بھی متاثر ہوتے ہوئے محسوس کیا گیا آواز نہیں تھی، ضعف حد کمال کو پہنچ چکا تھا، کئی روز سے آواز بند ہوچکی تھی، مگر تیز تیز سانس سے ''لا إله إلا الله'' کی آواز ہمارے

پڑھنے پرسنی جاتی تھی اور محمد رسول اللہ میں چونکہ حاء کا حرف ہے، وہ حلق سے نکلتا ہے؛ اس لئے اس کی پوری محنت سے تجوید کے قاعدہ کے مطابق زور لگا کر پڑھتے ہوئے سنا گیا۔

بالکل آخر میں عجیب وغریب حال یہ ہوا کہ سانس پانچ منٹ کے بعد سانس بالکلیہ بند ہو جاتی تھی اور پانچ منٹ تک بند رہتی تھی، جس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید روح نکل گئی، مگر نبض کو دیکھا جاتا تھا تو وہ چلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور قلب پر ہاتھ رکھا جاتا تھا تو اس کی حرکت بھی محسوس ہوتی تھی، پانچ منٹ کے بعد پھر بہت تیزی سے سانس چلنے لگتی اور اللہ اللہ کی آواز سانس سے سنی جانے لگتی اور پھر پانچ منٹ کے بعد اسی طرح بند ہو جاتی یہ کیفیت غالباً آخری چوبیس گھنٹہ رہی، یہ ایک معمہ تھا، جو کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ پانچ منٹ سانس بند کیسے ہو جاتی ہے، اچانک ایک ذاکر، شاغل، معمر، تجربہ کار شخص دیکھنے آئے، کچھ دیر تک یہ حال وہ دیکھتے رہے، پھر بولے کہ جن جن چیزوں کی زندگی بھر عادت مستمرہ رہی ہے، وہ ساری چیزیں آخر وقت میں کھل کر سامنے آگئی ہیں، نماز پنجگانہ، نوافل اور تہجد کے عادی تھے تو اس کا سلسلہ حیرت ناک طریقہ پر آخر وقت میں جاری ہوا، تدبر فی القرآن کی دائمی عادت تھی تو سورہ یسین سنتے وقت تدبر کا تاثر برملا دیکھا گیا اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پاس انفاس اور ذکر قلبی دائمہ کی عادت تھی، جس کا نمایاں اثر سانس چلتے وقت محسوس ہوتا ہے اور حبس دم کی مشق بھی تھی؛ اس لئے پانچ منٹ پاس انفاس کے ساتھ ذکر قلبی اور مراقبہ کرتے ہیں اور پانچ منٹ حبس دم کے ساتھ ذکر قلبی اور مراقبہ میں مشغول ہوتے ہیں، ان کی اس توجیہ پر سب کو اطمینان ہوا اور وہ معمہ حل ہو گیا۔

مولانا کے چہرہ کا رنگ زندگی میں سانولا تھا، مگر آخر میں سکرات کے وقت اس شدت ریاضت اور کثرت ذکر کی برکت سے بالکل گورے چٹے ہو گئے، نور ہی نور معلوم ہوتے تھے، چہرہ پر حیرت ناک چمک دمک محسوس ہوتی تھی، آخر انہیں نورانی حالات یعنی ذکر الٰہی میں پورے انہماک واشتغال کے ساتھ ۹/ رجب چہارشنبہ کی شب کو پونے گیارہ بجے طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، ہم سب پاس بیٹھے منہ دیکھتے رہ گئے، علم وعمل، روحانیت وتقویٰ، درس وتدریس، اصلاح وتبلیغ کی روشن شمع اچانک بجھ گئی، یک صد وپنج سالہ (۱۰۵) زندگی کا آفتاب غروب ہو گیا۔

گنبد حیات پانی کے بلبلہ کی طرح دفعتاً ٹوٹ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا ٹھکانا ہے زندگانی کا آدمی بلبلہ ہے پانی کا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

صبح ہوتے ہی یہ خبر بجلی کی طرح ہر طرف پھیل گئی، سارے شہر میں کہرام مچ گیا، جس نے سنا جنازہ میں شرکت کے لئے دیوانہ وار دوڑتا ہوا پہونچا، نماز جنازہ محلہ کریم گنج میں ادا کی گئی اور کریم گنج ہی کے قبرستان میں حضرت الحاج مولانا عبدالغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا خلیفہ ارشد حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر یعنی جانب مغرب میں کچھ دور پر سنت کے مطابق بغلی قبر یعنی لحد کے اندر قیامت تک کے لئے لٹادیئے گئے۔

نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ وغفرلہ وعافاہ وآنس وحشتہ فی قبرہ۔

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
کرے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بہت مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ماہر شعر وسخن، استاذ تاریخ گوئی، امام فن خطاطی، رئیس کتابت وطباعت، استاذی حافظ عبد الرحمن صاحب سمبل سنسہاروی گیاوی مرحوم بانی شمسی پریس وتاج پریس گیا نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات لکھا، جس کو مرحوم نے اپنی کتاب ''مجموعہ قطعات تواریخ'' میں اور قطعات کے ساتھ اپنی زندگی ہی میں شائع کردیا تھا۔

تاریخ رحلت

حضرت مولانا مولوی خیرالدین صاحب گیاوی نوراللہ مرقدہ

چو مولانائے خیر الدین ہیہات	سوئے دار بقا شد انا للہ
جہاں تاریک شداز انتقالش	بخلق افتادِ شور نالۂ آہ
سراپا پیکر علم وعمل بود	توکل پیشہ وَ مرد حق آگاہ
بہ تعلیم حدیث ودرس تنزیل	ہمہ اوقات بودش شغل دلخواہ
خدا رحمت کندبر روح پاکش	بود دار السلامش خوش گذرگاہ
روانش از تن خاکی جدا شد	نہم ماہ رجب نصف شبانگاہ

چوپرسد کس ز سال ارتحالش
بگو بسمل ''وفات خیردیں'' آہ

۶۷ ـــ ھ ـــ ۱۳

تذکرہ

طبیب روحانی و عالم ربانی حضرت مولانا قاری حافظ

بشارت کریم گڑھولوی قدس اللہ سرہ العزیز ونور اللہ مرقدہ

تعارف

کچھ عرصہ سے یہ بات معلوم ہوتی رہی کہ صاحبزادہ محترم حضرت مولانا ادریس صاحب مدظلہ مدرس مدرسہ جامع العلوم مظفر پور حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی قلمبند فرمارہے ہیں، یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ دیرینہ تمنا برآئی، اس کی تحقیق کے لئے مظفر پور کا سفر کیا، حاضر خدمت ہوا، تفتیش حال کے بعد اس کی تصدیق ہوئی اور مسودہ سرسری نظر سے گذرا، واپسی کے وقت حکم ہوا کہ جو بھی میری معلومات اس سلسلہ کی ہوں، ان کو میں قلمبند کردوں، میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا اور وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اتنا اہم کام مجھ سے لیا جائے گا، اور میری معلومات قابل پذیرائی ہوسکیں گی، مگر تعمیل حکم کے جذبہ نے اپنا کام کیا، ایک سفر میں رانچی سے گیا کے لئے ریل میں روانگی ہوئی، رات کا سفر تھا، سونے کے لئے سلیپر کا ریزویشن کرایا گیا تھا، مگر گاڑی مغرب کے بعد رانچی سے روانہ ہوئی اور ادھر قدرت نے دل میں یہ داعیہ پیدا کیا کہ اس سلسلہ میں کچھ قلمبند کروں، لکھنا شروع کیا۔

''مری'' پہونچ کر نماز عشاء اور طعام شب سے فراغت ہوئی، پھر مری سے روانگی کے بعد سونے کا مسئلہ سامنے آیا، رفقاء نے بہت اصرار کیا کہ میں سوجاؤں، مگر عشاء تک جو کچھ لکھا تھا، اس کی چاشنی آنکھوں سے نیند اڑا چکی تھی، دل میں مزید لکھنے کا شوق جوش مار رہا تھا، اپنے رفیق سفر کو جن کے سونے کے لئے ریزرویشن نہ ہوسکا تھا باصرار اپنی جگہ یہ کہہ کر سونے کو بھیج دیا کہ مجھ کو کچھ لکھنا ہے، میں نہیں سوؤں گا، ادھر ہماری ریل گاڑی (رانچی پٹنہ اکسپریس) لوہے کی پٹریوں پر فراٹے بھرتی ہوئی دوڑ رہی تھی، ادھر ہمارا اشہب قلم کاغذ کی جولان گاہ پر ریل گاڑی کی تیز رفتاری

اور روانی کا برابر مقابلہ کرتا ہوا چلا جا رہا تھا، یادداشت سے معلومات قلمبند ہوتے رہے اور دریا کے موجوں کی طرح مضامین ابل ابل کر سامنے آتے رہے، مضامین کی آمد اور قلم کی روانی طبعیت میں جوش اور ولولہ پیدا کر رہی تھی، کام ہوتا رہا، گاڑی چلتی رہی، اسٹیشن پر اسٹیشن آتے رہے اور گذرتے رہے، یہاں تک کہ ہماری گاڑی اور ہماری رات دونوں ہی نے ساتھ ساتھ اپنا سفر ختم کیا، ادھر صبح صادق کی سفیدی نمودار ہو رہی تھی اور ادھر گیا اسٹیشن کے نورانی بجلیوں کے قمقمے جگمگاتے ہوئے نظر آ رہے تھے، مضامین کی آمد اور قلم کی روانی ابھی جاری تھی کہ رات کی تاریکی سفر کی بےنوری اور ریل گاڑی کی روانی نے ہی ساتھ چھوڑ دیا، جلدی جلدی کاغذ سمیٹے، بیگ میں رکھے ساتھیوں کو اٹھایا، گاڑی سے اتر کر مدرسہ قاسمیہ کی مسجد پہونچ کر نماز فجر باجماعت ادا کی۔

بزرگوں کا تصرف یا بزرگ زادوں کی کرامت یا بزرگوں کے تذکرہ کی برکت تھی، یہ خلاف عادت رات بھر جاگنے کا داعیہ، مضامین کی مسلسل آمد، رات کے طویل وکثیر گھنٹوں کا منٹوں میں گذر جانا، نیند کا غلبہ تو کیا خیال بھی نہ آنا اور ساری رات گذر جانے کے بعد بھی کسل کا کوئی اثر ہونا تو درکنار انتہائی فرحت وانبساط اور مسرت وشوق کا غلبہ۔

مضامین پورے نہ ہو سکے تھے، دوسرے یا تیسرے روز جب پٹنہ کا سفر ہوا تو ریل میں پٹنہ تک برابر لکھا جاتا رہا، اسی طرح کئی سفروں میں چلتی ہوئی ریل کے اندر طبیعت چلتی رہی اور مضامین آتے رہے، اس طرح اپنی یادداشت میں جو کچھ تھا، اس کو مرتب کر دیا گیا، زیادہ تر واقعات چشم دید ہیں، اور زیادہ تر باتیں خود اپنی سنی ہوئی ہیں، کچھ باتیں معتبر راویوں سے سنی ہوئی بھی اپنی یاداشت سے لکھی گئی ہیں۔

وہ جن کے احوال زیب قرطاس کئے گئے ہیں، ان کی زندگی میں ان کے غائبانہ تذکرہ کی مجلسوں کا اور ان کے وصال کے بعد ان کے ذکر ومذکور کی محفلوں کا بھی یہی حال تھا اور ہے کہ ساری رات گذر جائے اور پتہ نہ چلے، اب ان کی تذکرہ نویسی کی رات بھی مشاہدہ میں آ گئی کہ پوری کی پوری رات گذر گئی، مغرب سے فجر ہو گئی اور پتہ نہ چلا۔

فخر الدین

تذکرۂ بشارت کریمؒ

آج سے تقریباً ۴۲، ۴۳ سال پہلے کی بات ہے، جبکہ میں اپنی عمر کے چودہویں یا پندرہویں سال میں تھا کہ اپنے وطن مالوف (گیا) میں جب کبھی یہ سوال اٹھتا کہ اس زمانہ میں کون بزرگ ایسے ہیں، جن کی صحبت سے دینی اور روحانی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو ہمارے والد محترم حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو خود بھی ایک بلند پایہ عالم اور قاری ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مستور الحال اور متواضع بزرگ تھے، اس سوال کے جواب میں ہمیشہ فرمایا کرتے کہ میرے دوست مولانا حافظ بشارت کریم صاحب اس زمانہ میں ایسے بزرگ ہیں، جن کے فیض سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ایک مجلس میں جب یہی بات والد صاحب مرحوم نے فرمائی تو مولوی ابوالحسن صاحب مرحوم کلاہ ساز و کلاہ فروش (جو میرے نانا حضرت مولانا عبد الغفار صاحب سرحدی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے) نے بھی یہ بات سنی اور ان کو اپنے سوال کا جواب میسر آ گیا (حضرت گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا اور مولوی ابوالحسن صاحب مرحوم کسی نقشبندی بزرگ کے متلاشی تھے، جن کی طرف رجوع کر کے اپنی روحانی تعلیم کو آگے بڑھائیں، ترقی کریں، اور باطنی فیضان سے فیضیاب ہوں) بہت مسرور ہوئے اور چوں کہ مولانا عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے؛ اس لئے والد صاحب مرحوم کو بہنوئی کی طرح سمجھتے تھے اور ہمیشہ تفریح اور مذاق کیا کرتے تھے، اس وقت بھی از راہ مذاق بول پڑے کہ آپ کی تعریف کا اعتبار نہیں، آپ کے نزدیک کوئی برا بھی ہے؟ آپ تو سب کو

اچھا ہی کہتے ہیں، ہم نہ مانیں گے، جب تک اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں گے، اب جو آپ گڑھول چلیں تو مجھ کو ساتھ لے چلیں؛ چنانچہ یہ بات طے ہوگئی کہ اب جو روانگی ہوگی تو وہ بھی ساتھ ہوں گے۔

سفر گڑھول

والد صاحب مرحوم سال میں ایک مرتبہ ضرور گڑھول تشریف لے جاتے تھے اور میرا تذکرہ بھی حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کرتے رہتے تھے کہ اب یہ پڑھ رہا ہے، اتنی تعلیم ہوئی ہے، اب اتنے پارے حفظ ہو چکے ہیں، اب حافظ ہو چکا، اب حفظ تمام کرنے کے بعد مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ قراءت کی تکمیل کے لئے گیا ہے، اب قراءت حفظ کی دستار بندی کے بعد سند لے کر آ چکا تھا، اس مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے والد صاحب مرحوم سے فرمایا تھا کہ آپ ہمیشہ فخر الدین کا ذکر کرتے ہیں، مگر اس کو لاتے نہیں، اب جو آپ آئیں تو اس کو ضرور اپنے ساتھ لائیں؛ چنانچہ وقت مقرر ہوا اور تین آدمی کا قافلہ گڑھول کے لئے روانہ ہوا، والد صاحب مرحوم، مولوی ابوالحسن صاحب مرحوم اور راقم الحروف گیا سے چلتے ہی؛ بلکہ گھر سے نکلتے ہی ابتداء سفر سے مجھ پر ہیبت کی کیفیت طاری تھی، میں ایک نالائق گنہگار اور ایک بزرگ ہستی کی زیارت؟ مجھ روسیاں کو دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟ میں بزرگوں کے آداب سے ناواقف! کیسے آداب صحبت بجالاؤں گا؟ طرح طرح کے خیالات سے دل متاثر تھا، یوں تو بزرگوں کے خاندان میں پرورش پانے کی وجہ سے بچپن ہی سے نماز اور جماعت پنجگانہ کا پابند تھا، حتی کہ سفر میں بھی کبھی نماز میں کوتاہی نہیں کرتا تھا، اس سفر میں خصوصیت سے نماز اور جماعت کا اہتمام کرتا رہا، والد صاحب اور مرحوم مولوی ابوالحسن صاحب کو اپنی خدمت سے وضو اور نماز و جماعت کی سہولت بہم پہونچاتا رہا۔

ختم قرآن پاک بحضور قلب

ایک خاص بات یہ ہوئی کہ گھر سے نکلتے ہی زبانی قرآن پاک انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور جب گڑھول سامنے نظر آنے لگا تو اس وقت میرا قرآن پاک ختم ہو رہا تھا، یعنی اس سفر میں پورا قرآن پاک بڑے شوق و ذوق اور حضور قلب سے ختم ہو گیا۔

حضوری کی ہیبت

اس علم کے بعد کہ گڑھول آ گیا ہے، ہیبت کی کیفیت میں ترقی ہوئی، یہاں تک کہ حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکان سامنے نظر آ گیا۔

پہلی نظر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ خبر پاتے ہی فوراً اپنے حجرہ سے باہر نکل آئے، وہ بھی عجیب دل کش منظر تھا، گلاب کی طرح کھلتا ہوا مسکراتا چمکتا ہوا چہرہ، لپک کر آگے بڑھے اور مسکراتے ہوئے والد محترم سے معانقہ اور ہم لوگوں سے مصافحہ فرمایا، سب سے پہلی نظر جب اس چہرہ زیبا پر پڑی ہے تو دل نے کہا، بیشک! یہ ہیں بزرگ!! اور بزرگ ایسے ہوتے ہیں، ادھر سے ایک تیر سا آیا اور ادھر سینہ میں گھس کر دل میں پیوست ہو گیا، آج تک نہ نکل سکا اور خدا کرے قیامت تک نہ نکلے، ہم تینوں کو اپنے حجرہ میں ساتھ لے کر گئے، دو تین متوسلین پہلے سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔

سماعِ قراءت اور وجد

کچھ دیر نہایت پر لطف گفتگو ہونے کے بعد والد صاحب نے عرض کیا کہ حسب الحکم فخر الدین کو اس مرتبہ لے کر آیا ہوں، اس کا قرآن سن لیجئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا، ہاں ہاں سناؤ میں نے {اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ}(۱) کا رکوع پڑھا، مگر کس کیفیت سے پڑھا اور کیسا پڑھا، اس کو احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا مختصر یہ کہ میری مشق ویسی نہ تھی، جیسا کہ اس وقت اللہ نے مجھ سے پڑھوایا، ایسی رقت ایسا خشوع ایسا پر درد لہجہ کہاں سے آ گیا اس پر آج تک عقل حیران ہے، ایسا نہ کبھی پہلے پڑھا تھا اور نہ پھر کبھی بعد میں پڑھا، اس کیفیت کا آج تک صرف تصور کرتا ہوں اور لطف اٹھاتا ہوں، مگر ویسا پڑھ نہیں سکتا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سراسر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض توجہ و تصرف تھا، ورنہ کہاں میں اور کہاں ایسی قراءت!

---

(۱) النور:۳۵

ادھر پڑھ رہا تھا اور ادھر اسی حجرہ میں بیٹھے ہوئے حاضرین پر وجد طاری تھا، یہاں تک کہ سوائے ہم تینوں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جتنے بھی تھے، سب ہی کچھ دیر تک تو تڑپتے رہے اور پھر بے ہوش ہو گئے۔

استقامت کا پہاڑ

مگر ایک حضرت رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ استقامت کا پہاڑ بنے ہوئے شروع سے اخیر تک مراقب ہو کر بیٹھے رہے، جنبش تک نہ ہوئی، میرا پڑھنا ختم ہو گیا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر تک مراقب ہی رہے۔

ایمان کی شہادت

جب بے ہوش، ہوش میں آچکے تو مراقبہ سے سر اٹھایا، ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر کچھ رک کر فرمایا:

''فخر الدین کا قرآن، دل کو لگتا ہے، ایمان کی علامت ہے''

دعا کی درخواست پر دعائیہ کلمات

والد صاحب مرحوم نے میرے لئے دعاء کی درخواست کی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعائیہ کلمات مکرر سہ کرر ارشاد فرمائے۔

پنڈت جی کی خدمت میں حاضری

کچھ دیر کے بعد اس مجلس سے ہم لوگ اٹھے، والد صاحب مرحوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''فخر الدین کو پنڈت جی سے ملانے لے جا رہا ہوں''، پنڈت جی کون تھے اور کیا تھے، ان کی ایک مستقل داستان ہے، جو کچھ میں نے سنا ہے اس کو آگے کسی جگہ بیان کروں گا۔

پنڈت جی کا سماعِ قراءت اور وجد

پنڈت جی، والد صاحب مرحوم کا بڑا احترام کرتے تھے، ہم لوگ جب ان کے سامنے

پہونچے تو وہ کھڑے ہو گئے اور بڑے ادب سے پیش آئے، والد صاحب نے کچھ دیر کے بعد مجھ کو حکم دیا کہ پنڈت جی کو قرآن سناؤ، انہوں نے فرمایا: ہاں ہاں سنایئے میں نے پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ ان پر وجد طاری ہو گیا اور اتنا سخت وجد آیا کہ کرسی پر سے بے تحاشہ نیچے اس طرح گرے کہ خود نیچے تھے اور کرسی اوپر؛ چونکہ اس مجلس میں اور کوئی نہ تھا اور جن کو سنا رہا تھا وہ بے ہوش ہو چکے تھے؛ اس لئے دو تین آیتوں کے بعد تلاوت موقوف کر دی گئی، تھوڑی دیر کے بعد ان کو ہوش آیا تو بار بار دعائیں دے رہے تھے، دماغ پر گرمی چڑھی ہوئی تھی، سارا جسم جل رہا تھا، ٹھنڈا پانی منگا کر دیر تک غسل کرتے رہے اور دعا دیتے رہے، غسل کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو ہم لوگ ان سے رخصت ہو کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، والد صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سرگذشت سنائی۔

پنڈت جی کا غلبۂ حال اور مسجد کی حاضری سے ممانعت

سنتے ہی فرمایا:

''مجھ سے ہی غلطی ہوئی میں نے آپ کو منع نہیں کیا کہ وہاں نہ سنوایئے گا
!اس کو تو میں نے مسجد میں آنے سے روک دیا ہے کہ گھر ہی میں نماز پڑھ
لیا کرو، اس کی جان کو خطرہ تھا، نماز میں امام کی قراءت سنتے ہی بے ہوش
ہو کر گر پڑتا تھا''

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض رسانی

ہم لوگوں نے چند روز وہاں قیام کیا مولانا کا روزانہ معمول یہ تھا کہ فجر اور مغرب کے بعد وہیں مسجد میں تقریبا ایک گھنٹہ مراقبہ فرمایا کرتے اور ان کے پیچھے ساری مسجد مراقبین سے بھری رہتی تھی اور سب ہی وجد و کیف سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔

نماز نفل میں سماعت حدر

ایک دن بعد مغرب جب مراقبہ سے فارغ ہو کر اٹھنے لگے تو والد صاحب نے درخواست کی

کہ دو رکعت نفل میں فخر الدین کا قرآن (حدر) سن لیجئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''سناؤ'' اور خود چارزانو سر جھکا کر بیٹھ گئے، میں نے سورہ یوسف دو رکعتوں میں پڑھ کر سنایا۔

خلعت (جوڑے) کا تحفہ

جس دن ہم رخصت ہونے لگے، اس دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہم کو گھر کے اندر سے ایک جوڑا کپڑا منگا کر دیا (ایک کرتہ اور ایک لنگی) اور فرمایا کہ ''ہم لوگ تو یہی پہنتے ہیں''۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا لباس

حضر رحمۃ اللہ علیہ کا لباس تھا، لمبا سفید سوتی کرتہ، لنگی اور سفید سوتی گول ٹوپی، چونکہ حضور ﷺ لنگی ہی استعمال فرماتے تھے؛ اس لئے حضور کی عملی سنت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیشہ معمول بہا رہی۔

میرا طبعی لباس

میں طبعاً لباس کے معاملہ میں آزاد واقع ہوا تھا، میں کہا کرتا تھا کہ ''درویش صفت باش وکلاۃ تری دار'' والد صاحب مرحوم بہت سادہ لباس کے عادی تھے، موٹا کرتہ موٹا عربی پاجامہ اور موٹی گول ٹوپی اور میں ٹینس کف اور امریکن کف کی قمیص اور لٹھے کا بڑے پائینچے والا پاجامہ اور مخمل کی ٹوپی اور انگریزی جوتا پہنا کرتا تھا، قمیص اعلیٰ سے اعلیٰ ڈیزائن کے کپڑے کی سلواتا تھا؛ چوں کہ تعلیم میں محنتی تھا، نماز وروزہ کا شدت سے پابند اور اپنے والدین کا مطیع وفرماں بردار تھا؛ اس لئے والد مجھ سے بہت خوش رہا کرتے تھے اور باوجودیکہ میرا لباس ان کی طبیعت کے موافق نہ تھا، مگر کبھی ناگواری کا اظہار نہ ہونے دیا۔

پہلا طبعی انقلاب

اس مرتبہ جب گڑھول سے واپسی کے بعد کپڑا بنوانے کی ضرورت ہوئی تو والد صاحب مجھ کو لے کر بزاز کی دکان میں گئے اور فرمایا کہ پسند کر کے کپڑے نکلواؤ، میں نے خلاف معمول موٹے جوٹ کا سادا کپڑا نکلوایا؛ چوں کہ گڑھول کی حاضری نے میرے دل کو بہت کچھ بدل دیا تھا،

دنیا سے دل سرد ہو چکا تھا اور زرق برق کپڑوں کا شوق دل سے نکل چکا تھا، والد صاحب نے حیرت اور مسرت سے مجھ کو دیکھا، مگر حسب عادت زبان سے کچھ نہ بولے، یہ کپڑا لے کر درزی کو دے دیا اور حسب معمول اس کی قمیص اور بڑے پائینچے کا پاجامہ تیار ہوا۔

گڑھول سے قلبی تعلق اور سلسلۂ مراسلت

گڑھول سے اتنا تعلق قلبی لے کر آیا تھا کہ برابر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

مولوی ابوالحسن صاحب کا رجوع

اسی سفر میں مولوی ابوالحسن صاحب مرحوم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب رجوع کر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم باطنی کا سلسلہ شروع کر دیا، راستہ میں انہوں نے اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے کہا کہ ''میرے پیرومرشد حضرت گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اگر کوئی ہیں تو مولانا ہی ہیں، ان کے خلفاء میں بھی کوئی اس پایہ کا بزرگ نہیں ہے''، دوسرا مختصر جملہ یہ فرمایا کہ ''بہت ریاض ہے، اتنے کمال کے بعد بھی اتنا ریاض حیرت ناک ہے''، یہ ان کا اثر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شبانہ یوم اشتغال وانہماک کو دیکھ کر تھا۔

میرا سفر لکھنؤ

میں اسی سال رمضان کے بعد اپنے استاد حضرت استاذ الاساتذہ قاری عبدالملک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طلب پر قراءت سبعہ کی تکمیل کے لئے پھر لکھنؤ چلا گیا۔

جسم لکھنؤ میں دل، گڑھول میں

میرا جسم لکھنؤ میں تھا، مگر دل گڑھول میں مولانا گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کا باطنی تصرف مسلسل کام کر رہا تھا۔

دوسرا انقلاب

میں نے لکھنؤ میں کپڑا ابنوایا، سفید موٹے کپڑے کا کرتہ، اسی کپڑے کا عربی پاجامہ اور اسی

کپڑے کی شیروانی اوراسی موٹے کپڑے کی سفید ٹوپی، رمضان کی چھٹیوں میں جب گھر آیا تو والد صاحب مرحوم مجھے دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوگئے اور بے اختیار بول اٹھے: ''میرے بیٹے کا لباس اب میرے دل کے موافق ہوگیا'' اور برابراس جملہ کو ہر ملنے والے کے سامنے دہراتے رہے اور اپنی زندگی کے آخری لمحے تک ہر شخص سے یہ فرماتے رہے کہ ''میں اپنے بڑے بیٹے فخرالدین سے بہت خوش ہوں''۔

باطنی تعلیم کے لئے سفر گڑھول

قراءت سبعہ کی تکمیل کے بعد مجھ کو والد صاحب مرحوم گڑھول لے گئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ

''اس کو آپ کے پاس لایا ہوں، اپنی اولاد اس کو سمجھئے اور اس کو آپ تعلیم دیجئے''

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں اور اس کی تعلیم کی مجھ کو خود فکر ہے، مگر کیا کروں میرے پاس وقت نہیں''

ایوب کو پڑھانے کی بھی فرصت نہیں، میں نے ایوب کی تعلیم کے لئے مولانا ریاض احمد صاحب سے کہا ہے، (مولانا ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے، افسوس عمر نے وفا نہ کی ورنہ آج حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ فیض انہیں سے جاری ہوتا اور صحیح جانشیں ہوتے، ان میں بہت رنگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تھا) یہ کہہ کر فرمایا:

''ظاہری تعلیم کی تکمیل آپ کرا دیجئے، ان شاء اللہ اس کی باطنی تعلیم میرے ذمہ ہے''

پھر مجھ کو مولانا مقبول احمد صاحب مدرس مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ کی خدمت میں بھیجا، کچھ دن ان کے پاس رہا، پھر والد صاحب سے متعدد کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور گیا اور اس کے دوسرے سال دارالعلوم دیوبند پہونچ گیا، اپنے مفصل احوال کی برابر گڑھول اطلاع

کرتا رہتا تھا اور مراسلت جاری تھی، دیوبند پہونچ کر جو اطلاع عریضہ بارگاہ عالی میں بھیجا، اس کا جواب آیا کہ ''اب مجھ کو اطمینان ہوا، علم کی جگہ میں پہونچ گئے''۔

دیوبند میں وصال کی خبر اور مسدس مرثیہ ''نوائے درد''

دیوبند کے قیام کے دوسرے ہی سال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر اچانک سن کر حواس باختہ ہو گیا، شب و روز آنسو جاری رہتے تھے، کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا، دنیا بے کیف معلوم ہوتی تھی، آٹھ روز تک کمرے سے باہر نہیں نکلا، صرف رونا ہی کام تھا، اس ہفتہ غم میں ایک مسدس مرثیہ لکھا، جس کا ہر شعر آنسوؤں کے درمیان لکھا جاتا تھا اور پھر اس کو پڑھ پڑھ کر آنسو بہائے جاتے تھے، زندگی وبال دوش محسوس ہوتی تھی، اسی کیفیت کو اس مسدس مرثیہ کے اس مصرعہ سے ظاہر کیا ہے۔

ہے یہ بہتر، بند ہو جائے ابھی باب حیات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے والد مرحوم سے وعدہ فرمایا تھا ''اس کی باطنی تعلیم میرے ذمہ ہے''اس وعدہ کو اس مرثیہ میں اس طرح یاد دلایا ہے۔

تو نے کیا وعدہ کیا تھا اپنا وعدہ یاد ہے

یہ مرثیہ ''نوائے درد'' کے نام سے پہلے تو قلمی کتاب کی شکل میں نقل ہو ہو کر تقسیم ہوتا رہا، پھر متعدد بار طبع ہو کر مفت تقسیم ہوا، اب عرصہ سے نایاب ہے ''یہ نوائے درد'' واقعۃً نوائے درد ہے، شروع سے آخر تک سراسر درد ہی درد ہے۔

پنڈت جی

جوگی

اوپر اپنے پہلے سفر گڑھول کے تذکرہ کے دوران پنڈت جی کا ذکر آ گیا تھا، پنڈت جی کون تھے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ سے تعلق رکھنے والے سب ہی جانتے ہیں، میں نے جو کچھ سنا ہے، وہ یہ ہے کہ پنڈت جی پہلے ہندو جوگی تھے اور پنڈت بھی تھے، اپنے مذہب کے موافق تمام علوم ظاہری و باطنی کی انتہائی تکمیل کر چکے تھے۔

طلب حق

مگر ان کے دل میں جس چیز کی طلب تھی، وہ ان کو کہیں نہیں مل رہی تھی، تمام جوگیوں میں اور فقیروں کے یہاں پھرے، مگر کہیں مقصود حاصل نہ ہوا، تمام جوگیوں میں سب سے بڑے جوگی یہ خود تھے، یوگ کے سارے مقامات طے کر چکے تھے، مگر ان کا پاک باطن محسوس کر رہا تھا کہ ہم نے جو مقامات طے کئے ہیں، یہ آخری مقامات نہیں، اس کے آگے بھی راستہ ہے، منزل کہیں اور ہے اور بہت دور ہے، راستہ بند اور باب طریق مسدود محسوس ہو رہا تھا، جس کو کھولنے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔

ایک مجذوبہ کی رہنمائی

اس مقصد عظیم کے لئے حالت اضطراب میں وہ ہر جگہ پھرے، ہر در پر گئے، آخر ایک مجذوبہ نے رہنمائی کی اور بڑبڑاتے ہوئے کہا کہ کہاں مارا مارا پھرتا ہے، گڑھول جا گڑھول۔

گڑھول کی حاضری

اب انہوں نے گڑھول کا پتہ معلوم کر کے وہاں حاضری دی، دو پہر کا وقت تھا اور گرمی کا زمانہ تھا، جو گیا را اسٹیشن سے پیدل گڑھول جا رہے تھے، گرمی کے دنوں میں دو پہر کے وقت لوگ عموماً گھروں کے اندر پناہ گزیں ہوتے ہیں، باہر راستہ میں چلتے ہوئے لوگ نہیں ملتے، یہ کئی جگہ راستہ بھولے اور ہر جگہ ایک ہی صورت کے ایک ہی شخص نے ظاہر ہو کر راستہ بتلا دیا۔

پہلی زیارت

جب گڑھول پہونچے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جمال جہاں آراء پر نظر پڑی تو دیکھا کہ یہ تو وہی ہیں، جنہوں نے راستہ میں کئی جگہ ظاہر ہو کر رہنمائی فرمائی ہے، عقیدت جوش میں آئی بے اختیار عرض کیا، بادشاہ میرے حال پر رحم کیجئے اور مجھ کو راستہ بتلائیے۔

بادشاہ

پنڈت جی پہلی ملاقات سے لے کر آخر زندگی تک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بادشاہ کہا کرتے تھے۔

عرض مدعا

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کیا بات ہے کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا گڑھول آتے ہوئے جہاں کہیں راستہ بھولا تو بادشاہ آپ نے ظاہر ہو کر گڑھول کا راستہ بتلایا، اب آپ پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں، آپ کو سب معلوم ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں، پھر انہوں نے اپنا حال اپنی طلب اور اپنی تڑپ کا حال بیان کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

> ”بیشک آگے راستہ ہے اور منزل دور ہے، مگر تمہارے لئے مقصود تک رسائی مشکل ہے، تم جہاں تک چل سکتے تھے، وہاں تک پہونچ چکے ہو، اب آگے تم نہیں چل سکتے“

کلمہ طیبہ کی تلقین

جب وہ بہت روئے گڑگڑائے تو فرمایا کہ بغیر کلمہ پڑھے راستہ نہیں کھل سکتا، انہوں نے عرض کیا پادشاہ طالب بن کر آیا ہوں، راستہ جس طرح کھلے، ہمارا راستہ کھول دیجئے؛ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کلمہ پڑھایا اور پھر تعلیم وتوجہ سے مالا مال فرمانا شروع کر دیا۔

وصول مطلوب

پنڈت جی اپنا مطلوب پا گئے اور گڑھول ہی میں رہ کر مشاغل سلوک میں منہمک رہنے لگے۔

جذب کی کیفیت پھر سکون واطمینان

عرصہ دراز تک وجد وحال اور اضطراب تڑپ اور جذب کی کیفیت رہی، پھر رفتہ رفتہ سکون واطمینان کے پہاڑ ہو گئے۔

فیض رسانی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان سے بہت لوگوں کو فائدہ پہونچا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد دربھنگہ میں عرصہ تک مقیم رہ کر فیض پہونچاتے رہے اور پھر تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہاں بھی ان سے بہت فیض جاری ہوا۔

وصال

عرصہ تک فیض پہونچانے کے بعد وہیں واصل بحق ہو گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

پنڈت جی کا قلب

حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ

’’میرے پاس بڑے بڑے علماء آتے ہیں مگر نور اللہ شروع شروع جب آیا تھا، اس وقت جیسا اس کا قلب تھا، ویسا قلب بہت سے علماء کا بھی

نہیں دیکھتا ہوں''

(حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پنڈت جی کا نام نور اللہ رکھا تھا)۔

پنڈت جی کے قلب کی مثال

ایک مرتبہ فرمایا:

''نور اللہ جب شروع شروع آیا تو اس کے قلب کی ایسی مثال تھی، جیسے کے شیشہ کا نیا اور صاف لیمپ ہو، جس میں سفید اور صاف تیل بھرا ہوا ہو اور بالکل نئی اور صاف سفید بتی لگی ہوئی ہو، بس میں نے اتنا کیا کہ اس میں دیا سلائی لگا دی''

پنڈت جی کے فیض کی سند

ایک مرتبہ فرمایا کہ ''نور اللہ سے بہت فیض پہونچے گا''، ایک مرتبہ فرمایا کہ

''جب قیامت میں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ میرے لئے کیا لائے ہو تو میں نور اللہ کو پیش کر دوں گا''

حشر میں عرش الٰہی کے سامنے پیشی کا مشاہدہ وکشف

ایک معتبر راوی نے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے تھے اور کچھ عرصہ تک خدمت میں رہنے کا شرف بھی حاصل کیا تھا، ایک مرتبہ بیان کیا کہ

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ بعد مغرب مراقبہ سے فارغ ہو کر مسجد سے اپنے حجرہ میں تشریف لا کر زبانی تلاوت کلام پاک بیٹھ کر بھینی بھینی آواز سے فرماتے، کواڑ بھڑے ہوئے ہوتے کسی کو داخلہ کی اجازت نہ تھی، صرف پنڈت جی کبھی کبھی جا کر بیٹھ جاتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی میں بھی جا کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا تھا، ایک مرتبہ حضرت تلاوت فرما رہے تھے، ایک گوشہ میں پنڈت جی مراقب بیٹھے تھے،

دوسرے گوشہ میں میں بیٹھا ہوا تھا، اچانک پنڈت جی چیخے، پھر تڑپے، پھر بے ہوش ہو گئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تلاوت روک دی اور ان کی طرف متوجہ ہو گئے، جب وہ ہوش میں آئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''نور اللہ، نور اللہ، کیا بات ہے، کیا دیکھا؟

پنڈت جی نے عرض کیا کہ ''پادشاہ! میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے، میدان حشر میں حق تعالیٰ عرش پر جلوہ گر ہیں، حساب کتاب ہو رہا ہے، مخلوق کا بے پناہ ہجوم ہے، آپ بھی ہیں، میں بھی ہوں، آپ مجھ کو پکڑے ہوئے عرش الٰہی کی طرف بڑھ رہے ہیں، جب قریب پہونچ گئے تو آپ نے مجھ کو دونوں ہاتھ سے اٹھایا اور عرش الٰہی کی طرف بڑھایا، میں حق تعالیٰ کے جلال، عظمت و ہیبت سے چیخ اٹھا''

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر حسب عادت تھوڑا سا سکوت فرمایا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا کہ

''مبارک ہو نور اللہ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہتے ہو''

سرمہ کا نسخہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پنڈت جی کو سرمہ کا ایک نسخہ بتلا کر فرمایا کہ نور اللہ اس کو بنا بنا کر فروخت کر لیا کرو، کبھی بھوکے نہ رہو گے؛ چنانچہ پنڈت جی اپنی مجلسوں میں بیٹھے بیٹھے اپنی زبان اور توجہ سے مخلوق کو فیض بھی پہونچاتے رہتے اور شیخ کا بتلایا ہوا سرمہ بھی کھرل میں حل کرتے رہتے اور جو بھی وہ سرمہ لے جاتا اس کو اس سرمہ سے بہت فائدہ پہونچتا، یہی سرمہ پنڈت جی کے گذرانِ اوقات کا ذریعہ تھا، اپنے مرشد کی طرح یہ بھی کسی سے نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے، پنڈت جی نے سرمہ کا وہ نسخہ موضع سوبھن ضلع دربھنگہ کے اپنے ایک مخلص خادم کو بتلایا تھا، ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے، ان کی اولاد کے پاس نسخہ اب بھی محفوظ ہے اور وہاں سے وہ سرمہ اب بھی مل جاتا ہے۔

نذرانہ

حضرت مولانا گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب کوئی نذرانہ پیش کرتا تو کبھی قبول نہ کرتے اور یہ فرماتے کہ

''میرے گذرانِ اوقات کے لئے اللہ نے مجھ کو بہت کچھ دیا ہے، میرے پاس زمین ہے اس کی کاشت ہوتی ہے، وہ میرے لئے کافی ہے، میں نذرانہ لے کر کیا کروں گا''

ہاں بعض مخلص احباب کا پر خلوص ہدیہ اتباع سنت کے جذبہ سے قبول کر لیتے تھے، مگر اس کے لئے ہدیہ پیش کرنے والے کے اندر اخلاص کی بہت ضرورت ہوتی تھی۔

ردِّ نذرانہ کا ایک واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ طالب علمی کے ایک سرحدی ساتھی آئے ہوئے تھے، انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی تنگی اور مجبوری کا ذکر کیا، اور اپنی خانگی ضروریات کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت کا اظہار کیا، اسی مجلس میں ایک رئیس عقیدت مند حاضر ہوئے اور ایک تھیلی روپیوں سے بھری ہوئی خدمت عالی میں پیش کی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حسب عادت بڑی بے نیازی سے یہ کہتے ہوئے اس کو رد فرما دیا کہ ''مجھ کو ضرورت نہیں، جس کو ضرورت ہو دیجئے''، انہوں نے عرض کیا کہ حضور والا کے علم میں جو ضرورت مند ہوں، ان کو اپنے دست اقدس سے دے دیجئے، فرمایا: ''آپ خود جس کو چاہیں دے دیں''، تب انہوں نے عرض کیا کہ اچھا اس کی اجازت عنایت فرمائی جائے کہ مسجد کے سامنے جو تالاب ہے، اس روپیہ سے اس کو پختہ کروادوں فرمایا کہ ''نہیں،

اس کی ضرورت نہیں ہے''، پھر انہوں نے کہا کہ حضور کی خدمت میں دور دراز سے لوگ آتے رہتے ہیں، اجازت عنایت فرما دیجئے کہ ان کو ٹھہرنے کے لئے مسجد سے متصل خانقاہ تعمیر کروادوں، فرمایا: نہیں، میں اس کو پسند نہیں کرتا''، آخر مجبور ہو کر واپس ہو گئے، ان کے جانے کے بعد اس سرحدی مہمان نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں نے آپ سے اپنی فلاں فلاں ضرورت کا اظہار کیا تھا، جس کے لئے مجھ کو کثیر رقم کی ضرورت ہے، اتنی بڑی رقم وہ شخص لے کر آیا، آپ کو ضرورت نہ تھی تو ہم کو ہی دے دیتے، وہ تو یہ بھی کہہ رہا تھا کہ آپ خود کسی ضرورت مند کو دے دیں، فرمایا کہ ''اس میں بھی رمز ہے''۔

جذبۂ اخلاص واخفاء

نمود وشہرت اور اظہار مشیخت سے طبعاً نفرت تھی، اپنے حال کو مخلوق سے مستور رکھنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا کہ مہمان آتے رہتے ہیں، اجازت ہو کہ ایک ہوٹل کھول دیا جائے؛ تاکہ مہمانوں کو سہولت ہو، فرمایا:

''جو مہمان بھی آتے ہیں، ان کا انتظام سنت کے مطابق ہو ہی جاتا ہے، زیادہ سہولت ہو گی تو زیادہ ہجوم ہو گا، میں اس کو پسند نہیں کرتا ہوں''

ایک مرتبہ فرمایا:

''لوگ کیا کیا سمجھتے اور کیا کیا کہتے ہیں، مگر یہاں حال یہ ہے کہ کچھ خبر نہیں کیا ہونے والا ہے؟ خاتمہ کیسا ہو؟ کچھ پتہ نہیں''

اس جملہ کو بار بار انتہائی اضطراب اور بے چینی سے فرماتے ہوئے سنا گیا۔

ایک مرتبہ امارت شرعیہ نے الیکشن کے لئے انڈی پنڈنٹ پارٹی قائم کی تھی اور اس کے مقابلہ میں دوسرے مکتب خیال کی طرف سے یونائیٹڈ پارٹی قائم کی گئی تھی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ امارت کی پارٹی کی طرف سے جو امیدوار کھڑا ہوا ہے، اس کی حمایت میں چند الفاظ تحریر فرما دیں؛ تاکہ آپ کے حلقہ اثر میں اس کو دکھلا کر ووٹ حاصل کیا جاسکے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط پر تحریر لکھ کر

دے دی کہ اس کو اخبار میں نہ چھپوایا جائے، صرف احباب کو دکھلائی جائے۔

اس کے بعد دوسری پارٹی کا نمائندہ حاضر ہوا اور تحریر مانگی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا: ''آپ امارت کی طرف سے کھڑے ہیں یا امارت کے مقابلہ میں؟ ان کو کہنا پڑا کہ امارت کے مقابلہ میں، تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

''میں تو امارت کا حامی ہوں اور اس کو تحریر دے چکا ہوں، اب آپ کو نہیں دے سکتا''

ادھر غلطی یہ ہوئی کہ مولانا سجاد صاحب مرحوم نے وہ تحریر لے جا کر دفتر والوں کے حوالہ کر دی کہ حضرت کے حلقہ میں اس سے کام لیا جائے، دفتر والوں کی غلطی سے وہ تحریر اخبار میں چلی گئی، اس کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بہت قلق ہوا اور مولانا مرحوم نے اس کی شکایت کی۔

سلسلۂ بیعت کا آغاز کیسے ہوا؟

شروع شروع کانپور سے گڑھول تشریف لاکر قیام پذیر ہوئے تو عرصہ تک کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے اور جو بیعت ہونا چاہتا تھا، اس کو اپنے مرشد حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کانپور بھیج دیتے تھے، ایک صاحب ایسے بھی نکلے کے وہ اڑ گئے کہ آپ ہی سے بیعت ہوں گے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت فرمایا کہ ''میرے پیر موجود ہیں، ان سے بیعت ہو جاؤ''، مگر وہ نہ مانے اور یہی کہتے رہے، مجھ کو آپ ہی سے عقیدت ہے؛ اس لئے مجھ کو فائدہ آپ ہی سے ہوگا، پھر بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ انکار فرماتے رہے، آخر وہ کانپور گئے اور سارا قصہ حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کر کے درخواست کی کہ، ایک خط مولانا بشارت کریم صاحب کے نام مجھ کو دیدیجئے کہ وہ مجھ کو بیعت کرلیں، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط لکھ کر دیا کہ

''جو گھڑی میں نے تم کو دی ہے، وہ کب تک باندھے رکھو گے، اس کو کھلنا چاہئے، اس بچارے کو تم ہی سے عقیدت ہے؛ اس لئے فائدہ تم ہی سے ہوگا، میں حکم دیتا ہوں کہ اس کو بیعت کرلو اور سلسلہ جاری کرو''

اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا۔

بیعت کا سلسلہ اگر چہ جاری ہو گیا، مگر اس میں بھی بہت سختی تھی، ہر کس و ناکس کو قبول نہیں کیا جاتا تھا، خوب جانچ ہوتی تھی، طلب صادق کا امتحان ہوتا تھا، بہتوں کو یہ کہہ کر واپس فرما دیتے تھے کہ ''ہوس ہے، جاؤ اطمینان حاصل کرو'' کسی کو فرما دیتے کہ ''جاؤ طلب پیدا کرو''، وغیرہ وغیرہ۔

طریقۂ بیعت

بیعت کرتے بھی تھے تو عموماً عام مروجہ طریقہ پر ہاتھ پکڑ کر بیعت نہیں کرتے تھے، تعلیم کا سلسلہ جس کا بھی شروع ہو جاتا تھا، سمجھ لیا جاتا تھا کہ بیعت فرما لیا۔

شاعری اور تاریخ گوئی

والد صاحب مرحوم نے ایک مرتبہ ذکر کر دیا کہ فخر الدین کو شعر و شاعری کا بھی شوق ہے، یہ سن کر حسب عادت خاموش ہوئے پھر ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا: {**وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعر وماینبغی له**''(۱)

شاعری کا مشغلہ اچھا نہیں کبھی کبھی کچھ کہہ لینا اور بات ہے، میں جب حافظ ہوا تو اپنے حفظ قرآن کی تاریخ کہی:

بابشارت لفظ حافظ را اگر منظم کنی ‏‏ سال حفظ اوبر آید از سنین عیسوی

فرمایا کہ میرا یہ مکان جب بن کر تیار ہوا تو میں نے اس کا تاریخی نام رکھا: ''خدادار خانہ'' فرمایا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا، (یعنی مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کو مولانا کہا کرتے تھے اور کسی بڑے سے بڑے عالم کو مولانا نہ کہتے، سب کو مولوی کہا کرتے، مولانا کا لفظ خاص پیر و مرشد حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ہی خاص تھا) تو بہت سے لوگوں نے تاریخ لکھی، میں نے بھی کہا:

آہ واصل شد بحق آں یادگار نقش بند

(۱) یس:۶۹

فن قراءت

میں نے جب ''الله نور السموات والارض'' کا رکوع سنایا تو ''**يسبح له فيها بالغدو والآصال**'' پر وقف کیا اور آگے ''**رجال لا تلهيهم**'' پڑھا، قرآن پاک میں الآصال پر آیت لکھی ہے، لا بھی لکھا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ٹھہر بھی سکتے ہیں مگر نہ ٹھہرنا افضل ہے۔

قراءت سے جب فارغ ہو گیا تو کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ ''**منار الهدى في الوقف والابتداء**''(۱) میں ''الآصال'' پر وقف کو قبیح لکھا ہے؛ کیوں کہ ''رجال''، ''**يسبح**'' کا فاعل ہے، میں نے عرض کیا کہ اگر ''الآصال'' پر سانس ٹوٹ جائے آگے نہ پڑھ سکے تو کیا ''**يسبح**'' سے اعادہ کیا جائے؟ فرمایا:

> ''نہیں، جب اضطراراً سانس ٹوٹ گیا اور وہاں وقف موجود ہے تو اعادہ کی ضرورت نہیں''

ایک مرتبہ فرمایا کہ

> ''میں نے دو طرح سے قرآن کو یاد کیا ہے، ایک وقف کے ساتھ اور ایک وصل کے ساتھ یعنی ایک مرتبہ ہر ہر علامت وقف پر وقف کرنے کی مشق کی اور ایک مرتبہ تمام اوقاف میں وقف نہ کرنے اور وصل یعنی ملانے کی مشق کی''

ایک مرتبہ فرمایا کہ

> ''سورۂ یوسف میں ''**ولقد همت به وهم بها**'' قرآن شریف کے عام نسخوں میں ملا کر لکھا ہے، جس سے وہم ہوتا ہے کہ زلیخا نے قصد کیا اور یوسف علیہ السلام نے بھی قصد کیا، ''**منار الهدىٰ في الوقف والابتداء**'' میں ''**ولقد همت به**'' پر وقف لکھا ہے اور ''**وهم بها**'' پر وقف کو قبیح لکھا ہے، اب لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے خوبی پیدا ہوگئی،

(۱) کتاب کا اصل نام ''منار الهدى في بيان الوقف والابتداء'' ہے، اس کے مؤلف گیارہویں صدی ہجری کے مشہور مجوّد اور قاری احمد بن محمد عبد الکریم اشمونیؒ ہیں، اس کا پہلا ایڈیشن ''المطبعة الخيرية'' جمالیہ (قاہرہ) سے ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوا تھا، اسی ایڈیشن کا ڈیجیٹل نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ (اعظم)

لفظ کے اعتبار سے رعایت سجع کی ہوگئی، ''ولقد همت به'' پر وقف کرو ، پھر پڑھو، ''وهم بها لو لا أن رأى برهان ربه''، اب اس پر وقف کرو ، لفظی خوبی کے ساتھ معنوی خوبی یہ ہوئی کہ وہ وہم دور ہوگیا، معنی یہ ہو گئے کہ زلیخا نے ان کا قصد کیا اور یوسف علیہ السلام زلیخا کا قصد کرتے اگر اپنے رب کی جانب سے برہان نہ دیکھ لیتے، مگر چوں کہ ''برهان رب'' کا مشاہدہ کرلیا؛ اس لئے قصد نہیں کیا''

فن قراءت میں وقف وابتداء کا باب نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس کے جاننے کے لئے بڑے علم کی ضرورت ہے، ''منار الهدىٰ في الوقف والابتداء'' اس بات میں نہایت عظیم الشان اور مستند کتاب ہے، میں نے سب سے پہلے اس کتاب کا نام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فیض ترجمان ہی سے سنا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کتاب زبانی یاد تھی اور بار بار اس کا حوالہ دیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو فن قراءت میں کتنا عبور تھا۔

گمشدہ شخص کی واپسی کے لئے عمل

ایک مرتبہ جب حاضر ہوا تو ایک گمشدہ شخص کا ذکر کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ربنا إنک جامع الناس ليوم لا ريب فيه إن الله لا يخلف الميعاد ، اللهم اجمع بيني وبين كذا''

'' گمشدہ شخص کی واپسی کی نیت سے بکثرت پڑھا جائے، تعداد نہیں فرمائی اور کذا کی جگہ گمشدہ شخص کا اور اس کی ماں کا نام لیا جائے یعنی ''بين فلان بن فلان''

عشق الٰہی

والد صاحب مرحوم سے فرمایا کہ

''جب میں حج کو گیا تو تمام مقامات اجابت دعا میں صرف یہی ایک دعاء کی: ''اللهم ارزقني حبک وحب من أحبک'' (یا اللہ مجھ کو اپنی

اور اپنے دوستوں کی محبت عنایت فرما)

عملیات کا مشغلہ

ہم لوگ ایک مرتبہ جب حاضر ہوئے تو والد صاحب مرحوم سے گیا کے ایک صاحب کا حال دریافت کیا، والد صاحب نے فرمایا کہ آج کل وہ عملیات میں مشغول ہیں، آسیب اور جن وغیرہ کا عمل کرتے ہیں، یہ سن کر حسب عادت کچھ خاموش ہونے کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا کہ ''خدا سے دور کرنے والی باتیں ہیں''۔

جذبۂ اخفاء کا ایک واقعہ

مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے منظورِ نظر متوسلین میں سے تھے، ایک مرتبہ حاضر ہوئے تو اپنی ایک تقریر اور اس کے مضامین کا ذکر کیا، جب یہ چپ ہوئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ حسب عادت تھوڑی سکوت کے بعد ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولے کہ ''ابھی تک آپ تقریر کرتے ہی ہیں؟ پھر تھوڑے سکوت کے بعد فرمایا:

کر ضبط فغاں فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر

تقریباً دوسال پہلے ایک نوٹ بک میں مولانا عبد الشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا مذکورہ بالا واقعہ اور اسی کے ساتھ وہ مصرعہ جو حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا تھا لکھا ہوا ملا، اس کو پڑھ کر دیر تک لطف اٹھاتا رہا، پھر خیال آیا کہ اس اجمال کی کچھ تفصیل ہونی چاہئے، مولانا گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا، وہ کیا چاہتے تھے اور وعظ وتقریر وتبلیغ واصلاح کے سلسلہ میں ان کا کیا مسلک تھا، اس مختصر واقعہ اور مصرعہ سے واضح نہیں ہوتا؛ بلکہ جو لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ طبع سے واقف نہیں ہیں، ان کو اس اجمالی واقعہ اور مصرعہ سے کچھ غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے، یہ خیال آنا تھا کہ منجانب اللہ اس موضوع پر کچھ اشعار موزون ہو گئے، جن سے حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ طبع کی روشنی میں ان کے اس فرمان کی پوری وضاحت ہوجاتی ہے یعنی پوری نظم پڑھئے پھر پتہ چلے گا کہ حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کیا چاہتے تھے اور کیا فرمارہے ہیں:

کر ضبط فغاں فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر

جو راز دردن سینہ ہو ، اس کی تو کبھی تشہیر نہ کر
جو دل کی حکایت مجمل ہو اس کی تو کبھی تفسیر نہ کر
مستور اگر ہو حال ترا ، مستور ہی اس کو رہنے دے
جو خواب محبت راز میں ہو اس کی تو بیاں تعبیر نہ کر
ایسی تو کبھی اصلاح نہ کر ، افساد نتیجہ ہو جس کا
تخریب ہو جس کے پردہ میں ایسی تو کبھی تعبیر نہ کر
کر بند زبانِ قال کو تو اور بول زبانِ حال سے تو
تو جذبۂ دل کو لب پہ نہ لا ، دل جوش میں لا تقریر نہ کر
تعظیم بھی کر توقیر بھی کر ، لذت کش دردِ محبت کی
دل عشق سے خالی ہو جس کا اس کی تو کبھی توقیر نہ کر
قابو سے ہو باہر دل جس کا اور ضبط فغاں جو کر نہ سکا
مجرم ہے مگر معذور ہے وہ ، معذور کی تو تعزیر نہ کر
جو راہ نبی سے دور کرے اور عشق سے جو مہجور کرے
تو ہاتھ میں اس کے ہاتھ نہ دے اس شخص کو اپنا پیر نہ کر
ہر عزم وعمل سے اپنے تو ، تبلیغ محبت کرتا رہ
صرف اپنی زباں ہی سے تو فقط انذار نہ کر تبشیر نہ کر
تدبیر پہ اپنی ناز نہ کر میں اتنا ہی تجھ سے کہتا ہوں
اسباب کا عالم ہے دنیا کس نے یہ کہا تدبیر نہ کر
راضی بہ رضاء الٰہی رہ ، صابر بہ قضائے الٰہی رہ
آجائے مگر جب وقت عمل ، پھر تذکرۂ تقدیر نہ کر
فرمایا گڑھول کے حضرت نے اے فخر اک اپنے مخلص سے
کر ضبط فغاں ، فریاد نہ کر ، تاثیر دکھا تقریر نہ کر

حصول بیعت

حضرت مولانا حافظ بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ تینوں کانپور کے مشہور مدرسہ ’’فیض عام‘‘ میں ایک ساتھ علوم ظاہری کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔

حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اوپر کے درجہ میں فنون کی کتابوں میں ہم سبق تھے، اور حضرت مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نیچے کی کتابیں پڑھتے تھے، ان تینوں میں قابل رشک حد تک دوستانہ تعلقات تھے، والد صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ

> ’’حضرت مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت حسین وجمیل تھے، حسن باطنی کی طرح حسن ظاہری بھی انتہائی دلکش تھا؛ اس لئے مدرسہ کے سب ہی طلبہ میں محبوب تھے اور سب ہی دوستی کے خواہاں رہتے تھے، مگر یہ کسی سے ملنا جلنا پسند نہ کرتے تھے‘‘

صرف انہیں تینوں مذکورہ بالا حضرات کے باہمی قلبی تعلقات تھے اور تینوں ہم خیال، ہم نوا، ہم پیالہ وہم نوالہ تھے، ان کے باہمی ارتباط پر سارے طلبہ کو رشک تھا، علمی استعداد کے لحاظ سے بھی یہ تینوں حضرات آفتاب وماہتاب تھے، والد صاحب مرحوم فقیہ مشہور تھے؛ بلکہ اپنے وطن حضرو میں چھوٹی سی عمر سے ہی وہ فقیہ مشہور ہو گئے تھے، وطن سے ہی فقہ کی تمام کتابیں پڑھ کر آئے تھے، کنز تو ان کو حفظ تھی، پنجاب میں عملی استعداد کی پختگی پر بہت زور دیا جاتا تھا؛ اس لئے وہاں علمی مباحثوں کا بھی رواج تھا، فرماتے تھے کہ آئے دن فقہی مسائل پر ان سے مباحثہ کے لئے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے اور چوں کہ کنز پوری کی پوری حفظ تھی؛ اس لئے کوئی ان سے جیت نہ سکتا تھا؛ کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو یہ عبارتیں زبانی سطروں کی سطریں اور صفحوں کے صفحے پڑھتے جاتے، جس سے لوگ حیران وششدر رہ جاتے، کانپور میں بھی ان کا فقیہ ہونا زبان زد خاص وعام تھا، والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ

''حضرت مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کنز پوری کتاب
مجھ سے خارج اوقات مدرسہ میں پڑھی تھی''

اس لئے آخر عمر تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ (والد صاحب مرحوم کا) بہت احترام فرمایا کرتے تھے، والد صاحب مرحوم تصوف اور سلوک میں اپنے وطن حضرو کے ایک شیخ کامل میاں فضل الٰہی رحمۃ اللہ علیہ قاری سے بیعت تھے، اور حضرت مولانا غلام حسین صاحب بھی پنجاب ہی کے ایک نقشبندی بزرگ سے بیعت تھے اور ان کے مجاز و خلیفہ بھی تھے۔

حضرت مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست بیعت کردی، وہ برابر ٹالتے رہے، مگر یہ نہ مانے، بالآخر انہوں نے فرمایا کہ ''میرے شیخ موجود ہیں، تم ان سے بیعت ہو جاؤ''، تب بھی یہ نہ مانے اور عرض کیا کہ ''اس راہ میں عقیدت شرط ہے، مجھ کو آپ ہی سے عقیدت ہے''، حضرت مولانا نے فرمایا کہ ''تم نے ہمارے شیخ کو دیکھا نہیں ہے؛ اس لئے مجھ سے عقیدت ہے، ان کو دیکھ لوگے تو ان سے بہت زیادہ عقیدت پیدا ہو جائے گی، تم میرے ساتھ چلو میں تم کو اپنے شیخ سے ملاؤں اور بیعت کرادوں'' مولانا نے فرمایا: ''لے چلئے، مگر مجھ کو یقین ہے کہ ان سے ملنے کے بعد بھی آپ کی عقیدت کم نہ ہوگی''؛ چنانچہ وہ ان کو لے کر اپنے شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا اور بار بار اثناء قیام ان سے پوچھتے رہے کہ بولو کیا فیصلہ کیا؟ مگر یہ وہاں بھی یہی کہتے رہے کہ ''میں اپنے فیصلہ پر اٹل ہوں، مجھ کو آپ ہی سے عقیدت ہے، آپ ہی مجھ کو بیعت کرلیں''، آخر پیر و مرشد کے حکم سے ان کو بیعت کرنا ہی پڑا۔

سلوک کی تعلیم

اب تعلیم ظاہری کے ساتھ ساتھ تعلیم باطنی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا اور حال یہ تھا کہ جو سبق اذکار و اشغال کا شیخ سے ان کو ملتا، وہ اس کو چند روز میں درجہ کمال تک پہونچا دیتے، اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے کہ ''جو سبق میں اس کو دیتا ہوں، چند روز میں یہ اس کو پانی کر دیتا ہے''؛ چنانچہ بہت جلدی فضاء تصوف و سلوک پر ہوائی جہاز کی رفتار سے اڑنے اور ترقی کرنے لگے۔

تکمیل باطنی

یہاں تک کہ تھوڑی ہی مدت میں تکمیل باطنی کر کے اپنے شیخ کامل کے مجاز وخلیفہ ہی نہیں جانشیں ہو گئے، سنا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے ایک ہی بنایا ہے، مگر اپنے سے بہتر بنایا ہے''، ان کی صلاحیت، ان کی استعداد اور کمالات ظاہری و باطنی پر ان کے شیخ کامل کو مکمل اعتماد ہی نہیں؛ بلکہ انتہائی فخر و ناز تھا۔

حکیمانہ طریقۂ اصلاح کا ایک واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کانپور سے تکمیل کے بعد باجازت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن مالوف گڑھول آکر مقیم ہوئے، یہ مقام ایک قریۂ صغیرہ (معمولی دیہات) ہے، حنفیہ کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز نہیں، ان کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر (شہر) کا ہونا شرط ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل تھے۔

جب پہلا جمعہ آیا تو بستی کے لوگ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ہی جمعہ کی نماز پڑھا دیں، حضرت نے نہایت حکیمانہ انداز سے فرمایا کہ ''میں تو دیہات میں جمعہ پڑھتا نہیں، مگر تم کو روکتا بھی نہیں، تم لوگ پڑھو، میں نہیں پڑھوں گا''، یہ سن کر لوگ چلے گئے اور باہمی مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ حضرت اتنے بڑے بزرگ ہو کر جمعہ نہیں پڑھیں گے اور ہم لوگ جمعہ پڑھ کر کیا حضرت سے بڑھ جائیں گے، نیز یہ چلنے والی بات نہیں کہ حضرت تو جمعہ نہ پڑھیں اور ہم لوگ پڑھتے رہیں؛ اس لئے ہم لوگ چل کر اس معاملہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے سپرد کر دیں، وہ جو چاہیں اور جس طرح چاہیں کریں؛ چنانچہ لوگ حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ حضور جمعہ نہیں پڑھیں گے تو کیا پڑھیں گے، حضرت نے فرمایا کہ ''اگر تم لوگ جمعہ پڑھو گے تو میں اپنے گھر میں ظہر پڑھوں گا''؛ چنانچہ سب نے بالآخر عرض کیا کہ حضرت جس طرح چاہیں کریں، ہم سب آپ کے تابع ہیں؛ چنانچہ نہایت سہولت سے بغیر ردو کد کے جمعہ کا سلسلہ بند ہو گیا اور آج تک وہاں جمعہ نہیں ہوتا، ظہر کی نماز باجماعت مسجد میں ہوتی ہے۔

کشف کا ایک واقعہ

اثناء قیام دربھنگہ ایک پنجشنبہ کو دربھنگہ سے چل کر عصر کے بعد گڑھول پہنچا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ عصر کے بعد مسجد آ کر اپنے مکان سے متصل آم کے درخت کے نیچے چار پائی پر بیٹھ کر چائے نوش فرماتے اور چائے سے جب فارغ ہوجاتے تو چائے کا سٹ اٹھالیا جاتا، اس دن بدستور بعد عصر چائے نوش فرمائی، مگر چائے کی کیتلی پر ٹو پا اوڑھا کر اپنے پاس رکھ لیا اور چائے کا سٹ اٹھا کر لے جانے کا حکم نہیں دیا، کچھ دیر کے بعد میں پہونچا، مجھ کو دیکھ کر فرمایا، بہت دیر سے انتظار تھا، آؤ چائے پیو، جب میں چائے پی کر فارغ ہوا تو اپنے بڑے صاحبزادے کو پکارا ''ایوب! چائے کا برتن اٹھا کر لے جاؤ'' بعد میں بابو ایوب صاحب مجھ سے فرمانے لگے کہ ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ چائے نوش فرمانے کے بعد خلاف معمول کیتلی کو ڈھانک کر کیوں اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں اور برتن اٹھانے کا حکم آج کیوں نہیں ہورہا ہے، مجھ سے فرمایا کہ کیا تم نے اپنے آنے کی اطلاع حضرت کو کی تھی میں نے عرض کیا کہ میں نے تو نہیں کی تھی، ہاں اللہ نے ان کو اطلاع دی تھی کشف ہوگیا؛ اس لئے منتظر تھے۔

کشف کا دوسرا واقعہ

والد صاحب مرحوم اور ہم لوگ مشرقی سائبان میں چوکی پر ناشتہ کے بعد بیٹھے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ بابو ایوب صاحب وغیرہ کو حجرہ مبارک کی مغربی جانب جنوبی رخ والے سائبان میں درس دے رہے تھے، والد صاحب کو پان کھانے کی خواہش ہوئی، ایک منٹ بھی نہ گذرا تھا کہ ایک لڑکا پان لے کر آیا اور کہا کہ حضرت نے آپ کے لئے پان بھیجا ہے، والد صاحب کھلکھلا کر ہنسے اور فرمایا کہ

> ''مولانا سے کہنا کہ میں تو آپ کا پہلے سے قائل ہوں، مجھ کو پان کھانے کی ابھی فوراً خواہش ہوئی تھی کہ آپ کو کشف ہوگیا''

یہ وہ زمانہ تھا، جب صاحبزادگان کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود درس دیتے تھے، پھر رفتہ رفتہ اشغال باطنی بہت بڑھ گئے اور ہمہ دم مشغول رہنے لگے، ہر وقت شکایت فرمایا کرتے تھے کہ

میرے پاس وقت نہیں ہے، اس درس وغیرہ بند ہو گیا تھا، حتیٰ کہ ملنے جلنے والوں کی کثرت بھی طبع مشغول پر نا گوار رہا کرتی تھی، ہمیشہ فرماتے کہ

''میں جتنا چاہتا ہوں کہ میرے پاس کوئی نہ آئے اتنا ہی لوگ ہجوم کرتے ہیں، راتوں کو بھی لوگ دور دور سے پہونچتے ہیں اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ دنیاوی اغراض ہی لے کر آتے ہیں، کوئی مقدمہ کے لئے دعا کراتا ہے، کوئی روزگار کا رونا روتا ہے، وغیرہ وغیرہ دین کے لئے اللہ کے لئے آنے والے بہت کم ہوتے ہیں''

مسجد کے دروازہ پر دم کرانے والوں کی کثرت

والد صاحب مرحوم سے ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ:

'مسجد سے جب نکلتا ہوں تو دروازہ پر دم کرانے والے دور دور تک دو رویہ کھڑے ہوتے ہیں، اگر سب کو پڑھ پڑھ کر دم کروں تو ایک نماز سے دوسری نماز کا وقت آ جائے اور گھر تک نہ پہونچ سکوں، فقط چھو چھو کرتا ہوا گذر جاتا ہوں، مگر اللہ اس میں بھی فائدہ دیتا ہے''

مسلک کی پختگی

والد صاحب مرحوم نے ایک نماز کے لئے مسجد جاتے ہوئے از راہ مذاق فرمایا کہ ''کیا حرج ہے یہاں آپ جمعہ پڑھ لیا کیجئے''، سنتے ہی چلتے چلتے رک گئے اور فرمایا: ''آپ کی رائے ہے'' والد صاحب نے جب ہنس کر کہا: ''ہاں'' حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہنستے ہوئے سینہ ٹھونک کر فرمایا کہ ''اس مسئلہ پر میں مناظرہ کر سکتا ہوں'' والد صاحب کھلکھلا کر ہنسے اور عرض کیا کہ ''آپ سے کون مناظرہ کر سکتا ہے''۔

والد صاحب مرحوم سے خصوصی تعلقات

والد صاحب مرحوم جب بھی آتے تھے تو حضرت سب کو چھوڑ کر انہیں کی طرف متوجہ رہتے

تھے اور اس طرح ہنس ہنس کر باتیں کرتے اور ماضی کے واقعات کا ذکر کرتے اور اپنی زندگی اور معمولات اور حالات کے متعلق بے تکلف باتیں کرتے کہ لوگوں کو حیرت ہوجاتی، جب یہ دونوں مصروف گفتگو ہوتے تو دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ ان کا زمانہ طالب علمی لوٹ آیا ہے اور اسی دور میں اسی بے تکلفی سے باہم گفتگو میں مصروف ہیں۔

کشف کا ایک اور واقعہ

دربھنگہ کے ایک رجسٹرار صاحب گیا بدل کر آنے لگے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے دعا لینے گئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''گیا میں میرے ایک دوست مولوی خیر الدین صاحب رہتے ہیں، ان سے ملتے رہنا''، چنانچہ جب سے وہ گیا آئے برابر والد صاحب مرحوم سے ملتے رہے، کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے ایک نئی کار خریدی والد صاحب سے عرض کیا کہ مجھ کو شوق ہے کہ اس کار میں آپ کے ساتھ گڑھول چلوں، والد صاحب راضی ہو گئے، اس سفر میں، میں بھی تھا، گیا سے پٹنہ تک ریل میں سفر ہوا، کار بھی ریل کے مال والے ڈبہ میں آئی، پھر اسٹیمر سے گنگا کو پار کیا گیا ،کار بھی اسٹیمر سے لگی ہوئی مال بردار کشتی میں پار کی گئی، پلیزا گھاٹ سے ہم لوگ کار میں سوار ہوئے ،شب میں مظفر پور پہونچے وہاں مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا اور اس میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئے ہوئے تھے، جلسہ تک ہم لوگ وہیں مقیم رہے، بعد اختتام جلسہ وہاں سے پھر کار میں روانگی ہوئی اور کار ہی میں گڑھول پہونچے، غالبا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو رجسٹرار صاحب کا اس شان وشوکت سے کار میں حاضری دینا ناگوار ہوا، بالخصوص والد صاحب کو کار میں اپنے ساتھ لے کر آنا سوء ادب اور ان کے احترام کے خلاف محسوس فرمایا؛ چنانچہ رجسٹرار صاحب کی طرف بہت کم متوجہ ہوئے اور پورے اثناء قیام میں حسب عادت والد صاحب کی طرف متوجہ رہے، ایک مجلس میں حجرہ شریف کے اندر حضرت کے پاس میں، والد صاحب اور رجسٹرار صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ والد صاحب سے مصروف گفتگو تھے، اچانک رجسٹرار صاحب کی طرف منہ کر کے ذرا سخت لہجہ میں فرمایا کی'' آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ کوئی معمولی مولوی صاحب ہیں''، یہ کہہ کر اپنے سینۂ مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ''ان کی قدر میں

جانتا ہوں آپ کیا جانیں‘‘اور پھر حسب سابق والدصاحب کی طرف متوجہ ہوکر باتوں میں مصروف ہوگئے، رجسٹرار صاحب سے نہ پہلے کوئی بات ہورہی تھی نہ بعد میں ہوئی، نہ انہوں نے کچھ عرض کیا تھا، ہم لوگ حیران تھے کہ یا اللہ اچانک ادھر مڑکر یہ جملہ ان سے کیوں فرمایا گیا، بات سمجھ میں یہی آئی کہ شاید رجسٹرار صاحب کے دل میں مولانا کے متعلق کچھ خیال آ گیا ہوگا، جس کا کشف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلب مبارک پر ہوا، اور اسی کی وجہ سے یہ تاثیر تھا، واللہ اعلم، کس کی ہمت تھی کہ اصل حقیقت کو حضرت سے دریافت کرے۔

کشف کا ایک اور واقعہ

والدصاحب مرحوم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ

’’حضرت مولانا بشارت کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ’’میں نے بارہا آپ کے قلب پر نظر کی تو اس کو آپ کے شیخ کی توجہات سے معمور و مربوط پایا، آپ کے شیخ کا پورا قبضہ آپ کے قلب پر ہے اور آپ کے قلب کا پورا رابطہ شیخ کے ساتھ ہے‘‘

سبحان اللہ! کشف قلوب کی کتنی عجیب مثال یہ واقعہ ہے۔

مولانا ایوب صاحب خلف اکبر حضرت رحمۃ اللہ علیہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے مولانا ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مادرزاد ولی تھے، علوم ظاہری کی استعداد بھی بہت عمدہ تھی اور باطنی احوال بھی عجیب کمال کے رکھتے تھے، طالب علمی کے زمانہ ہی سے احوال بہت رفیع تھے، بہت چھوٹی سی عمر سے ہی صاحب وجد و حال تھے۔

وجد و حال

ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے مشرقی حجرہ میں مولانا حافظ ایوب صاحب، جو ابھی عربی درسیات کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، داڑھی بھی ابھی نہیں نکلی تھی، بعد نماز ظہر تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے کہ اچانک وجد طاری ہوا، اور تڑپ کر بے ہوش ہو گئے، میں ان

کا یہ حال دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یا الٰہی اتنی تھوڑی سی عمر اور یہ حال ''ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء''۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مجاہدہ

ایک مرتبہ صبح کے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہم لوگ ناشتہ کے لئے بیٹھے مولانا ایوب صاحب کی تلاش ہوئی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کے انتظار میں ناشتہ شروع نہیں کررہے تھے، بار بار فرماتے تھے کہ ایوب کہاں ہے اور بلانے کے لئے آدمی بھیجتے تھے، مگر کوئی خبر لے کر نہ آتا تھا، آخر تھوڑی دیر کے بعد خبر آئی کہ روزہ رکھا ہے؛ اس لئے دستر خوان پر نہیں آرہے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے تھوڑی سی خاموشی کے بعد فرمایا ''صوفی ہے''۔

مولانا موصوف نے بچپن ہی سے بہت مجاہدات کئے، آج موجود ہوتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے جو خلاء پیدا ہوا وہ بڑی حد تک پر ہوسکتا تھا۔

امامت

جب میں پہلی مرتبہ گڑھول گیا ہوں، اسی سال سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھانا چھوڑ دیا تھا اور امام مولانا ایوب صاحب کو مقرر فرما دیا تھا، میری درخواست پر ایک مرتبہ والد صاحب مرحوم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ فخر الدین درخواست کرتا ہے کہ کسی وقت کی جہری نماز حضرت رحمۃ اللہ علیہ پڑھا دیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا کہ ''اب میرے پڑھنے کا وقت ختم ہوگیا اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں''، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت بہت دلکش ہوتی تھی، والد صاحب سے میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دلکش قراءت کا حال سنا تھا؛ اسی لئے بہت شوق تھا کہ ایک وقت کی نماز بھی پڑھا دیں تو قراءت سن سکوں، مگر وائے قسمت کہ وہ شوق پورا نہ ہوسکا، بابو ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نماز میں بہت کچھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کا رنگ تھا۔

نماز میں خشوع خضوع اور تعدیل ارکان

قراءت کی دلکشی ،خشوع وخضوع ،تعدیل ارکان اور استغراق کی کیفیات سے نماز معمور ہوتی تھی ،حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے والدصاحب سے ایک مرتبہ فرمایا:

''میں نے ایوب سے کہہ دیا ہے کہ جب امامت کرے تو رکوع وسجود زیادہ طویل نہ کرے ،مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے پانچ مرتبہ تسبیحات پڑھا کرے اور تنہا پڑھے تو جس قدر چاہے پڑھے''

سبحان اللہ آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پانچ مرتبہ تسبیحات ،کیسا رکوع وسجود ہوتا ہوگا؟اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے ،جس کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔

سماع اور وجد ورقص

مزامیر کے ساتھ ہو یا بلا مزامیر ہر قسم کے سماع سے ؛ بلکہ حضور پُرنور سرورکونین ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کے خلاف ہر فعل سے مکمل پرہیز تھا ،اور ہر ایسے فعل اورنشست وبرخواست سے متنفر تھے ،جس سے کچھ بھی مشیخت مروجہ کا اظہار ہوتا ہو''**الشیخ في قومه کالنبي في أمته**'' مقولۂ اہل سلوک وتصوف کے صحیح مصداق تھے ،اور مشیخت صالحہ صحیحہ کے مکمل آئینہ ،اصلاح احوال مسترشدین کے مرکز ومحور ،اخلاص واستقامت کی مملکت کے تاجدار اوراظہار احوال باطنی وکشف وکرامات سے لزوماً ودواماً بیزار تھے ،استقامت پر سب سے زیادہ اصرار تھا اور یہی ہمیشہ مطمح نظر رہا کرتا تھا ،والد صاحب مرحوم سے اکثر فرمایا کرتے تھے ،اللہ استقامت نصیب کرے ،لوگ کیا کیا کہتے ہیں معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔

خانقاہ مروجہ سے نفرت

خانقاہ مروجہ اور خانقاہی زندگی سے نالاں رہا کرتے تھے۔

نماز میں وجد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں امام جب نماز شروع کرتا تو دو چار آیتوں کے بعد سے

پوری مسجد کی تمام صفوں میں مقتدیوں کو وجد شروع ہوجاتا، تقریباً سارے ہی نمازی ذاکرین و اصحاب حال ہوتے تھے؛ اس لئے صفوں میں اچھلنے کودنے اور دھمادھم کی آواز ہر طرف سے آنے لگتی ،جس سے ہم جیسے قسیّ القلب اور بے حس انسانوں کا حال بھی، دگرگوں ہونے لگتا، میں کہا کرتا تھا کہ صحیح اور اصلی خانقاہ یہ ہے، یہاں صحیح مجلس سماع مسجد میں پنجگانہ اور خصوصاً جہری نمازوں کی جماعت میں قائم ہوتی ہے، یہاں قوالی اور وجد وحال سب کچھ مسجدوں میں نمازوں کے اندر نظر آتا ہے، **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔**

ذکر وشغل

بعد نماز فجر ومغرب تقریباً ایک ایک گھنٹہ مسجد میں جہاں نماز ادا فرماتے، وہیں مراقب ہوکر توجہ حاصل کرتے اور ذکر اللہ اور حضور مع اللہ سے لذت آشنا ہوتے، بعد مغرب مراقبہ سے فارغ ہوکر اپنے گھر کے حجرۂ انور میں تشریف لاکر عشاء تک قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے، ابتداء میں بابوایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو صبح ناشتہ کے بعد درس دیا کرتے تھے، مگر رفتہ رفتہ تمام اوقات اشغال تصوف وسلوک میں کچھ اس طرح گھر گئے کہ کوئی وقت بھی اشغال واذکار اور اوراد سے خالی نہیں رہنے لگا۔

نماز میں فرائض وسنن مؤکدہ و واجبات کی ادائیگی خضوع وخشوع کے ساتھ فرماتے، سوائے تہجد کے نوافل کی طرف متوجہ نہ ہوتے، ایک مرتبہ والد صاحب مرحوم کے سامنے فرمایا کہ

> ''نوافل پڑھنا عورتوں کا کام ہے، مردوں کا کام مجاہدات وریاضات واذکار واشغالِ باطنی میں منہمک رہنا ہے''

روزانہ بعد مغرب حزب البحر پڑھنے کا بھی معمول تھا، فرمایا کرتے کہ

> ''حزب البحر تمام خاندانوں اور سلاسل تصوف میں مروج ومقبول اور متفق علیہ ہے، اس کی تاثیر عجیب ہیں، اس میں جادو جیسا اثر ہے''

شب بیداری

رات کو بہت کم سوتے، زیادہ اوقات تہجد اور ذکر میں گذرتا، ایک صاحب تھے، جو عرصہ

تک خدمت میں رہے اور جاڑوں کے موسم میں ہر وقت راتوں کو پانی گرم رکھتے تھے؛ تاکہ جس وقت بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کی ضرورت ہو، گرم پانی پیش کرسکیں، اُن کا بیان ہے کہ کسی ضرورت سے نصف شب کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ شریف کے اندر چلا گیا تو دیکھا کہ جاگ رہے ہیں۔

عشق میں اضطراب و بے چینی

اور بیٹھے ہوئے بھینی بھینی آواز میں ترنم سے یہ مصرعہ پڑھ رہے ہیں: ع

ترے ہجر میں میرے رسولِ خدا مرا چین گیا مری نیند گئی

ذکر میں انوار کی بارش

ہمارے ایک دوست دار العلوم دیوبند میں ہمارے ساتھ پڑھتے تھے، وہ جنگ پور روڈ کے قریب کے رہنے والے تھے اور بچپن سے ایک عالم و عارف کی تربیت میں رہے تھے، اُن پر کچھ جذب کا اثر بھی تھا، جو کبھی کبھی دورہ کی طرح ان پر غالب ہوجاتا تھا، کبھی کبھی جب بے قابو ہونے لگتے تو میرے پاس جی بہلانے کو آجاتے، ان کے سامنے حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر دیر تک چھڑا رہتا، جس سے ہم دونوں کو سکونِ قلب حاصل ہوتا، ایک مرتبہ جمعہ کو عشاء کے بعد جب ان پر کچھ اضطراری کیفیت ظاہری ہوئی تو میرے پاس آئے اور ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے آبادی سے باہر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب دیوبند کی عیدگاہ میں جاکر بیٹھے اور دیر تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہوتا رہا، اس مجلس میں جس میں صرف ہم ہی دونوں تھے، ایک عجیب واقعہ انہوں نے بیان کیا کہ

> ''اُن کے وطن میں ایک مجذوب رہتا تھا، جس سے ان کا ملنا جلنا رہتا تھا، وہ بھی ان سے مانوس تھا، ایک مرتبہ نصف شب کے بعد سوتے سوتے یہ جاگ پڑے اور استنجے کی غرض سے باہر نکلے تو دیکھا کہ وہی مجذوب ان کے مکان کے پاس سے گذر رہا ہے اور تیزی سے جارہا ہے، یہ بھی چپکے

سے، اس کے پیچھے ہو لئے، یہ دونوں بستی سے باہر کچھ دور جب پہونچے تو اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور ناراض ہوا کہ تم اس وقت آدھی رات کے بعد کہاں جا رہے ہو؟ یہ بھی بے تکلف تھے، اسی لہجہ میں کہا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اس نے ڈانٹا کہ تم ہمارے ساتھ کیوں جا رہے ہو، انہوں نے کہا کہ ہم تمہارا کیا بگاڑتے ہیں؟ ہم تم سے الگ الگ پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، اس نے ان کو ڈرایا اور سخت آواز میں سمجھایا کہ یہ وقت باہر نکلنے کا نہیں ہے، کیا خطرہ پیش آجائے کچھ ٹھیک نہیں ہے، ہر بات کا یہ اسی طرح سے جواب دیتے رہے، یہاں تک کہ اچانک اس نے گڑھول کی طرف منہ کر کے اُن سے کہنا شروع کیا کہ ارے دیکھ! ادھر دیکھ، وہ دیکھ گڑھول میں مولانا بشارت کریم صاحب ذکر کر رہے ہیں، اور اُن کے مکان پر انوار کی بارش ہو رہی ہے، ان کے مکان سے عرش تک نور ہی نور ہے، ارے دیکھ! تجھ کو نظر نہیں آتا، وہ دیکھ''

حالاں کہ وہ جگہ گڑھول سے تقریباً آٹھ نو میل کی دوری پر ہے، اُن کو کیا نظر آتا، جو وہ دیکھ رہا تھا، اللہ اللہ یہ ہے ذکر اور یہ ہیں ذاکر، جن کے انوار کا کوئی آنکھ والا ہی مشاہدہ کر سکتا ہے، نہ صرف قریب سے؛ بلکہ آٹھ نو میل کی دوری سے اس طرح مشاہدہ کر سکتا ہے کہ جیسے کسی محسوس چیز کو بہت قریب سے کوئی دیکھ رہا ہو۔

ذکر کا اثر مسترشدین میں

ایک مجلس میں پنڈت جی نور اللہ صاحب رحمۃ اللہ سامنے ایک چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چوکی پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا کہ زلزلہ آ گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا کہ زلزلہ نہیں ہے، تمہارے ذکر کے اثر سے چوکی ہل رہی ہے۔

سبحان اللہ! یہ تھا اثر، یہ تھی تاثیر محبت اور یہ تھے آثار ذکر جو کہ مسترشدین کے رگ وریشہ

میں اس طرح سرایت کر جاتے تھے کہ جس مکان میں ہوں، اس مکان میں بھی ذکر کے آثار پیدا ہو کر ایک بے جان چوکی میں بھی حرکت پیدا ہو جائے، پھر ان ذاکرین کے قلب و روح کا اور ہر بُن مو کا، ہر رگ و پے کا کیا حال ہوگا، اس کو تو وہی سمجھے اور بیان کر سکے، جس کو اس راہ سے کچھ بھی لگاؤ اور دُور کا بھی تعلق ہو، بے بصیرت، کور باطن، نابینا کیا دیکھے اور کیا سمجھ سکے؟

درس تفسیر

ابتدائی زمانہ میں تو روزانہ صاحبزادگان کو خود درس دیتے تھے، مگر رفتہ رفتہ باطنی معمولات و مشغولیتیں اتنی زیادہ بڑھتی چلی گئیں کہ سلسلۂ درس موقوف ہو گیا اور ہمہ دم ذکر اللہ ہی میں انہماک رہنے لگا، اس پر بھی وقت کی تنگی کا اپنے بعض بے تکلف دوستوں کے سامنے شکوہ کرتے رہتے کہ

''افسوس وقت نہیں ہے''

اس کے باوجود ہر جمعہ کو ناشتہ کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ قرآن پاک کے ترجمہ اور تفسیر کا حلقہ جاری رہتا، اس حلقہ میں خاص طور پر پنڈت جی رحمۃ اللہ علیہ ضرور شریک ہوتے۔

میں اثناء قیام دربھنگہ ایک پنجشنبہ کو گڑھول حاضر ہوا، شب بھر قیام کر کے جمعہ کی صبح کو واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو فرمایا:

''جمعہ کی شام کو چلے جانا، یہاں جمعہ کو ترجمہ قرآن پاک کا درس ہوتا ہے،
اس میں شریک ہو جانا''

حسب الحکم رُک گیا اور اس نورانی حلقۂ درس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، اس روز سورۂ مدثر کی ابتدائی چند آیتوں کا سبق تھا، اسرار و رموز قرآنی کا دریا امنڈ رہا تھا، انوار کلام الٰہی کے پھول جھڑ رہے تھے، ایک جگہ ڈرتے ڈرتے میں نے ایک طالب علمانہ اشکال بھی پیش کر دیا، جس کا بڑی شفقت سے نہایت تشفی بخش جواب عنایت فرمایا اور اس سوال سے اس قدر خوش ہوئے کہ جب والد صاحب مرحوم ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو ان سے اس خوشی کا اظہار فرمایا کہ

''جمعہ کو درسِ تفسیر میں فخر الدین کو بھی شریک کر لیا تھا، ماشاء اللہ سمجھ کر
پڑھتا ہے، اس نے سوال بھی کیا اور سمجھنے کی کوشش کی، بے سمجھے ہوئے

نہیں پڑھتا‘‘

میں والد صاحب کے ساتھ موجود تھا، میں شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا کہ میں نے بڑی جرأت سے کام لیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اظہار خوشنودی سے مسرت بھی ہو رہی تھی کہ اللہ اللہ اپنے خدام کی کس طرح ہمت افزائی فرماتے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس طرح اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ تلمذ بھی مجھ جیسے حرماں نصیب کو عنایت فرمایا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

مجھ نالائق پر نظر شفقت

والد صاحب مرحوم کے ساتھ جب بھی حاضری ہوئی، انتہائی خاطر تواضع اور مہمان نوازی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہم لوگوں کی فرمائی، اثناء قیام دربھنگہ پنجشنبہ کی چھٹی میں جب پہلی دفعہ تنہا حاضر ہوا تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ خاطر تواضع جو والد صاحب کی ہوتی ہے، وہ میری ہوگی، عشاء کے قریب پہونچا تھا، عشاء کے بعد دستر خوان پر جو کچھ گھر میں پکا تھا آ گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھ اپنے پاس بٹھا کر کھانے میں شریک کیا اور بار بار یہ فرماتے رہے کہ وقت نہیں ملا، فخر الدین کے لئے کچھ انتظام نہ ہوسکا، بہت سادہ کھانا ہے، گھر میں جو پکا تھا، وہی آ گیا، دوسرے دن صبح کو رخصت ہونے گیا؛ تاکہ جمعہ دربھنگہ میں پڑھ سکوں تو باصرار روکا کہ شام کو چلے جانا، تمہارے لئے کھانے کا انتظام رات نہیں ہوسکا، کچھ بھی مزا نہ آیا، میں نے بہت عرض کیا کہ حضرت بہت مزیدار کھانا تھا، بہت مزا آیا، مگر یہی فرماتے رہے کہ نہیں نہیں، کچھ بھی نہیں ہوا، حسب الحکم ٹھہر گیا تو دوپہر کو پر تکلف کھانے کا نظم تھا، سہ پہر کو رخصت کی اجازت ہوئی۔

ہمارے رشتہ داروں کی خصوصی تواضع

اثناء قیام دربھنگہ میرے ایک دور کے نانا دربھنگہ آئے اور مجھ سے پتہ پوچھ کر گڑھول حاضر ہوئے اور کئی روز وہاں قیام کیا، ان کی بھی خوب خوب تواضع ہوئی، ہر کھانے پر مرغ ہوتا تھا، واپسی پر انہوں نے سارا حال میرے سامنے بیان کیا، جب میں پنجشنبہ کو حسب دستور حاضر ہوا تو بڑی

مسرت سے فرمایا کہ ''تمہارے نانا آئے تھے، ہم سے ان کی کچھ بھی خاطر تواضع نہ ہوسکی''، میں نے عرض کیا کہ وہ تو احسانات سے دبے ہوئے واپس ہوئے ہیں، اور بہت ہی شکر گذار ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ایک مجلس میں چھڑ گیا کہ ان کو بعض تکفیری لوگ کافر کہتے ہیں، سنکر بہت متاثر ہوئے اور تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا کہ سلوک میں جس وقت میں مبتدی تھا، اس وقت وہ منتہی ہو چکے تھے۔

جماعتی نزاعات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک صحیح

جب بھی دیوبندی اور بریلوی اختلافات کا ذکر آیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے علماء دیوبند کی حمایت میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور مسلم لیگ، جمعیۃ علماء اور امارت شرعیہ کے اختلافات کے وقت جمعیۃ علماء اور امارت شرعیہ کی تائید فرمائی، حتیٰ کہ مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب امارت کی نگرانی میں ایک الکشنی جماعت انڈی پنڈنٹ پارٹی کے نام سے قائم کی اور دوسری طرف مسلم لیگی مکتبِ خیال کے لوگوں نے یونائیٹڈ پارٹی قائم کی، دونوں طرف سے امیدوار کھڑے ہوئے اور سخت مقابلہ ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیۃ اور امارت کے نمائندہ کی حمایت فرمائی اور اس کو ووٹ دینے کی تحریری اپیل مولانا مرحوم کو عنایت فرمائی، اگرچہ اپنی اخفا پسندی کی وجہ سے یہ شرط لگائی کہ اس اپیل کو اخبار میں نہ دیا جائے۔

مسئلۂ امکانِ کذب کی توضیح

علماء دیوبند پر بریلویوں کے اس الزام کا ذکر آیا کہ نعوذ باللہ وہ امکان کذب باری تعالیٰ کے قائل ہیں، مسکرا کر فرمایا کہ

> ''یہ توسیع قدرت کا مسئلہ ہے، علماء دیوبند صرف یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کلام پاک میں قانون جزاء وسزا بیان فرمائے ہیں، مگر وہ اس پر مجبور اور اس کا پابند نہیں ہے؛ بلکہ اگر وہ چاہے تو سارے مجرمین کو جنت میں

داخل کردے اور سارے صالحین کو جہنم میں ڈال دے تو ڈال سکتا ہے، اس کو کوئی روک نہیں سکتا، علماء دیوبند کہتے ہیں کہ قانون کی رُو سے جو لوگ سزا کے مستحق ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ اپنے مراحم خسروانہ سے مغفرت فرما سکتے ہیں، یہ کوئی غلط، عجیب، یا نئی بات نہیں ہے، اس پر بہت سے اسلاف، اکابر علماء نے بحث کی ہے، مگر ضد میں اور حسد کی وجہ سے بریلوی لوگ ان پر امکانِ کذب باری تعالیٰ کے قائل ہونے کا الزام لگاتے ہیں کہ اس سے تو حق تعالیٰ کا اپنے بیان کردہ قانون کے خلاف کرنا اور نعوذ باللہ کذب لازم آتا ہے، مسئلہ توسیع قدرت کا ہے، اسی سے امکان کذب کا الزام پیدا کیا گیا''

پھر فرمایا کہ ''ایسے مسائل پر بحث مناسب نہیں، یہ علمی باتیں ہیں''۔

مسئلۂ علم غیب کی حقیقت

فروعی نزاعات کے سلسلہ میں علم غیب کا ذکر آیا تو فرمایا کہ

''یہ مسئلہ غیب کا ہے ہی نہیں، اصل مسئلہ اطلاق عالم الغیب کا ہے، یعنی کشف سے، الہام سے، وحی الٰہی سے، یا کسی بھی غیبی ذریعہ سے بہت سی مغیبات کا علم حضور ﷺ کو تھا، اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے، بحث صرف اس میں ہے کہ اللہ کے سوا کسی مخلوق پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مگر افسوس کہ جب بحث ہوتی ہے تو ایک طرف سے ان مغیبات کو ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، جن کا علم آپ ﷺ کو دیا گیا تھا، اور دوسری طرف سے ان مغیبات کا ذکر کیا جاتا ہے، جن کا علم آپ ﷺ کو نہیں دیا گیا؛ حالاں کہ بحث اس پر ہونی چاہئے کہ اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بس مسئلہ علم غیب کی حقیقت صرف اتنی سی ہے، علماء دیوبند اطلاق عالم الغیب کے منکر ہیں''

نماز اور کھانا بے توجہی سے بے کیف ہوتا ہے

ایک مرتبہ رات کے کھانے کے درمیان ارشاد فرمایا کہ

''دو کام پوری توجہ سے دل لگا کر کرنا چاہئے، ایک نماز اور دوسرا کھانا، نماز کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر اداء ونقل وحرکت کو دھیان، توجہ اور خشوع خضوع سے ادا کرنا چاہئے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کا حضورِ کامل حاصل ہو، یعنی بے دلی سے نماز نہ پڑھی جائے، اور کھانے کو بھی بے دلی سے نہ کھایا جائے؛ بلکہ یہ سمجھ کر کھائے کہ وہ کیا کھا رہا ہے اور اس کا کیا مزا ہے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہو سکے، بے توجہی اور بے دلی کی نماز اور کھانا دونوں بے کیف ہوتے ہیں''

تعدیلِ ارکان، اقامتِ صلاۃ اور نماز کا حسن وجمال

نماز تو بہت لوگ پڑھتے ہیں، مگر نماز کے حقوق کی ادائیگی اور اس میں حسن و جمال پیدا کرنا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے، خشوع وخضوع، کیف ولذت، عجز وانکساری، تواضع وعبدیت، حلاوت ایمانی کی چاشنی اور حسب فرمان نبی ﷺ: ''**قرة عيني في الصلاة**''(۱) اور ''**الصلاة معراج المؤمنين**''(۲) نماز کا آنکھوں کی ٹھنڈک اور مؤمن کی معراج بننا شاذ و نادر مشاہدہ میں آتا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نماز ان تمام کیفیات کی اعلیٰ ترین مظہر تھی، نماز شروع ہونے سے آخیر تک ایسا معلوم ہوتا کہ بندہ اپنے رب میں کچھ اس طرح کھو گیا ہے کہ خود اس کا وجود بھی درمیان میں باقی نہیں ہے، فنائیت کے اعلیٰ ترین مقامات نماز ہی میں طے ہوتے تھے، ایسی خوبصورت، دلکش اور دل آویز نماز کہ فرشتے دیکھ کر عش عش کریں، ایسی ہی نماز کو دیکھ کر کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام کی نمازیں کیسی ہوتی ہونگی اور پھر خود امام العاشقین سید المرسلین ﷺ کی نماز کا کیا حال ہوتا ہوگا؟؟

(۱) سنن النسائی، کتاب عشرة النساء، باب حب النساء، حدیث نمبر: ۳۹۵۶، ۳۹۵۷

(۲) التفسیر النیسابوری: ۱/ ۵۳، مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح: ۱/ ۱۳۴

اور ایسی ہی نماز کو دیکھ کر یہ راز بھی کُھل جاتا ہے کہ ''صلوا'' کی بجائے ''أقیموا الصلاة'' کے حکم کا کیا راز ہے، ''إقامة الصلاة'' کا کیا مطلب ہے اور اس سے نماز میں کیا حسن و جمال پیدا ہوتا ہے۔

بے دلی سے نماز پڑھنے والوں کا شکوہ

ایک مجلس میں والد صاحب مرحوم سے بڑے درد بھرے لہجہ میں فرمایا کہ

> ''لوگوں کی نماز میں بے توجہی دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے، جب کبھی عوام کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کے وقت پوری تسبیحات ''**سبحان ربي العظيم**'' اور ''**سبحان ربي الأعلى**'' کی بجائے صرف سُب، سُب، سُب، سُب، سننے میں آیا''۔

جس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ''**سبحان ربي العظيم**'' اور ''**سبحان ربي الأعلى**'' فرمایا تو روح تڑپ اٹھی اور دل نے کہا کہ اللہ اللہ یہی تسبیحات جب خود نماز میں اپنے رب کے آگے جھک کر اور سر بسجود ہو کر فرماتے ہوں گے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی

روحانی تصرف کا ایک واقعہ

مولانا عبد الشکور صاحب مدرس مدرسہ شمس الہدی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاص متوسلین اور مقربین میں سے تھے، فرماتے تھے کہ

> ''بزرگوں کے واقعات میں دیکھا تھا کہ بعض بزرگ ایک وقت میں کئی کئی جگہ دیکھے گئے، تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، گڑھول جب حاضری ہوئی تو خیال تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی حقیقت دریافت کر کے اس مسئلہ میں اپنی تشفی کروں گا، جب پہونچا ہوں تو نماز کا وقت تھا، اس زمانہ میں خود حضرت رحمۃ اللہ نماز پڑھایا کرتے تھے، میں بھی جماعت میں شریک ہوا، نماز شروع ہوتے ہی مجھ پر ایک کیفیت طاری

ہوئی اور میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے، اور اس وسیع میدان میں جابجا متعدد جماعتیں صف بستہ نماز میں مشغول ہیں، اور ہر جماعت کے امام حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور سارے کے سارے مقتدی ہر جماعت میں وہی ہیں، جو اس جماعت میں تھے، جس میں شامل ہوکر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، یہ دیکھ کر آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا، میرے سوال کا جواب مجھ کو مل گیا، سارے شبہات کا ازالہ ہوگیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی تصرف نے ایسا مشاہدہ کرادیا کہ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھنے اور سمجھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی''۔

میری باطنی تعلیم کا وعدہ

جب حضرت والد صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجھ کو لے گئے اور عرض کیا کہ اس کو آپ تعلیم دیجئے (اس واقعہ کا ذکر میں اپنی تعلیم اور قیام دربھنگہ کے سلسلہ میں کر چکا ہوں) تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

''اس کو مولانا مقبول احمد خاں صاحب کے پاس دربھنگہ لے جایئے، اگر وہ اس کو منطق کی کوئی کتاب پڑھا دیں گے تو استعداد کی قوت پیدا ہوجائے گی، افسوس میرے پاس وقت نہیں ہے، ورنہ ضرور میں اس کو خود پڑھاتا، آپ اس کو ظاہری تعلیم مکمل کرایئے، باطنی تعلیم میرے ذمہ ہے''

باطنی تعلیم کی تکمیل کا وعدہ پورا ہونے سے پہلے ہی اللہ نے اپنے اس محبوب بندہ کو اپنے پاس بلالیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر میں نے ایک پُر درد مرثیہ لکھا، جو کتابی شکل میں شائع ہوا، اس مرثیہ میں اس وعدہ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے، ع

تو نے کیا وعدہ کیا تھا اپنا وعدہ یاد ہے

حضرت گڑھولوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا عجیب منظر

جو کچھ مجھ کو معلوم ہوسکا وہ یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نماز عشاء سے فارغ ہوکر گھر کے اندر تشریف لے گئے اور خلاف معمول گھر کے صحن میں دیر تک ٹہلتے رہے، درمیان میں بار بار آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے رہے، جیسے اوپر سے کسی کی آمد کا انتظار ہے، اور اس کے استقبال کے منتظر ہیں، پھر اہلیہ محترمہ کو فرمایا کہ کوئی پاک وصاف بستر ہے، انہوں نے عرض کیا کہ برآمدہ میں میری چارپائی پر بالکل نیا دھلا ہوا صاف ستھرا بستر بچھا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اسی بستر پر آکر لیٹ گئے، پھر کلمہ پڑھا اور خاموش ہوگئے، خلاف معمول باتیں اور چہرے کا بدلتا ہوا رنگ، اشتیاق انتظار اور بے چینی کی کیفیت دیکھ کر پہلے سے اہلیہ محترمہ گھبرائی ہوئی تھیں، اس خاموشی پر اضطراب بڑھا، جلدی بابو ایوب صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحبزادے کو اندر بلایا اور پوری کیفیت بیان کی، وہ بھی نبض وغیرہ دیکھ کر بہت گھبرائے، موضع جالے اسی وقت آدمی کو دوڑایا گیا اور وہاں کے ایک بڑے ڈاکٹر جن کا تعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، جلد سے جلد آپہنچے، اور معائنہ کے بعد بادیدۂ گریاں یہ فیصلہ سنایا کہ اللہ نے اپنے پیارے بندہ کو اپنے پاس بلالیا ہے، إنا لله وإنا إليه راجعون، كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام۔

وصال کے بعد مزار پر دم کرنے والوں کا ہجوم

وصال کے بعد ایک مدت تک مزار شریف پر لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور پانی، تیل، نمک وغیرہ قبر شریف کے پاس لے جاکر لوگ رکھ دیتے اور کچھ دیر کے بعد اٹھا لیتے، اس سے بکثرت لوگوں کو فوائد حاصل ہوئے۔

مزار شریف کی مٹی

وصال کے بعد سے لوگوں کا ہجوم جو مزار کے پاس آتا وہ پانی وغیرہ رکھنے یا یوں سمجھئے کہ دم کرانے کے بعد تھوڑی مٹی بھی ہر ایک اٹھا کر لے جانے لگا، چنانچہ چند روز میں ضرورت پڑ جاتی کہ دوسری مٹی مزار شریف پر ڈالی جائے، چنانچہ حضرت مولانا ایوب صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کچھ

عرصہ تک جب مٹی کم ہوجاتی نئی مٹی ڈال دیا کرتے، مگر جب یہ سلسلہ بڑھا تو ایک دن مزار شریف پر حاضر ہوئے اور نہایت ادب سے عرض کیا کہ

''حضرت! زندگی میں تو بہت سخت تھے، مگر اب مزار شریف پر یہ کیا ہونے لگا ہے، اب میں آخری مرتبہ مٹی ڈال رہا ہوں، اس کے بعد اگر گڑھا بھی پڑ جائے گا تو اب میں مٹی نہیں ڈالوں گا، اس سلسلہ کو بند کروایئے''۔

عجیب تصرف

چنانچہ اس کے بعد پھر کسی نے مٹی نہیں اٹھائی، قطعاً وہ سلسلہ بند ہوگیا، اور اب کبھی مٹی ڈالنے کی نوبت نہیں آئی، اور پانی، تیل، نمک وغیرہ مزار شریف پر رکھ کر دم کرانے کا خیال بھی اب کسی کو نہ پیدا ہوا، اور وہ سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادگان

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بڑے صاحبزادے مولانا ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی توقعات وابستہ ہوگئی تھیں، مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی اور جلد ہی وہ بھی اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اب اس گھر اور اس خاندان یعنی اس سلسلہ سے تعلق رکھنے والوں کی بڑی مایوسی ہوئی، حضرت پنڈت جی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض جاری ہوا، اور خوب جاری ہوا، مگر تقسیم ہند کے بعد جن صاحب کے مکان میں رہتے تھے، وہ پاکستان جانے لگے تو پنڈت جی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ساتھ لیتے گئے، وہاں پہونچ کر خوب خوب فیضان عام ہوا، مگر افسوس کچھ ہی عرصہ کے بعد وہ بھی واصل بحق ہوگئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادگان رہ گئے ہیں، تینوں نے مل کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کو تقسیم کرلیا ہے، منجھلے صاحبزادے مولانا ادریس صاحب

نے اس وقت مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں مدرس ہوکر علم دین کی خدمت کے شعبہ کو سنبھال لیا ہے اور ایک بڑا روحانی کام اللہ نے ان سے لیا ہے کہ انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح، ملفوظات ومکتوبات مرتب فرما کر بندگان خدا کی ہدایت کا سامان بہم پہونچایا ہے۔

سنجھلے صاحبزادے بابو ذاکر صاحب مدظلہ اس وقت اس مہمان خانہ فیض یعنی ''خداداد خانہ'' کی میزبانی کے شعبہ کی خدمت میں مصروف ہیں، کھیت اور جائداد کا نظم، گھریلو انتظام اور ہر آنے جانے والے کی خاطر تواضع، اپنی مہمان نوازی، اعلیٰ اخلاق اور محبت بھرے انداز سے فرمارہے ہیں۔

چھوٹے صاحبزادے مولانا حکیم سلمان صاحب نے روحانی شعبہ سنبھالا ہے، مسجد میں نماز آپ ہی پڑھاتے ہیں، میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، ان کے پیچھے نماز میں شریک ہوتے ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نماز کی کیفیات کا نقشہ آ کھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اس نماز کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

اسباب معیشت

نذر و نیاز قبول کرنے اور پیری مریدی کو پیشہ بنانے سے اجتناب کرنا، اس خانقاہ کا شروع سے طرۂ امتیاز رہا ہے، چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح ظاہری اسباب معیشت کھیتی وغیرہ کو بناء رکھا تھا، اسی طرح ماشاء اللہ آج تک تمام صاحبزادگان نے بھی یہی اصول زندگی باقی رکھا ہے۔

چھوٹے صاحبزادے سلمان بابو حکیم بھی ہیں اور گڑھول شریف والے مکان (خداداد خانہ) کے ایک حصہ میں مطب کرتے ہیں، یہ مطب آج مرجع خلائق بنا ہوا ہے، بے انتہا فیض ہے، شافی مطلق نے ان کے ہاتھ میں ایسی شفاء رکھ دی ہے کہ جو مریض آتا ہے، وہ صحت اور شفاء کی دولت سے مالا مال ہوکر جاتا ہے۔

خواب میں حضرتؒ کا نسخہ تجویز فرمانا اور ایک تصرف کا عجیب واقعہ

ایک صاحب جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے ہیں، ایک سخت مرض میں مبتلا

ہوئے، ہر طرف سے علاج کر کے تھک گئے تو ایک روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا، فرما رہے ہیں، جاؤ سلمان سے کہو، ہومیو پیتھک کی فلاں دوا فلاں نمبر کی دیدے، یہ صبح اٹھ کر سلمان بابو کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے مرض کا حال بیان کیا، وہ یونانی کے ساتھ ہومیو پتھک علاج بھی کرتے ہیں؛ حالاں کہ انہوں نے خواب کا واقعہ بھی ذکر نہیں کیا تھا، صرف حال ہی بیان کیا تھا کہ وہ اٹھے اور الماری میں سے وہی دوا اسی نمبر کی نکال کر ان کو دی، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی، اس کو دیکھ کر یہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، سلمان بابو نے تسلی دی کہ رونے کی بات نہیں ہے، یہ دوا بہت مفید ہے، مایوس نہ ہوں، اس کو استعمال کریں، تب انہوں نے واقعہ بیان کیا کہ اس طرح خواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہی دوا بتلا چکے ہیں، یہ سن کر سلمان بابو نے فرمایا کہ ''اس مرض کی اس سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں''۔

کچھ مجذوبوں نے عزیزی سلمان کی تکمیل کی شہادت دی

اسی سال سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے فیضیاب ہوئے اور کانپور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پہونچے اور وہاں کے فیضان سے مالا مال ہو کر واپس چلے ہی تھے کہ کانپور کی گلیوں میں بعض مجذوب مل گئے، ساتھیوں نے ان مجذوبوں سے کہا کہ یہ فلاں کے صاحبزادے ہیں، ان کے لئے دعا کر دیجئے کہ ان کی تکمیل ہو جائے، یہ سن کر ان سب نے بیک زبان کہا کہ تکمیل ہو چکی ہے۔ (راقم الحروف کی دعاء ہے کہ **اللھم زد فزد آمین**)۔

نظم عقیدت

فخر العلماء اُستاذِ مکرم مولانا قاری سید محمد فخر الدین گیاوی رحمۃ اللہ علیہ

نتیجۂ فکر: عارف گیاوی، امام جامع مسجد ساکچی، جمشید پور

روحانیت کے شاہ تھے ، اور امامِ وقت
مانا کہ ظاہراً نہیں رکھتے تھے تاج وتخت

تھے آفتابِ علم عمل کے تھے ماہتاب
دُنیا سے چل بسے وہ سُوئے خلد نیک بخت

تا عمر رات بھر وہ رکوع و سجود کا
دیتے رہے بخوف خدا امتحان سخت

وہ کیا گئے کہ ہستئ کامل چلی گئی
صدمہ ہے اُن کی موت کا ہر آدمی کو سخت

۷۷ کی عمر میں وہ ہوئے راہیٔ عدم
سچ ہے کہ موت کا بھی مقدر ہے ایک وقت

الموت جسر یوصل الحبیب إلی الحبیب
اللہ کا حبیب بسوئے حبیب رفت

دن رات ذکر، اور عبادت تھا مشغلہ
دیتے رہے وہ نفس و شیاطین کو شکست

عالم تھے باکمال، تو قاری تھے بے مثال
ہر فن میں حق نے آپ کو بخشی تھی پیش رفت

کرتے تھے اتباع وہ ہمیشہ حضور ﷺ کی
مردُم شناس ، اہل بصیرت ، حکیمِ وقت

اللہ کی کتاب کے عاشق تھے فخر دینؒ
رہتے تھے ہر گھڑی وہ تلاوت میں غرق ومست

سیراب ہو رہے ہیں ہر اک طالبانِ علم
جاری ہے اُن کے فیض کا چشمہ ہر ایک سَمت

افسوس ! نکتہ دانِ شریعت نہیں رہا
صد آہ ! راز دارِ طریقت نہیں رہا

نالۂ غم

حضرت مولانا قاری محمد فخر الدین گیاوی رحمۃ اللہ علیہ

نتیجۂ فکر: عارف گیاوی، امام جامع مسجد ساکچی، جمشید پور

صدق و صفا کا ماہِ درخشاں کہیں جسے	مہر و وفا کا نیّرتاباں کہیں جسے
حق تو یہ ہے کہ صاحب ایماں کہیں جسے	ایک با کمال صاحب عرفاں کہیں جسے
علم و عمل کا شمع فروزاں کہیں جسے	وہ فخر دیںؒ کہ ماہر قرآں کہیں جسے
وہ نائب رسول کہ ذیشاں کہیں جسے	فخر زمانہ، نازشِ دوراں کہیں جسے
وجہ سکون ، قلب پریشاں کہیں جسے	افسوس ، اب نگاہ سے پنہاں کہیں جسے
وہ فخر دیں کہ آیۂ رحماں کہیں جسے	علم و عمل کا ایک گلستاں کہیں جسے
شہر گیا میں مرکز علمی وہ جامعہ	علامہ فخر دیںؒ کا گلستاں کہیں جسے
قاری معین دیں جو ہیں اب اُن کے جانشیں	گلزار فخر دیںؒ کا نگہباں کہیں جسے
جس کو ملا شیوخ سے فیضانِ باطنی	وہ مرتبہ کہ خلد بد اماں کہیں جسے
جاری ہے جس کے فیض سے چشمہ علوم کا	اک فضل خاص ، رحمت یزداں کہیں جسے
مدح رسول پاک کا جس کو ملا شرف	سر دارِ انبیاء کا ثنا خواں کہیں جسے
دریائے معرفت تھا رواں اُن کے شعر سے	رنگینئ کلام میں حساںؓ کہیں جسے
وہ مرد با خدا ، وہ سراپا شعور و فکر	دانائے راز ، زیست کا عنواں کہیں جسے
دین محمدی کی اشاعت تھی رات دن	یہ وہ ادا تھی جانِ بہاراں کہیں جسے
وہ زندگی جو خدمتِ انساں میں کٹ گئی	وہ خدمت بلیغ کہ احساں کہیں جسے
وہ کشتئ حیات جو ساحل سے لگ گئی	اہل ہوس کے واسطے طوفاں کہیں جسے

عارفؔ کہاں سے لائیں گے اب ڈھونڈ کر اُسے
خلقِ خدا کے درد کا درماں کہیں جسے

تمنائے دلی آخر برآئی سعیِ پیہم سے

میں نے حضرت مولانا محمد فخر الدین گیاویؒ کو ان کی عمر کے آخری مرحلہ میں دیکھا ہے، وہ میرے بچپن کا زمانہ تھا؛ اس لئے ذہن کے پردے پر ان کی شکل وشباہت کے بس دھندلے سے نقوش ابھرتے ہیں، میری نانی جان ان کی سگی بہن تھیں، اس رشتہ سے وہ میرے نانا تھے؛ اس لئے گھر میں ان کا، ان کے نعتیہ مجموعہ ''نورِ ایماں'' کا اور بطور خاص ''درس حیات'' میں آنے والے واقعات اور حکایتوں کا ہمیشہ تذکرہ رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ اس کتاب کو پڑھنے کا اشتیاق رہا، اس کا ایک بوسیدہ نسخہ والد محترم جناب مولانا سید حسین احمد قاسمی مدظلہ کے پاس بھی تھا، جستہ جستہ اس کو پڑھنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ اس کتاب کا مصنف صرف شاعر ہی نہیں؛ بلکہ ایک پختہ کار نثر نگار بھی ہے، اور دل میں خیال آیا کہ یہ کتاب دوبارہ شائع ہوتی تو کیا خوب ہوتا، لیکن اپنی بساط ہی کیا تھی، میرے برادر عزیز مولانا محمد زاہد حسین ندوی (جمشید پور) اور ہم زلف مولانا محمد علی رشادی (بنگلور) بھی بار بار اس طرف توجہ دلاتے رہے۔

ادھر کچھ دنوں پہلے میرے خسر محترم جناب مولانا قاری محمد معین الدین قاسمی مدظلہ نے فرمایا کہ میں ''درس حیات'' کو دوبارہ شائع کرنا چاہتا ہوں، میں نے بڑھ کر یہ ذمہ داری قبول کی اور انہوں نے مجھ پر اعتماد کیا، کتاب کی پروف ریڈنگ کے دوران اس کو اچھی طرح پڑھنے کا موقعہ ملا، یہ پڑھ کر استعجاب بھی ہوا اور اپنی بے خبری پر افسوس بھی کہ مصنف کتاب کے والد حضرت مولانا خیر الدین صاحبؒ نے خواجہ الطاف حسین حالیؔ سے فارسی پڑھی تھی، اور ان کے بڑے منظور نظر تھے، اس کے تفصیلی تذکرہ کے لئے اسی کتاب کا صفحہ: ۱۲۴ پڑھئے۔

کتاب میں بعض واقعات خارق عادت باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو ہم کوتاہ بینوں کو مستبعد معلوم ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ کرامات کی قبیل سے ہیں، اور کرامت برحق ہے، ایک دو واقعات بظاہر بدعت آمیز معلوم ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ اظہار واقعہ ہے کہ بعد کے لوگ ایسا کرنے لگے تھے، کسی ایسے عمل کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت میں نمایاں حصہ میرے خال محترم قاری قسیم الحق گیاویؒ کا رہا تھا، صد شکر کہ اس بے بضاعت کو اس کی دوسری اشاعت کے سلسلہ میں رب کریم کی جانب سے تگ ودو کی توفیق ملی۔

ورق تمام ہوا، اب یہ کتاب ہدیۂ ناظرین نہیں؛ بلکہ نذر قارئین کی جاتی ہے۔

۲۴/ شعبان ۱۴۳۱ھ — محمد اعظم ندوی (حیدرآباد)